عرفانِ حافظؒ

بقلم حقیقت رقم

حکیم الامت حضرت مولانا حافظ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

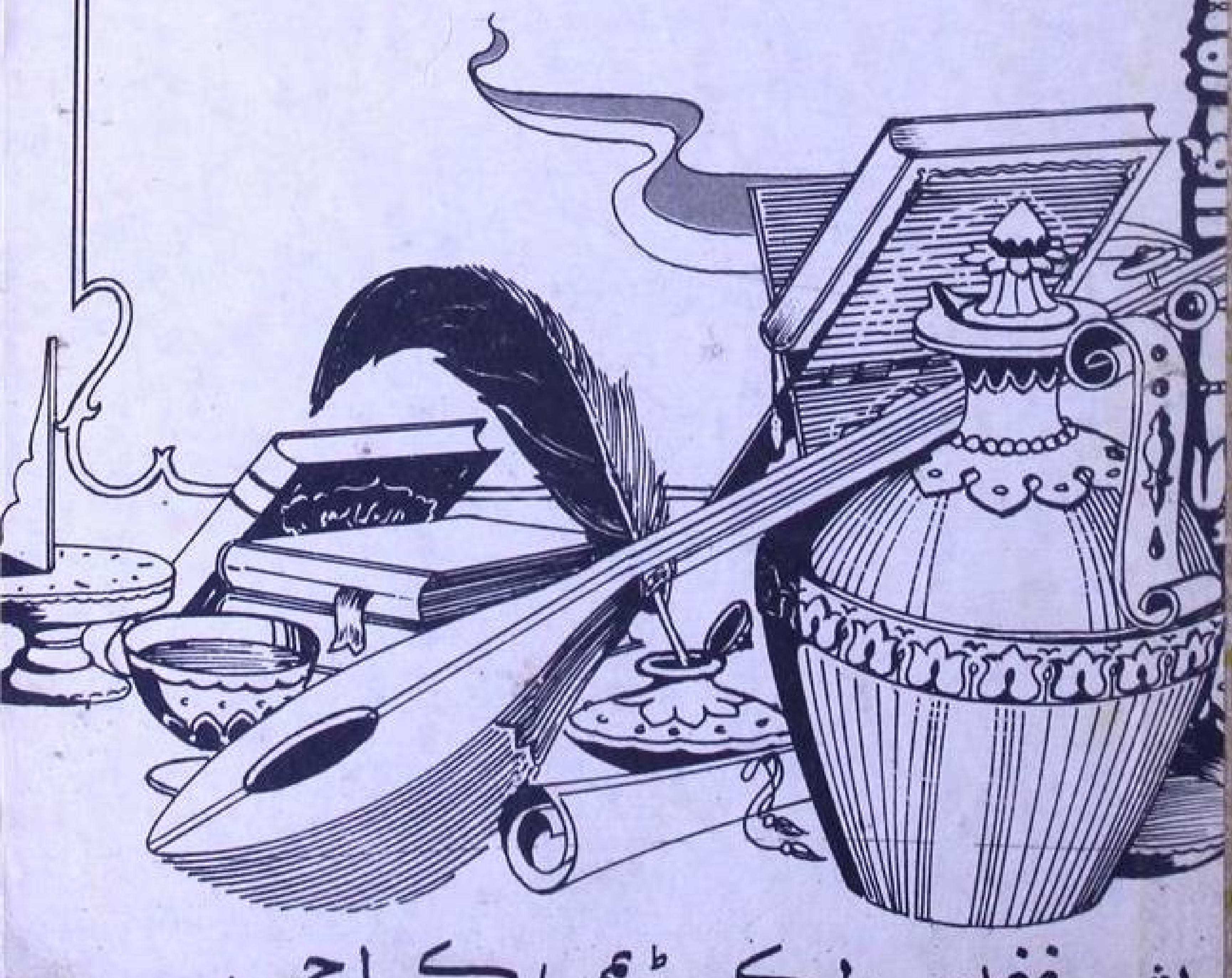


پبلیشر: نفیس اکیڈمی کراچی

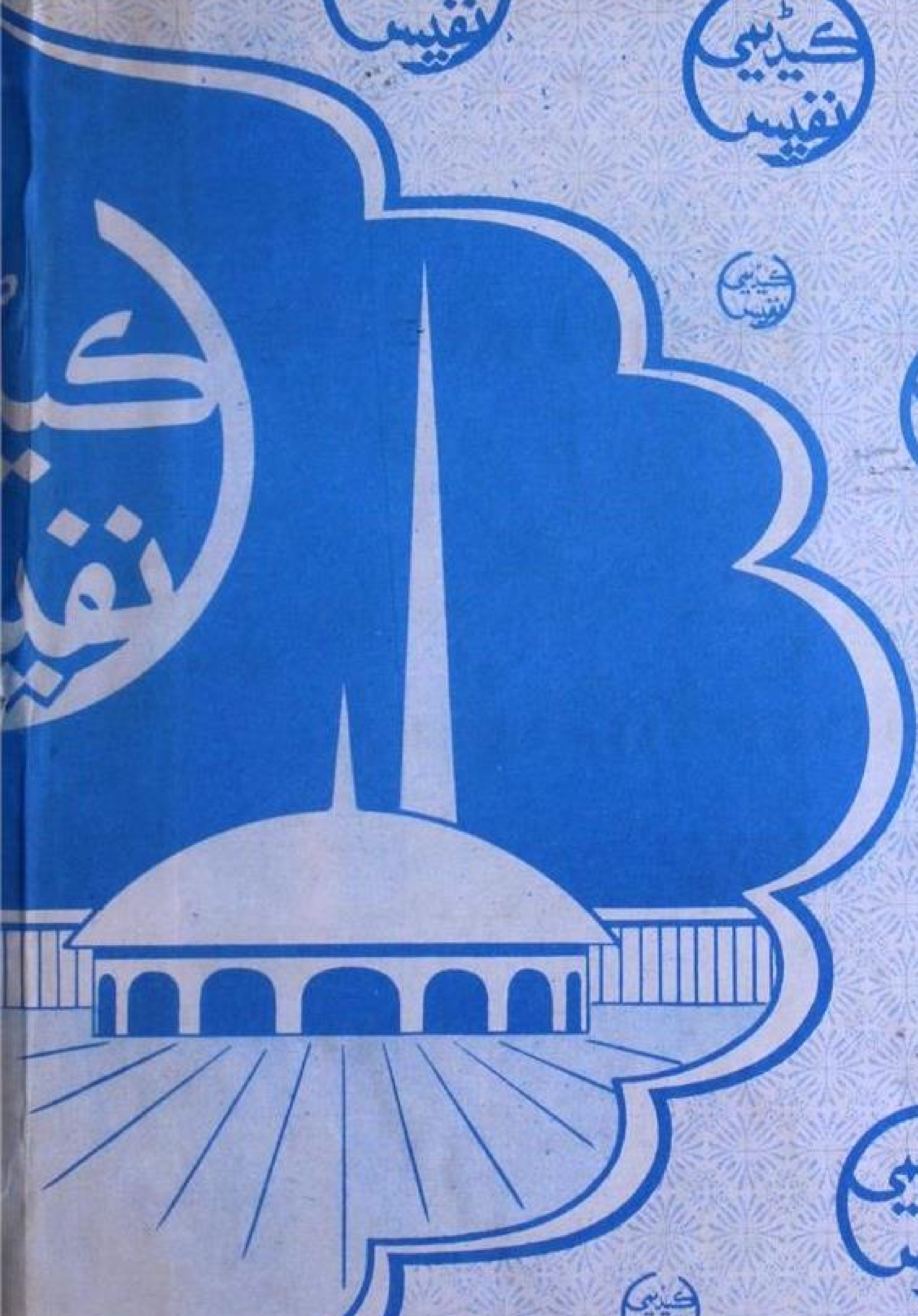
عرفانِ حافظؒ

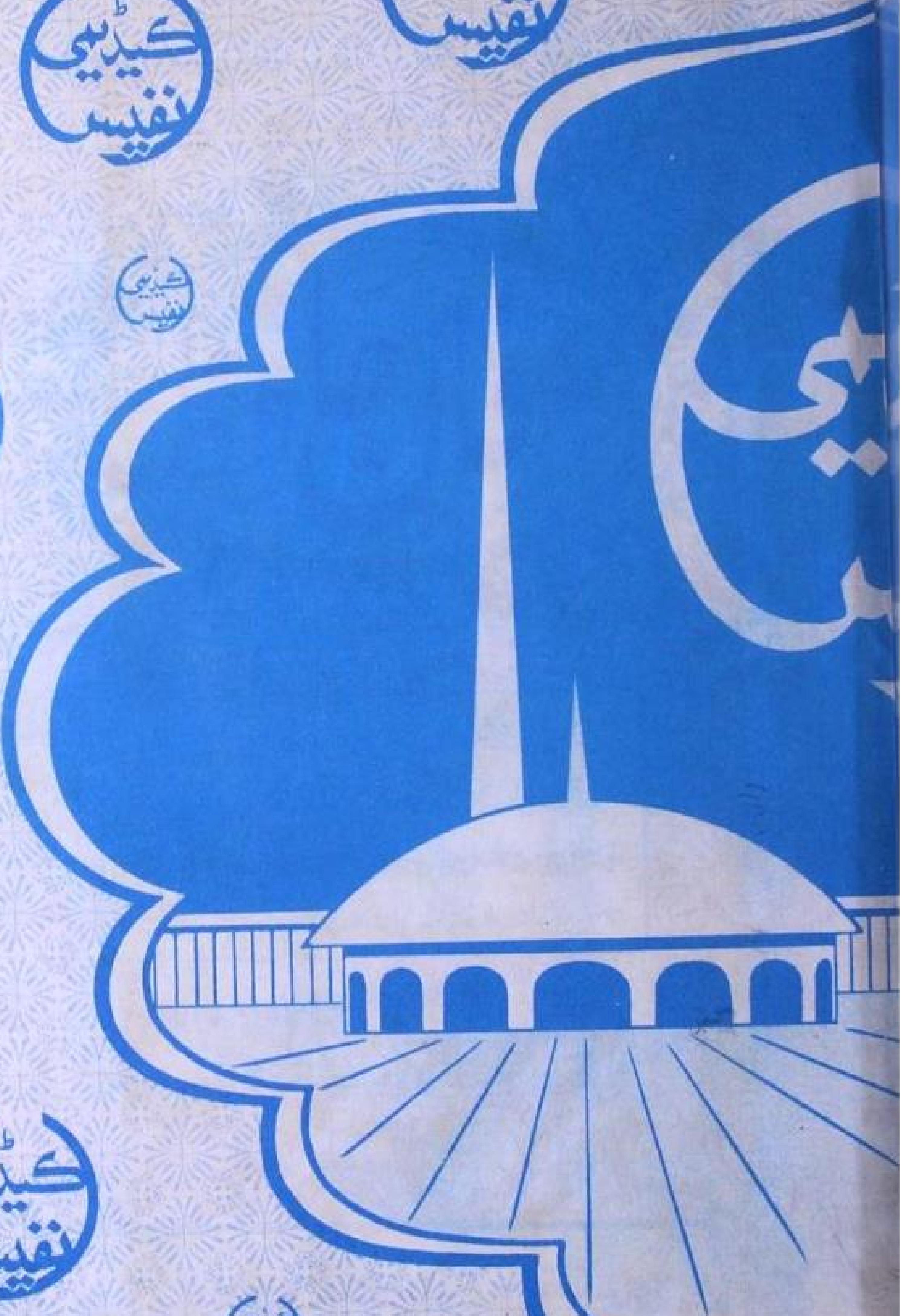
بقلم حقیقت رقم

حکیم الامت حضرت مولانا حافظ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ



پبلشر: نفیس اکیڈمی کراچی





دلکش خانقاہ و ذوقیات شرح غزلیات (حافظ) پر جا کے بست پر اوروی صب

عرفانِ حافظ

عارف شیراز بلبل خوشنوا حضرت شمس الدین حافظ شیرازی کے مشہور و
مقبول فارسی دیوان کے اشعار کی صوفیانہ و عارفانہ اُردو شرح جس کے ایک
ایک لفظ سے شارح کا کمال عرفان ظاہر ہوتا ہے۔ اور بہت سے صوفیانہ رموز
واسرار پر عالمانہ و عارفانہ تشریحات کا بے مثال خزینہ ہاتھ آجاتا ہے۔

بقلم حقیقت رقم

حکیم الاُمت حضرت مولانا حافظ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر: نفیس اکیڈمی کراچی

طابع

چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندری

مالک

نفیس اکیڈیمی اسٹریچن روڈ کراچی

بہ اہتمام

★۔ طارق اقبال گاہندری

طبع اوّل ________ ستمبر ۱۹۷۶ء
طباعت ________ آفسٹ
ٹیلیفون ________ ۲۱۳۳۰۳
قیمت ________

NAFEES ACADEMY
Strachan Rd, KARACHI
Rs. 21/=

مطبوعہ۔ رشید اینڈ سنز پرنٹرز۔ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عارفِ شیراز

چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندری

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی النبی الذی لانبی بعدہٗ

حضرت مولانا حافظ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۶۲ھ ہجری (مطابق ۱۹۴۳ء) موجودہ صدی کے مشہور عالم اور شیخ عصر تھے۔ انھوں نے بڑی عمر پائی۔ سیکڑوں مفید کتابیں تصنیف فرمائیں اور ہزاروں ہی کی دینی تربیت کی، اُن کے رشد و ہدایت سے فیض یاب ہونے والوں میں سو سے زیادہ بڑے بڑے علماء شامل ہیں۔ وہ حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ متوفی ۱۳۱۰ھ (مطابق ۱۸۹۲ء) کے ارشد ترین خلفائے مجازین سے تھے۔ ساری زندگی وعظ، تصنیف اور مریدوں کی تربیت میں بسر فرمائی۔ ابتداءً وہ کانپور کے مدرسہ جامع العلوم میں مدرس تھے، کچھ دنوں کے بعد اپنے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی ہدایت پر اپنے وطن تھانہ بھون (ضلع سہارنپور۔ یوپی) میں حاجی صاحب رحمۃ اللہ کے نام نامی سے منسوب کر کے خانقاہ امدادیہ قائم کی جہاں انھوں نے تعلیم و تربیت اور تصنیف و تالیف میں زہد و اتقاء کے ساتھ عمر بسر کر دی۔ وہ علوم اسلامیہ اور علوم عقلیہ کے بڑے عالم تھے۔ اور یہ خوبی اُن کے ہر وعظ اور ہر تصنیف میں نمایاں نظر آتی ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں تو سو سے زیادہ تصنیفات چھوڑیں جن میں بہشتی زیور جیسی مقبول و معروف کتاب بھی داخل ہے اور سچ یہ ہے کہ اگر مرحوم مولانا اپنی ساری زندگی میں یہی ایک کتاب لکھے ہوتے پھر بھی وہ اس صدی کے سب سے زیادہ مقبول اُردو مصنف شمار کیے جاتے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ابتدائی تصانیف میں سے ایک کتاب "عرفانِ حافظ" بھی ہے۔ اس کتاب میں مولانا مرحوم نے فارسی زبان کے نامی اور مقبول شاعر شمس الدین حافظ شیرازی متوفی ۷۹۱ھ (مطابق ۱۳۸۹ء) کے دیوان اشعار کی متصوفیانہ شرح کی ہے اور بہت ہی عمدہ شرح کی ہے۔ ضمناً تصوف اور فلسفہ کے بہت سے دقیق مسائل کی تشریح و توضیح بھی آگئی ہے۔ علم و عرفان کے طالبوں کے لیے یہ شرح ایک بہت ہی قیمتی سرمایہ ہے۔

"عرفان حافظ" بڑی مدت سے کمیاب بلکہ نایاب ہو چکی تھی۔ اہلِ ذوق کا تقاضا تھا کہ اسے پھر طبع کیا جائے۔ نفیس اکیڈیمی جس نے اس سے پہلے بھی جدید کتابوں کے علاوہ بہت سی بڑی بڑی اور ضخیم پرانی کتابیں شایع کی ہیں۔ "عرفان حافظ" کی طباعت واشاعت کا اہتمام کیا، اور ہم اللہ جل جلالہ کے شکر گزار ہیں کہ اُس کی توفیق وعنایت سے آج اس عظیم اور مفید کتاب کو قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کے قابل ہو سکے۔ فالحمد للہ

سامانِ طباعت کی ہوش ربا گرانی کے اس دور میں کسی کتاب کو اچھی شکل اور عمدہ کاغذ پر چھاپ کر شایع کرنا جوئے شیر لانے کی مہم سے کم نہیں ہے۔ اس کا اندازہ ان تمام حضرات کو اچھی طرح ہو سکتا ہے جو آج کل طباعت واشاعت کا کام کر رہے ہیں۔ لیکن شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری ہر مرحلہ پر مدد فرمائی اور نفیس اکیڈیمی کی پچھلی بیش بہا خدمات میں اس مفید وکارآمد کتاب کی طباعت واشاعت سے ایک اور اضافہ فرما دیا۔

یہ کتاب بغیر کسی ترمیم واضافہ کے بعینہ وہی کتاب ہے جو حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں خود اُن کی زندگی میں شایع ہوئی تھی۔ ہمیں ایک شوشہ یا نقطہ کا اضافہ بھی جائز نہیں قرار دیا گیا ہے۔ اور ہماری رائے میں جائز نہیں ہونا چاہیے تھا۔

ہمیں امید ہے کہ اس کتاب کی اشاعت سے اہل علم وعرفان کا شوق پورا ہو جائے گا اور "دیوان حافظ" کا مطالعہ کرنے والوں کے ہاتھوں میں ایک عمدہ اور ماہرانہ شرح آجائے گی۔ اور لوگ اس سے پوری طرح فائدہ اُٹھائیں گے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبولیتِ عامہ عطا فرمائے۔ وَمَا توفیقی الّا باللہ۔

محمد اقبال سلیم گاہندری

مالک نفیس اکیڈیمی

اسٹریچن روڈ۔ کراچی ۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرفان حافظ

علامہ عبد القدوس ہاشمی ندوی

الحمد للہ الذی نور قلوب المومنین بنور الایمان والصلوٰۃ والسلام علی جمیع انبیائہ الذین ھم الدعاۃ الی صراط الرحمٰن ولاسیما النبی الامی الذی انزل علیہ القرآن واصحابہ الذین اتبعوہ بالاحسان

خواجہ شمس الدین حافظ شیرازی المتوفی ۷۹۱ھ فارسی زبان کے بہترین شاعروں میں سے ایک مقبول شاعر ہیں، اِن کے دیوان سے لوگوں نے عجیب عجیب معانی پیدا کیے ہیں۔ خواجہ حافظ کی عام زندگی پر جن کی نظر ہے وہ تو ان کے اشعار سے رندی و بے باکی اور دنیاوی عشق و محبت کی ترجمانی کے سوا کوئی اور بلند معانی پیدا کرنے کو تیار نہیں ہیں اور ایسا کرنے میں وہ کچھ زیادہ غلطی پر بھی نہیں ہیں۔ خواجہ کے معاصرین اور تذکرہ نگاروں نے اِن کی زندگی کا جو نقشہ ہمارے سامنے پیش کیا ہے اسے سامنے رکھ کر اُن کی غزلوں سے یہی معانی پیدا کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن ایک طبقہ اُن اللہ والوں کا بھی ہے جو ان کے اشعار سے عرفان خداوندی کے معانی پیدا کرتا رہا ہے۔ وہ اُن کے اشعار کا مدلول ہستی مطلق اور حسن لم ازل کو قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اگرچہ اُن کے اشعار بادہ و ساغر اور ہجر و وصل کے معاملات سے بھرے ہوئے ہیں لیکن یہ سب شاعرانہ تعبیرات ہیں ورنہ خواجہ حافظ جو کچھ کہتے ہیں وہ عشق حقیقی اور کیفیات سلوک اللہ کا بیان ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خواجہ حافظ کے دیوان میں ایسے اشعار کی کمی نہیں جن سے یہ معانی اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ خود یہ معانی خالص توحیدی نقطۂ نظر سے صحیح ہیں یا غلط، یہ ایک الگ مسئلہ ہے، مگر اس سے انکار ممکن نہیں کہ خواجہ حافظ کے دیوان میں ایسے بہت اشعار موجود ہیں جن سے گوشت و پوست کے اِن مادی و دنیاوی معشوقوں کی بجائے حسن مطلق مراد لیا جا سکتا ہے۔ مثلاً

حضوری گر ہمی خواہی ازو غافل مشو حافظ — متی ما تلق من تھوی دع الدنیا واھملھا

در حقیقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست — بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

عارفے کو سیر گرد اندر مقام نیستی — ہست شد چوں ہستی از عالم اسرار داشت

رہ روندگان طریقت بہ نیم جو نخرند — قبائے اطلس آں کس کہ از ہنر عاری است

ہر انچہ میرسد از نور فیض سبحانی — نصیبۂ دل شخصے کہ شب سحر خیز است

راہ تو چہ راہ است کہ از غایت تعظیم — دریائے محیط فلکش ہمچو حباب است

مرغ شبخواں را بشارت باد کاندر راہ عشق　　　دوست را با نالۂ شبہائے بیداران خوش است

اس طرح کے سینکڑوں ہی اشعار خواجہ حافظ کے دیوان میں مل جاتے ہیں جن سے یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ خواجہ حافظ جس معشوق کے عشق میں غزل خواں ہیں وہ حسن مطلق ہے۔ شاید اسی وجہ سے اہل خانقاہ میں حافظ کا دیوان ہمیشہ ہی سے مقبول و معروف رہا ہے۔ حتیٰ کہ خواجہ حافظ اور ان کے دیوان سے عقیدت نے یہ صورت بھی پیدا کر دی کہ لوگ حافظ کے دیوان سے فال دیکھنے لگے۔ حالانکہ ہر تعلیم یافتہ آدمی کو معلوم ہے کہ فال دیکھنا ہی کیا اچھا کام ہے چہ جائیکہ دیوان حافظ یا کسی اور کتاب یا مہرہ سے فال۔ مگر عقیدت بڑی عجیب چیز ہوتی ہے۔ لوگ دیوان حافظ سے فال بھی دیکھتے رہے ہیں۔ اور شاید اب بھی کچھ لوگ فال دیکھتے ہوں گے۔

دیوان حافظ کی مقبولیت کی وجہ سے اس کی متعدد شرحیں لکھی گئیں۔ کچھ لوگوں نے اس کی ادبیت و غنائیت پر زور دیا اور کچھ نے اس میں شاعرانہ صنائع و بدایع کی نشاندھی کی، لیکن بعض لوگوں نے اس کی متصوفانہ و عارفانہ شرحیں لکھیں، اُردو زبان میں دیوان حافظ کی جتنی شرحیں صوفیانہ انداز میں لکھی گئی ہیں، اُن میں بلاشبہ عرفان حافظ مصنفہ مولانا حافظ محمد اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی شرح بہترین شرح ہے اور کیوں نہ ہوتی یہ ایک عارف کی لکھی ہوئی عارفانہ شرح ہے۔ اس شرح میں ضمنی طور پر تصوف کے بہت سے مسائل کی بڑی اچھی بحثیں آگئی ہیں۔ اس کے مطالعہ سے صوفیانہ منازل سلوک اور سالک کی نفسی کیفیات سے متعلق بھی بڑی گرانقدر معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اس شرح کے مطالعہ سے متاخرین صوفیاء کی بہت سی اصطلاحات اور اُن کے معانی بھی اچھی طرح معلوم ہو جاتے ہیں اور قاری کو اس کا احساس ہوتا ہے کہ اس نے مطالعہ سے کچھ نہیں بلکہ بہت کچھ حاصل کیا۔

حکیمُ الاُمّت مولانا حافظ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ ہماری موجودہ صدی کے مشہور و مقبول شیخ عصر اور بڑے معروف عالم تھے، وہ اُردو زبان کے عظیم المرتبت مصنف بھی تھے۔ انھوں نے دو سو سے زائد کتابیں اور رسائل اُردو زبان کو عطا کیے۔ انھوں نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا، تجوید پر کتابیں لکھیں ضخیم تفسیر البیان تصنیف فرمائی۔ حدیث، فقہ، تصوف اور اخلاق پر بہت سی کتابیں تالیف کیں۔ ان کی مشہور و معروف کتاب بہشتی زیور اتنی مقبول و معروف کتاب ہے کہ شاید ہی کوئی اُردو خواں ہو جو اس کتاب سے ناواقف ہو۔

مولانا اشرف علی تھانوی کی سوانح عمری مولانا کے خلیفۂ خاص خواجہ عزیز الحسن مجذوب،

بی اے ایل ایل بی علیگ نے اشرف السوانح کے نام سے خود مولانا اشرف علی کی زندگی میں لکھ کر ۸۶۸ صفحات میں شایع کر دی تھی، مولانا اشرف علی تھانوی کی وفات کے بعد جناب مجذوب نے ۱۴۱ صفحات کا ایک تتمہ بھی لکھا اور شایع کر دیا۔ اس کے بعد بھی مختلف حضرات نے مولانا کے سوانح حیات پر چھوٹی بڑی کئی کتابیں تالیف کی ہیں جنمیں مولوی غلام محمد صاحب کی مختصر سی کتاب حیات اشرف بھی ہے جس میں مصنف نے اختصار کے ساتھ تقریباً وہ سب کچھ لکھ دیا ہے جو ایک مخلص مرید کو اپنے شیوخ کے متعلق لکھنا چاہیئے۔ اس کتاب کے ابتدائی باب بعنوان نسب اور خاندان میں جناب مولوی غلام محمد صاحب نے لکھا ہے۔

"ہندوستان میں مسلمانوں کی حکمرانی سے قبل راجہ بھیم نے ضلع مظفر نگر (یوپی۔ انڈیا) میں ایک قصبہ اپنے نام سے تھانہ بھیم بسایا تھا پھر مسلمانوں کی آمد و سکونت پر اس کا نام محمد پور ہوا مگر یہ نام مشہور نہ ہوا اور وہی پرانا نام معروف رہا البتہ تھانہ بھیم سے تھانہ بھون ہو گیا۔ یہ قصبہ اپنی مردم خیزی میں مشہور چلا آرہا ہے اور یہاں کے مسلمان شرفا اہل شوکت و قوت اور صاحب فضل و کمال رہے ہیں۔"

مولانا اشرف علی تھانوی کے آباو اجداد نسبًا فاروقی تھے اور کئی سو سال قبل تھانیسر ضلع کرنال سے آکر قصبہ تھانہ بھون میں بس گئے تھے۔ مولانا کے والد ماجد عبد الحق صاحب میرٹھ میں کسی زمیندار کے مختار عام تھے اور خوش حال تھے۔ مولانا اشرف علی عبد الحق صاحب کے بڑے صاحبزادہ تھے۔ ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ چہار شنبہ کے دن صبح کے وقت تھانہ بھون میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم میرٹھ میں حاصل کی، حافظ حسین علی سے قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد تھانہ بھون میں مولوی فتح محمد سے عربی۔ اور اپنے ماموں واجد صاحب سے فارسی پڑھی، ۱۲۹۵ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۳۰۱ھ میں وہاں کے مقررہ نصاب کی تکمیل کر لی۔

صفر ۱۳۰۱ھ میں کانپور کے مدرسہ فیض عام میں مدرس مقرر ہوئے۔ اس کے بعد مدرسہ فیض عام سے علیحدہ ہو کر کانپور ہی کی جامع مسجد محلہ پٹکاپور میں درس دینے لگے۔ ۱۳۱۵ھ تک درس و تدریس میں بسر کیے اسی دوران میں حج کو گئے اور حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے خلافت و اجازت حاصل کی۔ پھر ۱۳۱۵ھ سے اپنے مرشد کے حکم سے مستقل قیام تھانہ بھون ہی رکھا، اپنے مرشد کے نام نامی سے منسوب خانقاہ امدادیہ کے مرشد ہو کر تحریر و تقریر کے ذریعہ لوگوں کی اصلاح اور تزکیہ میں مشغول رہے، سیکڑوں کتابیں تالیف فرمائیں اور ہزاروں کو مرید کیا۔ بالآخر یہیں تھانہ بھون میں سہ شنبہ کی

شب (یعنی ۱۶ر و ۱۷ر رجب ۱۳۶۲ھ م ۱۹ر و ۲۰ر جولائی ۱۹۴۳ء کی درمیانی رات) کو وفات پائی۔ عمر ۸۲ سال۔ ۳ ماہ اور ۱۱ دن ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ نے دو نکاح کیے لیکن غالباً کسی بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اس لیے وفات کے وقت حضرت والا نے کوئی صلبی اولاد لڑکا یا لڑکی نہیں چھوڑی۔ البتہ شاگرد، تربیت یافتگان اور مریدین کی ایک بڑی تعداد چھوڑی۔

اس مختصر سی تحریر کو اس عبارت پر ختم کیا جاتا ہے جو اِس کتاب "عرفان حافظ" کے متعلق حیات اشرف میں صفحہ ۱۴۶ پر درج ہے۔

"دیوان حافظ کی پرجوش و مرد افگن شراب نے بھی بہت سے بے احتیاط مے نوشوں کو راہ سے بے راہ کر دیا تھا، بدگمانوں کو تو اس شرابِ معرفت پر شیراز کے بادۂ انگور کا شبہ ہوا اور بے احتیاط خوش گمانوں نے اس سے اباحت کی تعلیم حاصل کی کہ

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغان گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

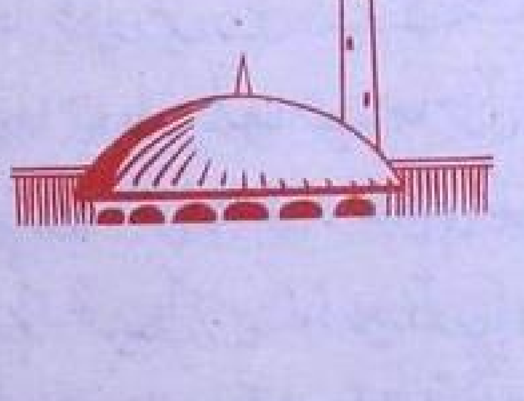
حضرت حکیم الامت (مولانا اشرف علی تھانوی) کی معرفت اس تیز و تند شراب کے منافع و اثم سے پوری طرح باخبر تھی، حضرت نے "عرفان حافظ" کے نام سے اس کی ایسی شرح لکھی کہ اس پھول سے ہر کانٹا الگ ہو گیا۔

ع ساقی پلائے پھول تو کانٹا نکال کے

عبد القدوس ہاشمی ندوی

کراچی

۱۵ ستمبر ۱۹۷۶ء



عرفان حافظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

بعد الحمد والصلوٰۃ بہ خاک پائے طالبان خدا و سالکان راہ ہدیٰ منظر مدعا ہے کہ کتاب لطیف دیوان حافظ کو جو اکثر عوام و خواص میں ایک خاص مقبولیت حاصل ہے ظاہر ہے میرے دل میں خود بھی خیال تھا اور بعض احباب کے اشارہ سے وہ خیال اور زیادہ موکد ہو گیا کہ اس کے جو اشعار متضمن تحقیقات یا حالات باطنی ہیں اُن کی مختصر اور سہل طور پر توضیح کر دی جاوے اور جو اشعار محض شاعرانہ نکات و لطائف پر مبنی ہیں اُن کا حل غرض خاص کی تکمیل و تحصیل میں دخیل نہیں سمجھا گیا الا نادراً لفائدۃٍ ما اور چونکہ حافظ قدس سرہ بوجہ صاحب حال ہونے کے ان اشعار خاصہ میں بیشتر حقائق و معارف بیان فرماتے ہیں اس لیے اس مجموعہ پریشان کا نام عرفان حافظ رکھنا زیادہ موزوں معلوم ہوا۔ یہ امر بھی پیش نظر رکھنے کے قابل ہے کہ چونکہ دیوان کے اشعار اجزاء غزل ہیں لہٰذا اس میں باہم ارتباط و تناسب مفہوماً ضروری نہیں فباللہ احول و ثقتہ بہ اقول۔

قال الحافظ رح

الا یا ایہا الساقی ادر کاسا و ناولہا — کہ عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلہا

ساقی شراب پلانے والا مراد محبوب حقیقی۔ کاس پیالہ شراب مراد جذب عشقی یعنی ادھر متوجہ ہو کر اے محبوب حقیقی دور دیجیے پیالہ (جذب عشقی) کو اور (اس دور میں) وہ پیالہ مجھ کو بھی دے دیجیے (یعنی مجھ کو اپنی طرف منجذب کر لیجیے) کیونکہ (راہ) عشق کا

(سلوک) اول اول آسان معلوم ہوا تھا (چونکہ اُس کے عقبات نہ دیکھی تھیں) لیکن (سلوک کے وقت) بڑی بڑی مشکلیں واقع ہوئیں (جن سے راہ قطع ہونا دشوار ہوگیا سو آپ کے جذب سے یہ سب مشکلیں سہل ہو جاویں گی)۔ ف اس شعر میں اس مسئلہ کی تحقیق ہے کہ سلوک محض بلا جذب کے وصول الی المقصود میں کافی نہیں ہوتا۔ اور سلوک اور جذب کے معنی کوئی شخص ہوش اور بے ہوشی کے نہ سمجھ جاوے بلکہ سلوک کہتے ہیں تقامات یعنی اخلاق باطنہ کی اصلاح کو مع پابندی اعمال ظاہرہ کے اس سے نسبت باطنی کے حاصل ہو جانے کی استعداد اور قابلیت پیدا ہو جاتی ہے لیکن نسبت باطنی کا بالفعل حاصل ہو جانا یہ باختیار سالک نہیں ہے محض فضل آلہی پر موقوف ہے پس وہ فیض غیبی وعنایت حق جس سے یہ نسبت حاصل ہو جائے جذب کہلاتا ہے اور اسی نسبت کو وصول الی اللہ بھی کہتے ہیں۔ غرض سلوک اختیاری ہے اور جذب غیر اختیاری خوب سمجھ لو اسی مضمون کو کسی نے اس طرح تعبیر کیا ہے ؎

نگردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا   کہ می بالد بخود این راہ چون تاک از بریدنہا

قال رح

بوئے نافہ کاخر صبا زان طرہ بکشاید   زتاب جعد مشکینش چہ خون افتاد در دلہا

(بوئے امید۔ طرہ۔ کھلے ہوئے بال۔ جعد۔ گندھے ہوئے بال۔ لفظی مدلول یہ ہے کہ) بامید اُس نافہ (یعنی خوشبو) کے جس کو آخر (کبھی نہ کبھی تو) باد صبا اُس طرہ سے کھولے (اور پھیلائے) گی (اس امید پر) محبوب کے جعد مشکین کے پیچ وتاب کی وجہ سے کیسے کیسے خون قلوب میں پڑ رہے ہیں (اور عشاق اُن کو اُسی خوشبو کی امید پر کہ وہ بھی ایک گونہ قرب و وصال سے جھیل رہے ہیں) ف اور بلسان اشارہ جعد سے مراد و ارادت سالک کا بند ہونا جس کو قبض کہتے ہیں اور نافہ سے مراد اُن واردات کا نازل ہونا جس کو بسط کہتے ہیں اور اُن واردات کو مرتبہ قبض میں جعد سے اور مرتبہ بسط میں طرہ سے تعبیر کرنا نہایت لطافت و رعایت شاعرانہ بھی ہے اور صبا سے مراد فیض مرشد ہے جو واسطہ ہے ایصال واردات و برکات الٰہیہ کا پس اس میں تعلیم ہے اس مسئلہ کی کہ قبض میں سالک کو ناامید و دل شکستہ نہ ہونا چاہیے کیونکہ اُس میں ہزاروں حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں ایک ظاہر مصلحت جو ہر قبض میں مشترک

ہے یہ ہے کہ قبض سے سالک کو ایک خاص انکسار اور شکستگی اور اپنے کو محض ہیچ اور ناچیز اور ذلیل اور حقیر سمجھنا اور عجب و پندار کمال کا قطعاً نظر اور التفات سے اُٹھ جانا یہ امور بلا مجاہدہ حاصل ہو جاتے ہیں سو یہ خود کتنی بڑی دولت ہے اسی لیے بعض محققین کا قول ہے کہ قبض ارفع ہے بسط سے یعنی اس وجہ خاص سے پس اُس حالت میں نا اُمید اور پریشان نہ ہو بلکہ اُس پر صبر کرے اور راضی رہے اور اُمید رکھے کہ جب میرے لیے مصلحت ہوگی بسط ہو جاوے گا کہ وہ بھی قرب کی ایک خاص صورت ہے جیسا کہ قبض بھی من وجہ قرب ہے۔ اور نسبت الی الصبا میں اشارہ ہے کہ قبض میں مرشد کی طرف رجوع کرے کیونکہ قبض کے علل و آثار و مصالح و طرق بسط یا اُس قبض کا عین بسط یعنی حکمت میں مثل بسط ہونا یہ سب مراتب مرشد سے حل ہوتے ہیں۔ نیز اس سے لازم آگیا کہ سالک قبض میں اپنی رائے پر ہرگز عمل نہ کرے ورنہ بہت سے اس میں صورۃً یا معنیً ہلاک ہو چکے ہیں۔ قبض کے باب میں یہ مضمون مولانا کے کلام میں زیادہ مصرح ہے ؎

چونکہ قبضے آیدت اے راہ رو — آن صلاحِ تست آیس دل مشو

چونکہ قبض آمد تو دروے بسط بیں — تازہ باش و چیں میفگن بر جبیں

قال رح

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید — کہ سالک بیخبر نبود زراہ و رسم منزلہا

دمے شراب مراد وہ امر مباح جو طریقت کے خلاف معلوم ہو اور قابل احتراز ہو با وجود مباح شرعی ہونے کے طریقۃً محترز عنہ ہونے کے وصف کے سبب شراب سے تشبیہ دے دی مطلب یہ ہے کہ) می میں سجادہ رنگین کرنا (گو بہت امر منکر ہے لیکن) اگر تجھ کو پیر مغاں (یعنی مرشد) بتلاوے تو عمل کیجیو کیونکہ جو شخص راہ چلا ہوا اور راہ دیکھا ہوا ہے وہ منازل کے طرق اور آثار سے بے خبر نہیں ہوتا (طرق رستہ اور رسم جو راہ پر نشان بنے ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر راستہ چلتے ہیں) ف اسی طرح اگر مرشد مسترشد کو کوئی ایسا امر بتلاویں جو شرعاً تو جائز تھا لیکن بظاہر طریقت کے خلاف ہونے سے منکر معلوم ہوتا ہے تو سالک کو چاہیے کہ اُس کو مضر سلوک نہ سمجھے بلکہ اُس پر عمل کرلے کہ وہ واقع میں مضر نہ ہوگا بلکہ مفید ہوگا کیونکہ شیخ کو اُس کے نشیب و فراز کا زیادہ تجربہ ہے

تفہیم کے لیے ایک مثال عرض کرتا ہوں مثلاً کسی سالک کو قبض ہوا اور شیخ نے اپنی بصیرت وتجربہ سے پہچان لیا کہ تکثیر اشغال اور ضعف وملال طبیعت کا اس کا سبب ہوا ہے شیخ نے امر فرمایا کہ برائے چندے شغل بالکل چھوڑ دو اور طبیعت کو راحت دو اور احباب میں بیٹھ کر مزاح ومطالبہ سے فرحت حاصل کرو اور اکثر حصہ شب کا سوؤ اور خوب لذیذ کھانے کھاؤ تو بظاہر یہ امور خلاف طریقت معلوم ہوتے ہیں لیکن واقع میں عین طریقت ہیں، کیونکہ علت قبض کا اس میں علاج بالضد ہے کہ ملال اور ضعف کا علاج نشاط وتقویت ہے اس علاج سے بسط ہو جاوے گا اور ذکر وشغل اطمینان سے ہوگا تو درحقیقت شیخ نے شغل ترک نہیں کرایا بلکہ شغل کے دوام کا سامان کیا ہے۔ تنبیہ: یاد رکھو کہ مے سجادہ رنگین کن میں تشبیہ المفرد بالمرکب ہے اجزاء مرکب کے جدا جدا مشبہ نہیں۔ اور مغان لغت میں آتش پرستوں کو کہتے ہیں چونکہ اہل فارس اصل میں آتش پرست تھے اس لیے فارسی زبان میں وہی محاورے آویں گے لیکن مراد محض معنی مجازی ہوں گے۔ اور سالک جو شیخ کو کہہ دیا ہے اس کے معنی آنکہ سلوک میکند نہیں بلکہ اُن کو سلوک کردہ وفارغ شدہ باشد ہیں۔ اور احقر نے جو تفسیر مے سجادہ رنگین کن کی ہے قرینہ اس کا ظاہر ہے کہ جس فن کا یہ مضمون ہے اُسی فن کے اعتبار سے جو امر منکر ہو وہ متعین الارادہ ہے معنی لغوی لینا بالکل فن سے خارج ہو جاتا ہے خوب سمجھ لو۔ قال رح

مرا در منزل جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم جرس فریاد میدارد کہ بر بندید محملہا

(منزل جاناں مقام وحال باطن۔ جرس اثر ارشاد عرفاء اور شوق قلب مراد یہ کہ) مجھ کو کسی مقام یا حال باطنی میں امن وعیش (یعنی استقرار وسکون) کیونکہ حاصل ہو جب کہ ہر وقت قلب میں جو عارفین کے (اس) ارشاد کا اثر ہے (کہ سالک کو کہیں توقف نہ کرنا چاہیے) اور شوق قلب بھی تقاضا کرتا ہے کہ ہاں محمل لادو اور سفر کرو۔ ف اس میں تعلیم ہے کہ کسی خاص حالت باطنی پر قناعت نہ کرے بلکہ ہر دم طالب مزید ہو عمل وسعی سے بھی توجہ اور ارادہ سے بھی اور دعاء والتجا سے بھی مولانا نے بھی اسی مضمون کو ارشاد فرمایا ہے ؎

اے برادر بے نہایت درگہی است ہرچہ بروے میرسی بروے مایست

تنبیہ - عادت تھی کہ کوچ کے وقت جرس بجاتے تھے جیسے اسٹیشن پر گھنٹی بجتے دیکھی ہوگی - قال رح

شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں ہائل　　کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا

(اس میں بیان ہے حال حیرت کا اور شکایت ہے مع ایک گونہ عذر معترضین اور ملامت گروں کے) یعنی ہماری حالت (حیرت میں) ایسی ہے جیسے اندھیری رات ہو اور موج کا خوف ہو اور ورطہ ہولناک (میں کشتی آگئی) ہو تو ہمارے (اس) حال کی اُن لوگوں کو کب خبر ہوسکتی ہے جو ہلکے پھلکے کنارہ پر کھڑے ہیں (جنہوں نے دریا میں قدم بھی نہیں رکھا) ف مقصود یہ ہے کہ اگر کوئی صاحب حال کسی عقبۂ باطنی میں گرفتار ہو کر حیرت میں پڑ جاوے تو اُس کے افعال و اقوال پر ناواقف لوگ اعتراض اور ملامت کیا کرتے ہیں مگر یہ اعتراض خود دلیل اس کی ہوتی ہے کہ ان لوگوں پر کبھی ایسی حالت نہیں گزری پس اُن کے ناواقف ہونے کا اور مبتلائے حیرت کو ایسے اعتراضوں سے دلگیر نہ ہونے کا بتلانا مقصود ہے - رہے واقف اور عارف لوگ وہ اُس پر رحم کرتے ہیں اور اُس کی دستگیری کرتے ہیں۔

تنبیہ: اس میں تشبیہ مرکب بالمرکب ہے۔ قال رح

ہمہ کارم ز خود کامی بہ بدنامی کشید آخر　　نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

(خود کامی استعجال وصل) یعنی جلدی کامیاب ہو جانے کے تقاضے کی بدولت میرے کام کا انجام یہ ہوا کہ تمام میں رسوا ہو گیا (کیونکہ اس جلدی میں ہر کسی سے تدبیریں پوچھنے لگا جس میں اظہار راز محبت کرنا پڑا سب کو میرا حال معلوم ہو گیا) اور بھلا ایسا راز کب پوشیدہ رہ سکتا ہے جس کے لیے مجمع کیا جاوے (جیسے میں نے مجمع کر لیا) ف اس میں یہ بتلا دیا کہ سالک کو استعجال اور جلدی ثمرہ حاصل ہو جانے کا تقاضا مضر ہے کیونکہ ایسا شخص اپنے رہبر پر قناعت وطمانیت نہیں رکھتا بلکہ اہل کی تخصیص بھی نہیں رکھتا ہر کس و ناکس سے چارہ جوئی کرتا ہے اور سب کو اُس کا مخفی حال معلوم ہو جاتا ہے اور مخفی حال کا اظہار بجز مرشد کے کسی سے مذموم ہے اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ہر جائی ہونے کی وجہ سے پوری توجہ و شفقت اس شخص پر کسی کو بھی نہیں ہوتی اور شیخ کی عنایت و لطف بھی جاتا رہتا ہے اور مزید برآں یہ کہ جس چیز کو جلدی چاہتا ہے اُس کا حصول خارج از اختیار ہوتا ہے اس سے پریشانی

اور بڑھتی ہے غرض ظاہر اور باطن ہر طرح سے برائی ہی برائی ہاتھ آتی ہے پس اس میں اشارہ ہے کہ سالک ہر گز تقاضا اور جلدی نہ مچاوے اور غیر مرشد سے اپنا حال نہ کہے۔قال رح

حضوری گر ہمی خواہی ازو غائب مشو حافظ　　متی ما تلق من تہوی دع الدنیا واھملہا

یعنی اگر تم (محبوب حقیقی کے دربار میں) حضوری اور قرب و قبول) چاہتے ہو تو اس سے غائب (یعنی دل سے غافل) مت ہو (بلکہ اس کی طرف متوجہ رہو) اور جب ملاقات کرو اپنے محبوب سے (یعنی اس کے طرق لقاء میں کہ عبارت ہے عبادت سے مشغول ہو) تو دنیا کو چھوڑ دیا کرو (یعنی قصداً دنیا و مافیہا کی طرف اس وقت التفات مت کیا کرو) ف اس میں تعلیم ہے ذکر و عبادت پر دوام کرنے کی اور اس ذکر و عبادت کے نفع کی شرط کی کہ اس وقت قصداً غیر اللہ کو مستحضر نہ کرے کہ مفوت نفع ہے اور بلا قصد اگر آوے تو اصلا مضر نہیں اور بکرر ذکر کی طرف متوجہ ہو جانے سے وہ آیا ہوا خیال از خود دفع ہو جاتا ہے قصداً دفع کرنے کی ضرورت نہیں اور دفع بھی نہیں ہوتا اور اگر توجہ ذکر سے بھی دفع نہ ہو تو اصلا پروا نہ کرے کیونکہ امر غیر مضر قابل اہتمام نہیں ہوتا ورنہ اس کے درپے ہو جانے سے پھر وہ پورا وبال جان ہو جاتا ہے۔

غزل

قال رح

ای فروغ ماہ حسن از روی رخشان شما　　آبروی خوبی از چاہ زنخدان شما

فروغ و آبرو بمعنی رونق متقارب۔ حسن و خوبی مترادف۔ روی رخشاں و چاہ زنخدان عبارت از ذات باعتبار اتصافش بکمالات۔ ماہ حسن باضافہ مشبہ بہ سوی مشبہ مثل لجین الماء۔ مطلب ظاہر ہے کہ حسن جو مشابہ چاند کے ہے اور خوبصورتی ان کی رونق اے محبوب تمہارے روے رخشاں اور چاہ زنخدان کی بدولت ہے یعنی تمہارا رخ اور زنخ حسن کا محتاج نہیں بلکہ خود حسن تمہارے رخ اور زنخ کا محتاج ہے۔ ف احقر کے ذوق میں یہ شعر اشارہ ہے ایک مسئلہ متعلقہ ذات و صفات کی تحقیق کی طرف اس کی تقریر سے پہلے ایک مقدمہ سمجھ لینا چاہیے وہ یہ کہ ذات و صفات کے درمیان

وجہ ارتباط کے باب میں چند اقوال ہیں۔ عینیت محضہ کل ہیں۔ اور عینیت بعض ہیں اور غیریت بعض ہیں۔ اور لا عینیت۔ اور لا غیریت کل ہیں اور یہی مذہب اخیر منسوب ہے عامہ اہلسنت کی طرف جس کا حاصل یہ ہے کہ صفات کا قیام ذات کے ساتھ اس طور پر ہے کہ وہ زائد علی الذات ہیں لیکن لازم و ممتنع الانفکاک ہیں زیادۃ علی الذات کو لاعینیۃ سے تعبیر کیا گیا اور لزوم کو اصطلاحاً لاغیریت کہہ دیا گیا اور ظاہر صیغ واردہ فی النصوص سے زیادہ ہی مفہوم ہوتی ہے اور لزوم خود امر عقلی ہے لہٰذا مذہب منصور یہی ہے اور صوفیہ کا عین کہہ دینا چونکہ مبنی بر اصطلاح ہے۔ اس قول کے منافی نہیں۔ جب یہ مقدمہ سمجھ میں آگیا تو اب سمجھو کہ اس قول پر ظاہراً ایک اشکال واقع ہوتا ہے وہ یہ کہ اس قول پر دو امر لازم آتے ہیں ایک یہ کہ صفات محتاج ہوں ذات کی طرف اپنے قیام میں سو اس کا تو کوئی مضائقہ نہیں اور دوسرے یہ کہ ذات محتاج ہو صفات کی طرف اپنے متصف بالکمال ہونے میں مثلاً لولا صفۃ العلم لما کان الذات عالما موصوفا بالکمال العلمی وقس علیہ سائر الکمالات اور احتیاج ذات کی کسی دوسری شئ کی طرف محال ہے کیونکہ احتیاج مستلزم ہے امکان وحدوث کو جو کہ واجب میں محال ہے جب قول بزیادۃ الصفات مستلزم ہوئی احتیاج ذات الی غیرہا کو اور مستلزم محال کو محال ہے پس قول بالزیادۃ محال ہے اس اشکال کا بعض اکابر نے یہ جواب دیا ہے کہ مطلق احتیاج کا استحالہ غیر مسلم ہے البتہ احتیاج الذات الی غیر صفاتہا محال ہے سو وہ لازم نہیں آیا اور جو لازم آیا وہ محال نہیں لیکن اس سے اقرب اور اصوب جواب وہ ہے جس کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے حاصل اُس کا یہ ہے کہ ہم اسی کو نہیں مانتے کہ اس سے ذات میں احتیاج لازم آتی ہے جیسا کہ تقریر مطلب میں لکھا گیا ہے کہ تمہارا رخ اور زنخ (یعنی ذات) حسن کا (یعنی صفات کا) محتاج نہیں بلکہ خود حسن تمہارے رخ اور زنخ کا محتاج ہے یعنی صفات کو تو ذات کی طرف اپنے قیام میں احتیاج ہے لیکن ذات کو صفات کی طرف احتیاج نہیں اور اُس کی دلیل میں یہ کہنا کہ لولا صفۃ العلم الخ سو اس سے احتیاج لازم نہیں آتی کیونکہ احتیاج کے لیے تقدم محتاج الیہ کا لازم ہے اور یہاں تحقق صفت علم کا تقدم اتصاف بالکمال العلمی پر غیر مسلم ہے کیونکہ تقدم وتاخر کے لیے متقدم و متاخر کا متغائر بالمفہوم ہونا لازم ہے اور یہاں تغائر نہیں ہے کیونکہ تحقق صفۃ علم خود اتصاف بالکمال العلمی ہی ہے جیسا کہ بدیہی ہے پس دونوں عین ہوئے

اور عینیت کے بعد تقدم کے قائل ہونے سے تقدم الشئی علی نفسہ لازم آوے گا جو کہ محال ہے پس تقدم تحقق صفتہ علم کا اتصاف بالکمال العلمی پر محال ہوا جو بناء تھی احتیاج کی پس احتیاج لازم وہوالمطلوب بلکہ خود یہ کہنا لولا صفتہ العلم الخ اگر بناء علی الاطلاق العرفی توسعًا وتاوُّلاً ہے تو اصطلاح میں مناقشہ نہیں اور اگر تحقیقًا ہے تو غلط ہے کیونکہ ایک شے اور اُس کے عین میں لولاہ لاتمتنع کا حکم باطل ہے بخلاف کمالات ممکنات کے کہ وہاں گو احتیاج کی حقیقت یہ نہیں ہے لیکن خود اصل صفات اُن کی مستفاد ہیں غیر سے اور حق تعالےٰ کی صفات میں یہ احتمال ہی نہیں اور اگر اُس اطلاق عرفی ہی کے مرتبہ میں صحت حکم کو احتیاج کہا جاوے تو اس اصطلاح میں کوئی ضرور محذور لازم نہیں آتا مقصود تو نفی کرنا ہے احتیاج کی حقیقت میں اور نفی حقیقتًا اور اثبات اصطلاحًا میں کوئی تعارض نہیں اور بعض اکابر کے جواب مذکور کو اگر اسی جواب کی طرف محلل و مفصل کیا جاوے تو بعد توجیہ ممکن ہے۔ نکتہ ماہ کے مقابلہ میں رخشان جو اکثر خورشید میں مستعمل ہوتا ہے اور چاہ کے مقابلہ میں آب لانے میں لطافت شعری ظاہر ہے۔ التماس چونکہ مضمون ہی مشکل تھا اس لیے میں اُس کو آسان نہ کر سکا۔ قال رح

عزم دیدار تو دارد جان برلب آمدہ — باز گردد یا برآید چیست فرمان شما

اے محبوب یہ عاشق تیرے دیدار کا عزم رکھتا ہے اور (اس اشتیاق میں) لبوں تک جان آچکی ہے سو اب کہو تمہارا کیا حکم ہے وہ جان واپس ہوجاوے یا نکل آوے یعنی واپس ہونے میں تو اور چند روز مصیبت کے بھگتنے پڑیں گے اور نکل جانے میں اس سے نجات ہوجاوے گی سو جس میں تمہاری رضا ہو اُس پر راضی ہوں۔ ف اور بلسان اشارۃ اس کی شرح یہ ہے کہ جان برلب آمدن کنایہ ہے فنا سے جو آخر سلوک میں پیش آتا ہے اور منتہاء عروج ہے اور دیدار عبارت ہے مشاہدہ تجلیات مکشوفہ طریق سے اور باز گردد سے مراد ہے حصول بقاء بعد الفناء جو منتہاء نزول ہے اور برآید سے مراد ہے ترقی احوال فنا کی اور انشاء استفہامی بمعنی اخبار ہے پس مقصود مقام یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ سالک جب مراتب سلوک میں عروج کرتا ہوا مرتبہ فنا تک پہنچتا ہے اور ہر مرتبہ میں تجلیات اسمائی وصفاتی کا انکشاف ومشاہدہ غلبہ کے ساتھ ہوتا ہے جو اصطلاح میں عروج کہلاتا ہے تو غایت سکر سے متمنی ترقی احوال فنا کا ہوتا ہے لیکن محبوب حقیقی کا معاملہ اس مرتبہ کے بعد ہر سالک کے

ساتھ جداگانہ ہوتا ہے بعض کو تو حسب تمنا اُن کے ان ہی احوال فنا میں ترقی ہوتی رہتی ہے اور اُن کو مستغرق کر دیتے ہیں اور ان لوگوں سے آیندہ سلسلہ افاضہ کا جاری نہیں ہوتا اور بعض کو اُس سکر و فنا سے افاقہ بخشتے ہیں اور یہ بقا و نزول کہلاتا ہے اور ایسے لوگ مسند ارشاد پر متمکن ہو کر خلق اللہ کو فیض پہنچاتے ہیں اور وہ تجلیات اسمائی و صفاتی ان سے بھی منقطع و مختفی نہیں ہوتیں بلکہ ان کی معرفت اُن اہل فنا سے اقوی ہوتی ہے لیکن یہ حضرات اُن تجلیات میں مغلوب نہیں ہوتے اور چونکہ اشتیاق ان کا مقتضی ہوتا ہے تجرد توجہ الی الحق کو اور شان ارشاد کے لوازم سے ہے توجہ الی الخلق بھی گو اُن کے لیے یہ توجہ اُس توجہ سے مانع نہیں بلکہ معین بلکہ عین ہے لیکن تاہم تجرد تو نہیں لہٰذا ایک گونہ کلفت برداشت کرنا پڑتی ہے جس کو تقریر ترجمہ میں مصیبت بھگتنے سے تعبیر کیا گیا ہے پس حافظ رح کو یہ بات بتلانا مقصود ہے کہ اس عروج و نزول کا مدار سالک کی تمنا پر نہیں ہے بلکہ برضی حق پر ہے کما قال ایضاً رح

درکار گلاب و گل حکم ازلی ایں بود　　　کان شاہد بازاری وین پردہ نشین باشد

اور جاننا چاہیے کہ فنا کی کئی قسمیں ہیں یہاں فناء علمی مراد ہے جس میں فانی واقع میں منفی الوجود نہیں ہوتا البتہ غیر ملتفت الیہ بحسب العلم ہو جاتا ہے اور بقاء اسی کا مقابل ہے یعنی ملتفت الیہ بحسب العلم ہو جانا۔ اور مشاہدہ سے مراد رویت نہیں بلکہ غلبہ استحضار علمی مراد ہے۔

قال رح

کے دہد دست ایں غرض یارب کہ ہمدستاں شوند　　　خاطر مجموع ما زلف پریشان شما

ہمدستان موافق۔ مطلب یہ کہ خدا جانے یہ مقصود کب حاصل ہوگا کہ تمہارے زلف پریشان کا وصال اس طرح حاصل ہو کہ ہمارے دل کو اُس وقت جمعیت نصیب ہو یعنی اطمینان خاطر سے وصال میسر ہو اور مجموع اور پریشان کے تقابل میں جو لطافت شاعری ہے ظاہر ہے ف اور بلسان اشارت زلف سے مراد عالم کثرت وجہ تشبیہ چار امر ہیں اوّل زلف میں بھی بالوں کی کثرت ہوتی ہے۔ دوم زلف ساتر ہوتی ہے اور عین محبوب نہیں۔ اسی طرح عالم کثرت بہ نسبت انوار الٰہیہ کے مظلم ہے اور وجہ دوم وسوم میں ظاہر التعارض کا توہم

نہ کیا جاوے کہ ساتر ہونا اور مظہر ہونا کیسے جمع ہو سکتا ہے۔ دفع اس توہم کا یہ ہے کہ ساتر ہونا باعتبار محجوبین کے ہے اور مظہر ہونا باعتبار عارفین کے یا عارف ہی کے حق میں ساتر بھی ہے اور مظہر بھی ساتر تو ذات سے اور مظہر صفات کا پس بعنوان آرزو اس میں یہ مسئلہ تبلانا منظور ہے کہ سالک کو بالخصوص منتہی کو جو توجہ عالم کثرت کی طرف ہوتی ہے اُس کی توجہ اور عوام کی توجہ میں فرق ہے وہ یہ کہ عوام کی نظر میں تو وہ محدثات کثیرہ ہی خود مقصود ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے ہمیشہ پریشان رہتے ہیں کیونکہ اکثر حصول میں کو وہ بھی غیر اختیاری ہے باہم متزاحم ہوتے ہیں بخلاف خواص کے کہ اُن کو اُن محدثات کثیرہ سے بھی مقصود توجہ الی الحق ہوتی ہے اور اُس کثرت کو وہ آئینہ مشاہدہ وحدت سمجھتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے اُن کو ہمیشہ جمعیت رہتی ہے کیونکہ علاوہ اس توجہ مقصود کی اختیاریت کے خود اس توجہ میں کوئی جزو عالم مزاحم نہیں ہو سکتا بلکہ مرأت و معین ہے اور چونکہ اس توجہ میں عالم کثرت کا واسطہ ہونا متضمن ہوتا ہے بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کو اس لیے اس کو توجہ مذکور کا مرأۃ بنایا جاتا ہے۔ پس حاصل کلام یہ ہوا کہ عالم کثرت کی طرف مطلقاً توجہ کرنے کو مذموم مت سمجھو بلکہ جب یہ توجہ جمعیت قلب کے ساتھ ہو جو فرع ہے ملاحظہ وحدت کی تو مضر نہیں پس تمنا کے طور پر کہتے ہیں کہ یا اللہ وہ کونسا وقت ہو گا کہ عالم کثرت کی طرف جو مجھ کو پریشانی کے ساتھ اور من حیث الکثرۃ توجہ ہے وہ زائل ہو جاوے اور اگر توجہ رہے تو جمعیت خاطر اور ملاحظۂ وحدت کے ساتھ ہو اور محط فائدہ یہی قید ہے پس اگر مصلحت آلہیہ اصلاً عدم توجہ الی الخلق کو مقتضی ہو تو یہ آرزو اُس کی نافی نہیں کیونکہ نفس توجہ الی الخلق محط فائدہ نہیں بلکہ قید ملاحظۂ وحدت بر تقدیر توجہ مطمح قصد ہے واللہ اعلم۔ قال رح

کس بدور نرگست طرفے نہ بست از عافیت　　بہ کہ بفروشند مستوری بمستان شما

دور نوبت نرگس چشم و ہمچنیں مستان اے چشمان مست۔ طرف بستن حاصل نمودن بفروشند حوالہ کنند۔ مستوری گوشہ نشینی متقارب عافیت۔ مطلب یہ کہ اے محبوب تمہارے چشمان مست کے دورے اور زمانہ میں کوئی شخص آج تک عافیت حاصل نہیں کر سکا (کیونکہ سب اُس سے گھائل اور زخمی رہے اس لیے) بہتر یہی ہے کہ عشاق اپنی عافیت (کی فکر جانے دیں اور اُس کو) تمہارے چشمان مست کے حوالہ کر دیں (کہ وہ چشمان مست جو تصرف

اُن کے بارہ میں کریں اُس پر راضی رہیں اور اُس کو تسلیم کریں ۔ ف اس میں تعلیم ہے سالک کو کہ طریق سلوک میں اپنے لیے کسی خاص حالت کو جو اس کے مذاق کے موافق ہو اور اُس میں اپنی منفعت یا لذت سمجھتا ہو مثل شوق یا اُنس یا وجد یا اور کوئی تجلی خاص ہرگز تجویز نہ کرے اور اسماء متقابلہ کی تجلیات سے جو اس کی حالت میں تلوین ہو کہ بعض اُس میں سے اس کی مراد اور مذاق کے خلاف بھی ہے اس سے دل تنگ نہ ہو کیونکہ مقصود اس سب سے اس کی تربیت ہوتی ہے اور تربیت کا طریق خود مربی زیادہ جانتا ہے پس حافظؒ اس تجویز مراد کی لِم تبلا کر اس کی اصلاح کرتے ہیں یعنی اصل سبب اس تجویز کا طلب عافیت اور راحت ہے جس میں نفس کا ایک کید خفی ہے کہ طلب حق میں بھی اپنے مرغوبات و مشتہیات کو نہیں چھوڑتا اور مشقت سے بھاگتا ہے اس لیے سالک کو چاہیے کہ سمجھ لے کہ عافیت کہ مقتضائے نفس ہے طریق حق میں مطلوب نہیں بلکہ باقتضائے حکمت آلٰہیہ حاصل بھی نہیں ہوا کرتی اس لیے اپنے کو اُن تجلیات و واردات کے تابع کر دینا چاہیے حتیٰ کہ جس حالت پر قرار دینا حسب استعداد طالب مرضی محبوب ہو گا اُس پر تمکین عطا فرماویں گے ؎

چونکہ بر میخت بہ بند د بستہ باش چوں کشاید چابک و برجستہ باش

قال رح

بختِ خواب آلود ما بیدار خواہد شد مگر زانکہ زد بر دیدہ آبے روئے رخشانِ شما

(یعنی اب امید ہے کہ) شاید ہمارا بخت خفتہ (جس سے ہم فراق میں مبتلا ہیں) بیدار ہو جاوے (اور ہم کو وصال میسر ہو جاوے) کیونکہ تمہارے روئے رخشاں نے اب (ہماری) آنکھوں پر پانی کا چھینٹا دیا ہے (یعنی تمہارے روئے رخشاں کی شعاع حُسن کو دیکھ کر آنکھوں سے پانی بہنے لگا جیسا آفتاب کی طرف نظر کرنے سے واقع ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ سوتے کی آنکھوں پر پانی چھڑکنے سے وہ جاگ اٹھتا ہے یہ کنایہ ہے رونے سے کہ اکثر محبوب کو اس سے رحم آجاتا ہے (رعایت شاعرانہ سے اس عنوان خاص سے تعبیر کیا) **ف** بلسان اشارت تعلیم ہے اس مسئلہ کی کہ جب طالب کی بے قراری اور گریہ و زاری بڑھتی ہے تو محبوب حقیقی کا فضل اُس کے حال پر متوجہ ہوتا ہے ؎

تا نہ گرید ابر کے خندد چمن   تا نہ گرید طفل کے جوشد لبن

اور وجہ اس بے قراری کی تنگی اور حیرت ہوتی ہے اور یہ علامات کامیابی سے ہے لہٰذا تنگی کو گراں نہ سمجھے اپنے کام میں لگا رہے اور جب یہ کیفیت پیش آوے امید کو قوی کرے۔ قال رح

باصبا ہمراہ بفرست از رخت گلدستہ   بو کہ بوئے بشنویم از خاک بستان شما

یعنی اپنے رخ سے ایک گلدستہ بادصبا کے ہمراہ بھیج دیجیے تاکہ ہم آپ کے خاک بوستان کی ایک خوشبو سونگھ لیں **ف** صبا سے مراد ذکر و شغل بوجہ واسطۂ فیض ہونے کے۔ گلدستہ سے مراد فیوض غیبیہ جو قلب پر وارد ہوتے ہیں۔ بستان سے مراد ذات و صفات۔ حاصل مضمون یہ کہ اے محبوب ذکر و شغل کے واسطہ سے فیوض غیبیہ قلب پر نازل فرمائے تاکہ قدرے ذات و صفات کی معرفت نصیب ہو جس سے آگے اور طلب اور شوق میں زیادتی ہو۔ اشارہ ہے واردات غیبیہ کی حکمت کی طرف کہ اُس سے ذوق و شوق میں بڑھتا ہے تو وہ ثمرۂ اصلی ذکر و شغل کا نہیں بلکہ طریقہ تربیت کا ہے جس سے طالب کو آسانی ہوتی ہے سو اگر یہ واردات قلب پر نہ آویں تو اصلی ثمرہ سے کہ وہ رضا و قرب ہے اپنے کو محروم نہ سمجھنا چاہیے اور ہمت سے کام میں لگا رہنا چاہیے بلکہ بعض اوقات واردات کے منکشف نہ ہونے سے یا بالعد انکشاف کے بند ہو جانے سے قلب میں ضیق ہوتا ہے اور یہی ضیق سبب توجہ رحمت کا ہو جاتا ہے جیسا اوپر کے شعر میں مذکور ہوا۔ غرض بسط میں بھی حکمت ہے اور قبض میں بھی مصلحت ہے۔ قال رح

دل خرابی میکند دلدار را آگہ کنید   زینہار ای دوستان جان من و جان شما

یعنی (میرا) دل خرابی کر رہا ہے (کسی طرح درست نہیں ہوتا) دلدار کو آگاہ کر دو (کہ مجھ پر عنایت کرے) ضرور اے دوستو (ایسا کرو) میری جان اور تمہاری جان تو ایک ہی ہے (میرے ساتھ ہمدردی کرنا چاہیے) **ف** بلسان اشارت تعلیم ہے اس امر کی کہ مجاہدہ و ریاضت حصول مقصود کی علت تامہ نہیں بعض اوقات اُس سے کشود کار نہیں ہوتا اُس وقت اہل اللہ کی دعا سے استعانت کرنا چاہیے کہ وہ حق تعالےٰ سے عرض کریں جس سے باطن کی درستی ہو پس دلدار کو آگاہ کرنا مجازاً کنایہ ہے حق تعالےٰ کی جناب میں عرض کرنے

سے اگرچہ وہ پہلے سے بھی آگاہ ہیں اور جان من و جان شما میں اثبات ہے اتحاد کا طالبان حق کے درمیان میں کہ اُن میں طالبان دنیا کی طرح تنازع نہیں ہوتا۔ اور اس جملہ اخیرہ کی ترکیب یہ بھی ہوسکتی ہے کہ بس میری جان ہے یعنی اب میں ہوں اور تم ہو میں تم کو چھوڑوں گا نہیں۔

قال رح

عمرتان باد و مرادای ساقیان بزم جم　　گرچہ جام ما نشد پر مے بدوران شما

یعنی اے بزم جم کے ساقیو تم تا دیر سلامت رہیو اگرچہ تمہارے دور میں ہمارا جام شراب سے پُر نہیں ہوا (اور ہم کو شراب نہیں ملی) **ف** یہ تتمہ ہے ماسبق کا اور اشارہ ہے اس طرف کہ بستگی مقصود کے وقت جب اہل اللہ سے استعانت اور طلب ہمت کی جاوے اور اُس کے بعد بھی دیر ہو تو اُن سے بد اعتقاد نہ ہو اور اُن کے کمال سے بدگمان نہ ہو اُن سے ویسی ہی محبت اور عقیدت رکھے اول تو اس وجہ سے کہ وہ محبوبان حق ہیں دوسرے اس لیے کہ اُن سے دوسروں کو نفع ہو رہا ہے۔ تیسرے تحقیق یہ ہے کہ اس کو بھی نفع ہوا ہے گو سردست محسوس نہیں ہوا جیسے کسی کو ایک قیمتی جوہر مل جاوے مگر اُس کی ماہیت سے بے خبر ہو تو باوجود حصول کے محرومی کا گمان کرتا ہے بعد چندے خود یا کسی کامل کی تنبیہ سے اطلاع ہوتی ہے تو شکر کرتا ہے۔ قال رح

اے صبا با ساکنان شہر یزد از ما بگو　　کاے سر ناحق شناسان گوی میدان شما
گرچہ دوریم از بساط قرب ہمت دور نیست　　بندۂ شاہ شمائیم و ثنا خوان شما

شعر ثانی کے مصرع اولیٰ میں ہمت بحذف مضاف بتدا ہے یعنی ہمت ما دور نیست اور پورا شعر ثانی جواب ہے ندا کا۔ مطلب یہ کہ اے صبا شہر یزد کے رہنے والوں سے ہماری طرف سے یوں کہنا کہ اے بزرگو جن کی شان یہ ہے کہ ناحق شناس مخالف لوگوں کا سر تمہارے میدان میں گیند کی طرح خدا کرے ہمیشہ مارا مارا پھرا کرے (یعنی فشر کمالخیر کما فدا) اور وہ بات کہنے کی یہ ہے کہ ہم اگرچہ آپ لوگوں کے بساط قرب ظاہری سے دور و مہجور ہیں لیکن ہماری ہمت یعنی توجہ تام دور نہیں ہے (بلکہ سراسر دل آپ ہی کی طرف مصروف ہے اور ہم آپ کے

بادشاہ (یعنی حق تعالیٰ) کے غلام ہیں اور آپ لوگوں کے بھی ثنا خوان ہیں **ف** اس میں بھی مثل سابق کے خطاب ہے اہل اللہ کو اور اشارہ ہے دو مسئلوں کی طرف اول یہ کہ اولیاء اللہ سے اگرچہ ظاہر میں دور ہو لیکن غیبت میں بھی اُن سے محبت و عقیدت کامل رکھے اور اُن کے اقوال و افعال کا خیال رکھے تاکہ اتباع کی توفیق ہو۔ و یمکن حملہ علی مسئلۃ تصور الشیخ الخواص بشرائط لا للعوام فانہ کما قیل ؎

در حق او نور و در حق تو نار   در حق او ورد و در حق تو خار

دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ کے احسان ماننے کے بعد ان حضرات کا بھی احسان ماننے اور یہی معنی ہیں اس حدیث کے من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔ اور ان دونوں مسئلوں میں یہ امر قابل سمجھنے کے ہے کہ مقبولین کے ساتھ محبت اور اُن کا ممنون ہونا منافی کمال توحید و اخلاص کے نہیں کیونکہ توحید و اخلاص جس کا حق ہے یہ اُسی کے امر سے ہے اور اُسی کے واسطے ہے اور اُسی کی توحید کی تکمیل کے لیے ہے کیونکہ تعلیم اُس کی ان ہی حضرات کے وسائط سے ہے بخلاف قول اہل شرک کے ما نعبدہم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ کیونکہ عبادت حق میں عبادت غیر کے واسطہ کی تو حاجت نہیں پس وہ اشراک ہے اور تعلیم غیر کی حاجت ہے پس وہ آلہ ادراک ہے فافہم۔ قال رح

دور دار از خاک و خون دامن چو بر ما بگذری   کاندریں رہ کشتہ بسیارند قربان شما

یعنی اے محبوب جب تمہارا ہم پر گذر ہو تو اپنا دامن (ہمارے) خاک و خون سے بچانا (کبھی آلودہ نہ ہو جاوے) کیونکہ اس راہ میں بہت لوگ تم پر قربان ہو چکے ہیں (اور خاک و خون میں آغشتہ ہو رہے ہیں اپنا دامن سب سے دور رکھنا چاہیے) **ف** بلسان اشارت خاک و خون سے مراد وہ امور ہیں جو غلبۂ حالت سکر و فنا میں خلاف ظاہرِ شرع سادر ہو جاتے ہیں کہ باوجودیکہ ان میں عذر مسموع ہے لیکن فی نفسہ تو اُن میں آلودگی ونقصان ہے اس لیے خاک و خون سے تشبیہ دی گئی۔ اور دامن سے مراد نظر و التفات ہے۔ مطلب یہ کہ ایسے امور پر نظر نہ فرمایئے بلکہ اُن کو معاف کر دیجیے کیونکہ اوروں پر بھی ایسے حالت گزری ہے اور اُن کے ساتھ معاملہ عفو کا کیا گیا ہے مجھ کو بھی اُمید ہے خطاب کے پیرایہ میں یہ مسئلہ تبلانا منظور ہے کہ مغلوب الحال کی لغزشیں معاف

ہوتی ہیں جیسا کہ مجنون شرعًا غیر مکلف ہے پس اہل ظاہر کو اُن پر اعتراض کرنے میں مبادرۃ نہ چاہیے۔ قال رح

ای شہنشاہ بلند اختر خدارا ہمتے — تا ببوسم ہمچو گردوں خاک ایوان شما

یعنی اے بادشاہ بلند اقبال خدا کے لیے ایک توجہ فرمایئے تاکہ (اُس کی برکت سے) آپ کے ایوان کی خاک کو بوسہ دوں جس طرح آسمان اُس کو بوسہ دیتا ہے ف شہنشاہ سے مراد یا محبوب حقیقی ہے اور بلند اختر مجازاً بمعنی عالی صفات لے لیا اور خدارا میں وضع مظہر موضع مضمر ہے یعنی برای خود۔ اور یا مراد مرشد ہے مجموعہ ہر دو توجیہ کا حاصل یہ تعلیم ہے کہ مجاہدہ محضہ وصول الی المطلوب کے لیے کافی نہیں بلکہ عنایت حق و توجہ اہل اللہ اس میں زیادہ موثر و دخیل ہے سو مجاہدہ پر مغرور نہ ہو ؎

بے عنایات حق و خاصان حق — گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

قال رح

میکند حافظ دعائے بشنو و آمین بگو — روزی ما باد لعل شکر افشان شما

یعنی حافظ ایک دعا کرتا ہے تم آمین کہنا وہ دعا یہ ہے کہ خدا کرے ہم کو تمہارا لب شکر افشاں نصیب ہو **ف** خطاب ہے مطلوب حقیقی کی طرف اور آمین کہنا کہ کلمۂ استجابت ہے کنایہ ہے استجابت سے۔ مطلب یہ کہ آپ کا وصل میری تمنا و دعا ہے آپ اس کو مستجاب فرمالیں۔ اس میں بھی تعلیم ہے کہ اپنے مجاہدہ پر مغرور نہ ہو بلکہ جناب باری تعالےٰ سے التجا و تضرع کرتا رہے فقط۔ غزل۔ قال رح

دل میرود ز دستم صاحبدلان خدارا — دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

یعنی میرے ہاتھ سے دل نکلا جاتا ہے اے صاحب دلو خدا کے واسطے (سنبھالو) ہائے افسوس کہ (اب) راز نہانی (دل کا) ظاہر ہو جاوے گا (حالانکہ اُس کا پوشیدہ کرنا مصلحت ہے) **ف** اس میں اشارہ ہے کہ احوال باطنی کا ضبط و اخفا زیادہ بہتر ہے اُس میں چند مصلحتیں ہیں اول اس صورت میں ترقی زیادہ ہوتی ہے دوم اظہار میں احتمال ہے

کہ مدح و اعتقاد عوام سے عجب و پندار پیدا ہو جاوے۔ سوم بعض امور کا اظہار موجب فتنہ عوام بوجہ اُن کی بے علمی کے ہو جاتا ہے اور نیز اس سے لازم آیا کہ مغلوب الحال ہونے سے غالب علی الحال ہونا زیادہ افضل و اکمل ہے وجہ لزوم ظاہر ہے کہ مغلوب الحال اخفا پر کم قادر ہے۔ نیز اس میں اشارہ ہے کہ اگر کوئی حالت غالب ہو جس کے سبب ضبط سے عاجز ہو جاوے تو شیوخ کاملین کی توجہ سے ضبط آسان ہو جاتا ہے جیسا کہ مشاہدہ ہوتا ہے پس اس سے اس کی تعلیم بھی لازم آئی کہ ایسے وقت اُس کی خدمت میں رجوع اور عرض کرے۔ قال رح

دہ روزہ مہر گردوں افسانہ ایست و افسوں نیکی بجائے یاراں فرصت شمار یارا

یعنی یہ چند روزہ مہربانی آسمان کی (یعنی مساعدت زمانہ کی جس سے تم صاحب نعمت و حشمت ہو رہے ہو) ایک خواب و خیال (یعنی فنا ہو جانے والی چیز) ہے تو اے یار اپنے یاروں (اور رفیقوں) سے نیکی اور احسان کرنے کو غنیمت سمجھو (اور جو نفع کسی کو پہنچا سکو اُس میں دریغ نہ کرو) اس میں تعلیم ہے خدمت خلق اللہ کی کہ سالک کے لیے از بس نافع ہے دو وجہ سے اول اس میں خوگر ہوتا ہے تواضع کا جس کی صفاء باطن کے لیے سخت ضرورت ہے کیونکہ کبر اور خودی اعلیٰ درجہ کا حجاب ہے دوسرے جن لوگوں کی خدمت کرے گا اُن کو راحت پہنچے گی اور وہ دل سے اُس کے لیے دعا کریں گے اگر کسی اخلاص مند کی دُعا کارگر ہو گئی اُس کا کام بن گیا شیخ نے اُسی کو فرمایا ہے ؎

طریقت بجز خدمت خلق نیست به تسبیح و سجادہ و دلق نیست

مگر یہ یاد رہے کہ ضرورت خدمت سے زیادہ اختلاط نہ کرے کہ وہ منافی عزلت کے اور مضمرات باطن سے ہے اور سالک کے لیے عزلت ضروری ہے۔ اور بتوجیہ بعید ممکن ہے کہ شیوخ کو خطاب ہو کہ تم کو کمال کا ناز نہ چاہیے طالبین کے ساتھ ملاطفت و توجہ رکھو۔ قال رح

کشتی شکستگانیم ای باد شرطہ برخیز باشد کہ باز بینیم آں یار آشنا را

یعنی ہماری کشتی (مثل) شکستہ (کے) ہو گئی (کہ جس طرح اُس کے سوار چاروں طرف متحیر

ہوتے ہیں اُسی طرح ہم ہیں گو واقع میں کشتی شکستہ نہ ہوئی ہو کیونکہ آگے کہتے ہیں کہ اے بادموافق اُٹھ اور چل سو یہ قرینہ اس مجاز مذکور کا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ بادموافق کشتی شکستہ کو کیونکر چلا سکتی ہے (شاید ہم کہ دکشتی کے پار لگنے سے منزل مقصود تک پہنچ جاویں اور اُس یار آشنا یعنی محبوب کو پھر دیکھ لیں۔ اور بعض نسخوں میں ہے کشتی نشستگانیم اُس کی دو توجیہیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ کشتی مانشستہ است یعنی مثل اُس کشتی کے ہے جو دھس گئی ہو کہ چلتی نہیں اسی طرح ہوائے موافق نہ ہونے سے وہ نہیں چلتی گو واقع میں دھسی نہیں اس مجاز کا قرینہ بھی وہی ہے کہ دھسی ہوئی کشتی کو ہوا کیسے چلاوے گی۔ دوسری توجیہ یہ کہ در کشتی نشستہ ایم یعنی سفر کے لیے تیار ہیں اب اسباب موصلہ کی ضرورت ہے۔ **ف** ہر تقدیر پر باد شرطہ سے اشارہ ہے توجہ و تعلیم مرشد کامل کی طرف کہ عقبات سلوک سے اُس کی بدولت گذرتا ہے۔ اور باز بینم میں اشارہ ہے اس طرف کہ اصلی حالت روح کی مشاہدہ حق تھا مگر تعلقات کی ظلمت حجاب شہود ہو گیا تھا ریاضت اور سلوک سے پھر مشاہدہ اصلیہ عود کر آتا ہے مگر اتنا فرق ہے کہ مشاہدہ اولی ناقص اور ناقابل ترتب اجر و قرب تھا اور یہ مشاہدہ بوجہ اس کے کہ طاعت سے ناشی ہے کامل اور قابل ترتب اجر و قرب ہے لیکن نفس مشاہدہ امر مشترک ہے اس لیے باز کہہ دیا۔ اور یہ بھی ایک محمل ہے منجملہ محامل قول مشہور کے النہایۃ ھو الرجوع الی البدایۃ اور دوسرا محمل باعتبار ظاہری حالت کے ہے کہ منتہی کا حال بوجہ تمکن کے ظاہراً مثل مبتدی خالی عن الاحوال کے ہو جاتا ہے تیسرا محمل باعتبار کیفیت معرفت کے ہے کہ جس طرح ابتداء میں معرفت سادج ہوتی ہے الوان و قیود سے اسی طرح انتہا میں بوجہ کمال تحقیق و حذف قیود خیالیہ کے ہو جاتی ہے البتہ توسط میں بسبب تلوین کے ہمیشہ خیالات و تصورات بدلتے رہتے ہیں۔ من لم یذق لم یدر والعاقل تکفیہ الاشارۃ۔ قال رح

در حلقۂ گل و مل خوش خواند دوش بلبل   ہات الصبوح ہبوا یا ایہا السکارا

یعنی گل اور شراب کے مجمع میں (مراد یہ کہ محبوب اور محبت کی مجلس میں) شب گزشتہ میں بلبل نے (مراد یہ کہ عاشق نے) خوب بات کہی کہ (اے ساقی) صبوحی (یعنی شراب صبح یا مطلق شراب) دے (اور) اے مستو آؤ اور جو شراب ملے پیو۔ **ف** اشارہ اس

طرف ہے کہ سالک کو چاہیے کہ ہمیشہ مزید کا طالب رہے اور جو حال باطنی بھی حاصل ہو اُس پر قناعت نہ کرے چنانچہ ہاتف الصبوح اس طرف مشیر ہے۔ اور نیز یہ اشعار ہے کہ دوسرے سالکوں کی حالت محمودہ دیکھ کر خوش ہو اور اُن کی مزید نعمت میں راغب ہو۔ جیوا یا ایہا السکارا اس کا مشعر ہے ایسا نہ کرے جیسے بعض نو آموز جاہل ہوتے ہیں کہ اگر کسی کی اچھی حالت دیکھ لیتے ہیں تو حسد کرنے لگتے ہیں یا خود ذرا قلب میں گداز پاتے ہیں تو مغرور ہو کر اُسی کو انتہائی کمال سمجھنے لگتے ہیں پس جیوا ایہا السکارا بلسان حال ہے اور یہ مراد نہیں کہ لسان قال سے لوگوں کو اس کی ترغیب دیتا پھرے کیونکہ یہ عمل مبتدی کے لیے موجب شہرت و مضر ہے۔ خوب یاد رکھو۔ قال رح

ای صاحب کرامت شکرانہ سلامت — روزی تفقدی کن درویش بینوا را

قولہ شکرانہ اے بشکرانہ یعنی اے صاحب اعزاز (اپنی) صحت سلامتی کے شکرانہ میں کسی دن تو درویش بینوا کی خبر لے لو۔ **ف** مطلب یہ ہے کہ صاحب کمال کو طالبین سے استغنا مناسب نہیں جیسا کہ بعض کی عادت ہے بلکہ اس شکر یہ میں کہ خدا تعالےٰ نے سب کدورات و ظلمات نفسانیہ سے سالم و ناجی کر دیا دوسرے حاجت مندوں کی تربیت کی طرف توجہ بلیغ کرنا چاہیے جیسا کسی زمانہ میں خود بھی چاہا ہوگا کہ کاملین میرے حال پر توجہ فرما دیں۔ قال رح

آسایش دو گیتی تفسیر این دو حرف است — با دوستان تلطف با دشمنان مدارا

الفاظ کا ترجمہ ظاہر ہے کہ دوستوں کے ساتھ تلطف اور دشمنوں سے مدارات کرنے سے دونوں جہان کی آسائش نصیب ہوتی ہے (دنیا کی تو ظاہر ہے اور آخرت کی اس لیے کہ یہ خوش اخلاقی ہے اور خوش اخلاقی آخرت میں نافع اور موجب ثواب ہے) **ف** تلطف سے اختلاط مراد نہیں بلکہ اگر مل جاویں تو اُن سے رفق و ترحم برتنا۔ اور مدارات کہتے ہیں دفع الوقتی کو مراد یہ ہے کہ سالک کو تعلقات بڑھانا نہ چاہیے نہ دوستی کے نہ دشمنی کے کہ دونوں وقت اور قلب کے مشغول کرنے والے ہیں پس نہ دوستوں سے اختلاط نہ دشمنوں سے مخالفت کا برتاؤ کرے کہ یہ بجائے خود ایک مستقل شغل ہو جاوے گا جو جان کو وبال لگ جاوے گا اور ذکر اللہ میں خلل انداز ہوگا بلکہ دوست مل جاویں تو اُن سے صرف جان بچانا ثابت نہ

ہو ورنہ پھر وہ اُس کی تحقیق وتفتیش میں لگیں گے اور دشمن مل جاوے تو اُس سے ظاہری اخلاق برتے تاکہ اُس کا ہیجان نہ بڑھے ورنہ وہ اُس کی ایذا کے درپے ہوگا اور یہ اپنی حفاظت میں لگے گا غرض ہر طرح وقت ضائع جاوے گا۔ مولانا نے خوب فرمایا ہے ؎

کایں دلم از صلحہا ہم میرمد　　خود چہ جائے جنگ وجدل نیک و بد

قال رح

در کوئے نیک نامی مارا گذر ندادند　　گر تو نمی پسندی تغییر کن قضا را

ترجمہ ظاہر ہے اور اشکال بھی ظاہری معنی پر قوی ہے لیکن حقیقت کلام سمجھنے کے بعد کچھ اشکال نہیں۔ حاصل اُس کا یہ ہے کہ طالبین میں ہر ایک کی استعداد فطری جدا ہوتی ہے اور اُسی استعداد کے موافق ہر ایک کی تربیت علیحدہ علیحدہ طور پر کی جاتی ہے مثلاً کسی پر بے خودی غالب کرتے ہیں کسی کو افاقہ دیتے ہیں اور ان ہی احوال کے اختلاف سے ہر ایک سے بعضے افعال بھی مختلف صادر ہوتے ہیں اور گو وہ افعال سب ہوتے ہیں دائرہ اباحت شرعیہ کے اندر لیکن اُن میں بعض شان اہل تکمیل کے خلاف ہوتے ہیں جن کا غیر مقتدا سے صادر ہونا مضر عامہ خلق بھی نہیں ہوتا اس لیے وہ اُن کے لیے نہ بالذات ممنوع ہیں نہ بالغیر مثلاً نماز کے اندر غلبہ حال سے آواز گریہ کی نکل جانا کہ بے اختیاری کی حالت میں مباح ہے لیکن نماز کی ہیئت جس ادب کو مقتضی ہے اُس کے خلاف ہونے کی وجہ سے ظاہر نظر میں قابل ملامت ہے سو ممکن ہے کہ کسی شخص کی استعداد اسی کو مقتضی ہو کہ ملامت سے اُس کو باطنی نفع ہوگا بوجہ اس کے کہ تذلل معالجہ ہے کبر نفس کا مثلاً پس جو شخص فن تربیت کے اصول سے ناواقف ہے وہ بعض اوقات ان امور پر باوجود اُن کے انطباق علی الشرع کے اعتراض کرنے لگتا ہے اس شعر میں اُس شخص کی تعلیم ہے کہ قضائے الٰہی جو ہماری تربیت باطنی کے ساتھ متعلق ہوئی ہے اُس میں ہمارے لیے بدنامی کے افعال مقدر ہیں گو بددینی کے نہیں سوائے معترض اگر تو اُس کو پسند نہیں کرتا تو اُس قضا کو مبدل کر دے جس سے تو محض عاجز ہے جب عاجز ہے تو اعتراض ترک کر دے پس اس شعر میں جبر کا ہرگز کوئی شائبہ نہیں کیونکہ قضا سے مراد ہر قضا نہیں باقی مطلق قضا کے اعتبار سے اگر کوئی شخص خود اپنی طرف سے ایسی تقریر کرے تو وہ ایک مسئلہ مستقلہ ہے جس کے حل کا یہ مقام نہیں۔

قال رح

آئینہ سکندر جام جم است بنگر　　تا بر تو عرضہ دارد احوال ملک دارا

منقول ہے کہ دارا دو شخص ہوئے ہیں ایک دارائے اکبر جو جمشید کا مقابل تھا دوسرا دارائے اصغر جو سکندر واضع آئینہ کا مقابل تھا جمشید نے ایک جام طلسمی بنایا تھا جس میں دور کی چیزیں منکشف ہوتی تھیں اور غرض اُس سے دارائے اکبر کی تدبیرات و سامان وغیرہ کا دریافت کرنا تھا تاکہ ہر تدبیر کے مقابل مناسب تدبیر کرلے۔ پس ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ آئینہ سکندری بمنزلہ جام جم کے ہے اس کو دیکھا کرو تاکہ تم کو دارا کے ملک کا سارا حال تبلا دیا کرے اور بلسان اشارت آئینہ سکندر سے مراد سالک کا قلب جو باعتبار انکشاف علوم و معارف کے آئینۂ سکندر و جام جم کے مشابہ ہے اور دارا سے مراد سلطان عشق جو بوجہ تسلط و استیلاء کے ایک بادشاہ سے تشبیہ دیا گیا اور بوجہ عافیت سوز ہونے کے اُس تشبیہ میں خصوصیت دارا کا لحاظ کیا گیا وجہ شبہ مطلق ضرر رسانی ہے قطع نظر حقیقی و صوری ضرر سے اور اُس دارا کا ملک خود اُس عشق کے افعال اور تصرفات اور احوال سے مراد جو اُن افعال سے آثار و ثمرات پیدا ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ قلب میں دو شعبے ہیں ایک معرفت کا دوسرا عشق کا پس فرماتے ہیں کہ ذکر اللہ کی برکت و اثر سے قلب پر جو علوم و معارف وارد ہوتے ہیں اُن میں مراقب ہوا کرو تاکہ عشق کے تصرفات سے قلب میں جو ثمرات حالیہ پیدا ہوتے ہیں وہ تم کو مشاہد ہوں تاکہ اُن نعمتوں کا شکر موجب ترقی ہو **ف** اس میں یہ تبلا دیا کہ واردات علمیہ کا مشاہدہ واردات حالیہ کی تقویت کا سبب ہوتا ہے۔ قال رح

سرکش مشو کہ چوں شمع از غیرتت بسوزد　　دلبر کہ در کف او موم ست سنگ خارا

دلبر فاعل ہے بسوزد کا اور جملہ در کف او الخ صفت ہے دلبر کی۔ مطلب یہ کہ سرکشی اور کبر مت کرو کبھی تم کو محبوب حقیقی رجس کی یہ صفت ہے کہ اُس کی ہیبت سے سنگِ خارا ابھی موم ہو جاتا ہے) غیرت کی وجہ سے جو کہ معاصی عباد پر ظاہر ہوتی ہے سوختہ کردے جس طرح شمع سرکشی کرتی ہے اور سوختہ ہوتی ہے۔ غرض کبر کی مذمت ظاہر ہوئی اور شمع کی مثال محض تنظیر ہے تمثیل نہیں کیونکہ شمع کا جلنا کسی معصیت سے نہیں اور بلسان معنوی سالک کو عجب و پندار سے منع فرماتے ہیں یا واصل کو ناز بیجا سے کہ طالبین کے ساتھ کیا جاوے روکتے ہیں۔ اور

اس معنی میں لبسوز و سے اشارہ ہوگا اختلال یا سلب احوال کی طرف نعوذ باللہ۔ اور جو اعتراض یا انکار یا تشدد طالب کی اصلاح یا امتحان کی غرض سے بقدر ضرورت ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہے
قال رح

گر مطرب حریفان ایں پارسی بخواند — در رقص و حالت آرد پیران پارسا را

حریفان یاران۔ ایں پارسی یعنی کلام حافظ کہ مشتمل مضامین عشق است مراد مطلق مضامین عشقیہ مطلب ظاہر ہے کہ اگر مطرب اس کلام عشقی کو پڑھ کر سناوے تو بڑے بڑے پارساؤں کو جو بڑے خود دار ہیں وجد میں لے آوے بوجہ اپنے موثر ہونے کے اور معنی مقصود اشارہ کرنا ہے مضامین عشق کے موثر ہونے کی طرف جو کہ مرشد کے منہ سے نکلتے ہیں کہ اس سے زہد خشک جس میں دعویٰ و پندار ہو جاتا رہتا ہے اس ضمن میں تعلیم ہے اہل عرفان کے پاس آنے جانے اور اُن کے کلام سننے کی تاکہ اپنے اندر بھی جذبہ عشق پیدا ہو جاوے۔ قال رح

آں تلخوش کہ صوفی ام الخبائثش خواند — اشھیٰ لنا و احلیٰ من قبلۃ العذاری

ترجمہ لفظی تو یہ ہے کہ وہ شراب تیز کہ صوفی اُس کو اُم الخبائث کہتا ہے ہم کو دوشیزہ لڑکیوں کے بوسہ سے بھی زیادہ مرغوب اور شیریں معلوم ہوتی ہے۔ اور بلسان معنوی تلخوش سے مراد مجاہدہ و نفس کشی ہے جو نفس پر گراں و تلخ گزرتا ہے اور صوفی سے مراد زاہد خشک مدعی تقویٰ۔ اور ام الخبائث سے مراد مطلق معصیت۔ مطلب یہ کہ مجاہدہ و نفس کشی کو زاہد اہل ظاہر معصیت کہتا ہے بوجہ اس کے کہ ظاہراً تہلکہ ہے جس کی ممانعت آئی ہے۔ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ الآیہ لیکن ہم کو اُس میں بوجہ غلبہ محبت کے یا بامید وصول الی المقصود کے لذت آتی ہے اس عنوان میں ظاہر پرست کے استدلال کا جواب بھی ہو گیا کہ ممنوع ہونے کی علت تہلکہ ہے اور جس کو اُس میں لذت آتی ہو اُس کے لیے تہلکہ کیوں ہو گا پس ممنوع بھی نہ ہو گا۔ تحقیق اس میں یہ ہے کہ مجاہدہ بمعنی تکثیر عبادات و تقلیل لذات اگر اس مرتبہ تک ہے کہ حقوق واجبہ نفس کے بھی فوت ہو جاویں یا ترک لذات کو قربت مقصودہ سمجھنے لگے تب تو معصیت و بدعت ہے جیسا حدیث میں ہے ان لجسدک علیک حقا و لعینک علیک حقا الحدیث اور قرآن میں ہے لا تعتدوا الآیہ

اور یہ واقعی تہلکہ میں داخل ہے۔ اور جس میں صرف حظوظ فوت ہوں اور اُس کو معالجہ سمجھے وہ خود مقاصد شرع سے ہے اور اُس میں لذت آنا اور زیادہ سلامت قلب و انشراح صدر و نورانیت روح کی دلیل ہے کہ سنن شرعیہ مثل مرغوبات طبعیہ کے ہو گئے کم فہم دونوں میں خلط کر دیتا ہے اس شعر میں اُس کی اصلاح ہے۔ قال رح

ہنگام تنگدستی در عیش کوش و مستی کایں کیمیای ہستی قارون کند گدا را

ترجمہ لفظی تو ظاہر ہے کہ تنگدستی کے وقت مغموم مت ہو بلکہ عیش و مستی میں کوشش کرو یعنی خوش رہو کیونکہ یہ خوش دلی جس کو کیمیائے ہستی تشبیہاً کہہ دیا گدا و مفلس کو بھی غنی کر دیتی ہے کیونکہ اصل غنا غنائے قلب ہے اگر یہ فقر میں بھی حاصل ہے تو غنا ہے اور اگر غنائے ظاہری میں یہ نہ ہو تو وہ فقر ہے۔ اور بلسان معنوی تنگدستی سے اشارہ ہے قلت واردات قلبیہ کی طرف جس کو قبض کہتے ہیں اور عیش و مستی سے مراد بسط اُس کا وہ مطلب ہے جیسا مولانا فرماتے ہیں ؎

چونکہ قبض آمد تو در وے بسط بیں تازہ باش و چیں میفگن بر جبیں
چونکہ قبضے آیدت اے راہ رو آں صلاح تست آئس دل مشو

آگے اس کی علت فرماتے ہیں کہ یہ عیش و مستی یعنی حالت قبض میں بھی خوش رہنا اور دلگیر نہ ہونا غیر صاحب واردات کو قرب الٰہی میں مثل صاحب واردات کے بنا دیتا ہے یعنی اصل مقصود قرب الٰہی ہے اور وہ واردات پر موقوف نہیں بلکہ صاحب واردات کا قرب بوجہ تعلق و نسبت مع اللہ کے ہے پس اگر صاحب قبض اپنی حالت پر صابر شاکر رہا اور اُس میں مصلحت و حکمت سمجھ کر راضی رہا اور اللہ تعالیٰ کی قضا سے تنگ نہ ہوا تو اُس کو بھی قرب حاصل رہا بخلاف اس کے کہ راضی بقضا نہ ہوا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ شکوہ شکایت کرنے لگا تو بعید ہو جاوے گا جیسا کہ صاحب بسط اگر عجب میں مبتلا ہو گیا تو وہ بھی بعید ہو جاوے گا بلکہ بوجہ اس کے کہ قبض میں انکسار و اضمحلال وجود زیادہ ہے اور یہ خود مقاصد طریق سے ہے من وجہ بسط سے بھی ارفع و انفع ہے۔ قال رح

خوبان پارسی گو بخشندگان عمر اند ساقی بدہ بشارت پیران پارسا را

مطلب ظاہری تو یہ کہ فارس کے معشوقوں کو بخشندگان عمر کہنا چاہیے کیونکہ اُن کے دیکھنے سے فرحت ہوتی ہے اور فرحت سے عمر کا لطف بڑھتا ہے اے ساقی فارس کے بوڑھوں کو جن کی عمر ظاہرا قریب ختم ہے بشارت دو کر تمہارے پاس ہر وقت دیکھنے کے واسطے ایسے محبوب موجود ہیں اُن کو دیکھنے سے تمہاری عمر بھی بڑھ جاوے گی اور پیران فارس کی تخصیص اسی قرب کی وجہ سے کی گئی۔ اور بلسان اشارت خوبان سے مراد تجلیات جو سالک کے قلب پر ہوتی ہیں۔ اور پیران فارس سے مراد سالکین اور عمر بخشی انشراح و سرور اور ساقی سے مراد مطلق مبشر مطلب یہ کہ تجلیات سے سالک کو بڑی فرحت ہوتی ہے اور اُس سے قلب کو تقویت ہوتی ہے بالخصوص غیر واصل کو اس سے مجاہدہ میں سرگرم ہو کر مشرف بہ ترقی ہوتا ہے کما قال الجنید رح فی بعض ھذہ الواردات تلک خیالات تربی بھا اطفال الطریقۃ گو وہ مقصود نہ ہوں جیسا اس کے قبل شعر میں بیان ہوا ہے لیکن محمود ضرور ہیں اگر خلاف کتاب و سنت نہ ہوں گویا اس شعر میں بسط کی حکمت کا بیان ہے جیسا اوپر قبض کے متعلق بیان تھا پس مجموعہ میں تعلیم ہو گئی کہ اگر بسط ہو اُس میں بھی خوش رہو کہ اُس میں خاص حکمتیں ہیں اور اگر قبض ہو اُس میں بھی راضی رہو کہ وہ بھی حکمت سے خالی نہیں۔ اور جاننا چاہیے کہ اوپر بھی ایک شعر کے قافیہ میں پارسا آیا ہے لزوم تکرار قافیہ سے بچنے کے لیے بعض نے وہاں فارس کے اور یہاں پارسا کے معنی لیے ہیں لیکن میں نے عکس مناسب سمجھا کیونکہ مضمون عشق سب کو عام ہے اور یہاں قرب مخصص ہے۔ قال رح

حافظ بخود نپوشید این خرقہ می آلود ای شیخ پاک دامن معذور دار ما را

مطلب ظاہری یہ کہ یہ شراب آلودہ خرقہ میں نے خود نہیں پہنا بلکہ مقدر یہی تھا ہم کو معذور سمجھو یعنی مثل معذور کے ہمارے ساتھ معاملہ کرو اس باب میں کہ اپنا ترفع اور تقوی جتلا کر ہم کو براہ کبر حقیر مت سمجھو اس تقریر سے شبہ جبر دفع ہو گیا اور جو انکار بطور اصلاح ہو وہ اس سے خارج ہو گیا کہ وہ ضروری اور سنت انبیاء علیہم السلام ہے۔ اور بلسان معنوی خرقہ می آلود اشارہ ہے مشرب ملامتی کی طرف نہ بایں معنی کہ خلاف شرع امور کے مرتکب ہوں بلکہ خلاف وضع اور خلاف شان امور اختیار کریں بعض کے لیے شیخ کامل اس کو بعض مصالح سے تجویز کرتا ہے مثلاً ایک شخص میں کبر دیکھا اُس کے لیے یہ تجویز کیا

یا ایک شخص کو ہجوم خلق سے ضرر ہوگا یا تنگ مزاجی کی وجہ سے ہجوم میں خلق کو اُس سے ضرر ہوگا یا کسی کی استعداد نور بصیرت سے معلوم ہوگئی کہ تذلل سے وہ واصل الی المقصود ہوگا یا ایسی ہی اور کوئی حکمت ہو اس لیے اُس کے واسطے یہ مشرب تجویز کیا جاتا ہے پس فرماتے ہیں کہ یہ طریق میں نے اپنی رائے سے اختیار نہیں کیا بلکہ میری استعداد کا مقتضا یہی ہے کہ میری یہ حالت رہے اس لیے ہم کو معذور رکھو۔ کوئی یوں نہ سمجھے کہ ملامت سے تو خوش ہونا چاہیے معذور رکھنے کی درخواست کیوں کرتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ یہاں معترض کی غلطی کا تبلانا ہے اور یہ تو یہ بھی جانتے ہیں کہ معترض کبھی معذور نہ رکھے گا اس غلطی تبلانے سے طالبان حق کو نفع علم حقیقت کا ہو جاتا ہے اور پاک دامن باعتبار دعویٰ اُس شخص کے کہہ دیا جو شخت اور تقدس کا مدعی ہے گو واقع میں نہ ہو۔ قال رح

غزل

ساقی بنور بادہ برافروز جام ما مطرب بگو کہ کار جہان شد بکام ما

مطلب ظاہری ظاہر ہے کہ اے ساقی نور شراب سے ہمارا پیالہ روشن کردے یعنی شراب تاباں بھردے کہ پیالہ روشن ہو جاوے اور اے مطرب (خوشی کا یہ نغمہ) کہدے کہ دہر کا تصرف ہمارے مقصود کے موافق ہوگیا یعنی ہم کامیاب ہوگئے اور بلسان اشارت مصرع اولیٰ میں مرشد سے درخواست کرتے ہیں کہ شراب محبت و عشق سے ہمارا قلب لبریز کردے یعنی عشق حقیقی عطا فرما اور مصرع ثانیہ میں اس طلب کی کامیابی پر خوشی ظاہر کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ہدایت کے مرتبہ ابتدائی کے حصول پر مسرور ہیں اور اُس کے مرتبہ انتہائی کے وصول کے متمنی ہیں واللہ اعلم مقصود ترغیب ہے دوام طلب پر اور تعلیم شکر ہے حصول مقصود پر۔ قال رح

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم ای بے خبر ز لذت شرب مدام ما

مطلب ظاہری ظاہر ہے کہ شراب خوری پر ملامت کرنے والے کو جواب ہے کہ پیالہ شراب میں روئے محبوب کا عکس ہم کو نظر آیا تھا اس لیے شراب پیتے ہیں تو کیا جانے۔ اور بلسان اشارت پیالہ[1]

---

[1] حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یہاں پیالہ سے مراد (باقی صفحہ ۳۳ پر)

سے مراد قلب جیسا شعر بالا میں تھا۔ حاصل یہ کہ اے وہ شخص جو آثار عشق سے بیخبر ہے ہم کو جو غلبہ سکر کی حالت میں بعض امور غیر قابل اظہار کے اظہار پر ملامت کرتا ہے تجھ کو اس کی خبر نہیں کہ ہمارے قلب پر بعض تجلیات آلہیہ و واردات غیبیہ کا غلبہ ہوا اس نے ہم کو مغلوب کر دیا اور اظہار راز ہو گیا اگر تجھ کو خبر ہوتی تو ہم کو معذور سمجھتا۔ مقصود ارشاد ہے کہ اہل حال کے ایسے اقوال و افعال کی جو گاہے صادر ہو جاویں تاویل مناسب ہے۔ قال رح

چنداں بود کرشمہ و ناز سہی قداں　　کاید بجلوہ سرو صنوبر خرام ما

مطلب لفظی تو یہ ہے کہ اور محبوبوں کا کرشمہ و ناز ہمارے محبوب کے جلوہ گری شروع کرنے تک ہے جس وقت وہ جلوہ افروز ہو جاوے گا سب کے ناز و کرشمہ ختم اور بے قدر اور گم ہو جاویں گے۔ اور مطلب معنوی یہ ہے کہ محبوبان مجازی اُسی وقت تک محبوب اور دل ربا معلوم ہوتے ہیں کہ محبوب حقیقی کا جمال کسی کے قلب پر متجلی نہیں ہوتا اور جس وقت اس کا مشاہدہ ہو جاتا ہے پھر سب کا حسن و جمال لاشی معلوم ہونے لگتا ہے۔ پس اس میں تعلیم ہے کہ عشق حقیقی حاصل کرتا کہ مجاز کی طرف التفات نہ رہے۔ قال رح

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق　　ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

مطلب لفظی تو بہت ظاہر ہے کہ عاشق کا ذکر خیر مرور دہور تک قائم رہتا ہے۔ اور مطلب معنوی بھی زیادہ خفی نہیں یعنی جس کو عشق حقیقی سے روحانی حیات حاصل ہو گئی وہ اگر مر بھی جاوے تو واقع میں بوجہ اس کے کہ لذت قرب علی وجہ الکمال اس کو حاصل ہو جاتی ہے اس لیے اُس کو زندہ کہنا چاہیے اور یوں تو مرنے کے بعد عوام مومنین بھی بایں معنی زندہ ہوتے ہیں لیکن زیادہ تقرب کی وجہ سے اس عاشق کو ترجیح ہے اس مرتبہ میں تخصیص کی گئی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲) کل کائنات ہے جس کا ذرہ ذرہ عارف کی نگاہ میں محبوب ازل کی تجلی گاہ ہے! (اسی لیے عارف کامل لذتِ دید سے ہر وقت سرشار ہے اگر چونکہ معترض اس کے اس مقام عرفانی سے بے خبر ہے اس لیے طنز کرتا ہے کہ اس کو کچھ بھی حاصل نہیں)

دیکھو مولانا قاسم صاحبؒ کی سوانح مصنفہ مولانا منصور علی خاں صاحبؒ!

اور کفار بھی زندہ رہتے ہیں لیکن چونکہ وہ حیات مقرون بالعذاب موت سے بھی بدتر ہے لہٰذا قابل شمار نہیں۔ مقصود ترغیب ہے محبوب حقیقی کی محبت کی تحصیل کی۔ قال رح

مستی بچشم شاہد دلبند ماخوش ست　　زاں رو سپردہ اند بمستی زمام ما

مراد لفظی تو یہ ہے کہ مستی ہمارے محبوب کی چشم کے لیے زیبا ہے اس لیے ہم کو اُس مستی کے حوالہ اور اُس کا مسخر کیا گیا کہ وہ مست و مستغنی رہے اور ہم پیست اور اُس کے محتاج رہیں۔ اور مراد معنوی میں مستی سے اشارہ صفت غنا کی طرف اور چشم سے اشارہ ذات کی طرف اطلاقاللجز علی الکل مراد یہ کہ غنا محبوب حقیقی کو زیبا ہے اور عبد کے لیے تو احتیاج اس کے لوازم ذات سے ہے اس لیے ہم اُس کی صفت غنا کے محتاج اور اُس کے ساتھ وابستہ کیے گئے۔ مقصود تعلیم ہے کہ عبد کو گاہے آثار عبدیت کا چھوڑنا اور خواص الوہیتہ کا دعوےٰ کرنا جیسا کہ مدعیان کاذب یا صوفیان خام کا شیوہ ہے طریق وصول کے موانع سے ہے۔ اور جاننا چاہیے کہ غنائے ذات کے معنی بعضے یہ سمجھتے ہیں کہ حق تعالےٰ کو نعوذ باللہ خلق کی طرف توجہ اور اُن پر نظر نہیں اس معنی کو آیات و احادیث رحمت و رافت تصریحاً رد کرتی ہیں نعوذ باللہ منہ بلکہ غنا مقابلِ احتیاج کے ہے حاصل اُس کا یہ ہے کہ وہ کسی کے محتاج نہیں پس اس صفت سے تو عنایت کی زیادہ اُمید ہوتی ہے کیونکہ وہ جب کسی کے محتاج نہیں تو ہمارے اعمال سے نہ اُن کا نفع نہ اُن کا ضرر اور رحمت اُن کی ثابت پس اُمید ہے کہ ہماری تقصیرات زیادہ معاف ہو جاویں بخلاف اُس شخص کے جو کہ متضرر ہوتا ہو وہاں احتمال ہوتا ہے کہ ہمارے افعال سے اُس کو مضرت پہنچے اس لیے معافی کی اُمید نہیں۔ اسی طرح طاعات کے قبول ہونے کے زیادہ امید ہے گو وہ زیادہ خالص نہ ہوں بخلاف اس شخص کے جو ہماری خدمت سے منتفع ہوتا ہو چونکہ اعمال غیر کاملہ سے اُس کو کم نفع پہنچتا اس لیے عوض بھی ہم کو کم ملتا۔ قال رح

ترسم کہ صرفہ نہ برد روز باز خواست　　نان حلال شیخ ز آب حرام ما

صرفہ بردن بصلہ از بمعنی غلبہ بردن۔ روز باز خواست قیامت کہ دراں از اعمال پرسش و سوال واقع شود معنی یہ ہیں کہ گو ہم گنہ گار ہیں اور شیخ یعنی عابد اہل ظاہر متقی ہے لیکن

ہم میں چونکہ عجز و مسکنت اور اعتراف بالتقصیر اور اُس عابد میں ریا و دعویٰ و تکبر اور دوسروں کی تحقیر پائی جاتی ہے اس لیے مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ شاید شیخ کا تقویٰ ہماری معصیت پر ذریعہ نجات ہونے میں غالب نہ آسکے بلکہ مغلوب ہو جاوے اور اُس پر داروگیر ہونے لگے اور ہماری تقصیرات سے درگزر ہو جاوے مقصود منع ہے پندار سے نہ کہ گناہ پر جرأت دلانا۔

قال رح

اے باد اگر بہ گلشن احباب بگذری ‏ زنہار عرضہ دہ بر جاناں پیام ما
گو نام ما زیاد بعمداً چہ می بری ‏ خود آید آنکہ یاد نیاری زنام ما

مدلول لفظی تو یہ ہے کہ ہوا کو خطاب فرضی کر کے کہتے ہیں کہ اگر تیرا گزر گلشن احباب تک ہو جاوے جس کا سر مجلس محبوب ہے تو ضرور محبوب سے میرا پیام کہہ دینا کہ میرا نام قصداً اپنی یاد سے کیوں دور کرتے ہو یعنی مجھ کو قصداً کیوں فراموش کرتے ہو خود وہ وقت عنقریب آجاوے گا کہ میں مر جاؤں گا اُس وقت میرا نام کبھی یاد نہ کرو گے پھر ابھی سے کیوں بھلا دیا۔ اور مدلول معنوی یہ ہوسکتا ہے کہ قابل پر حالت قبض غالب ہے اور وہ توجہ مرشد سے احیاناً اور تعلیم مرشد سے اکثر بلکہ دواماً دفع ہو جاتا ہے اس لیے حالت قبض میں تنگ ہو کر مضطربانہ مرشد سے بعنوان شکایت عرض ہے کہ حضرت میرے حال پر توجہ اور میری خبر گیری کیجیے کیونکہ ابھی تک تو مرا نہیں جب مر جاؤں گا جب ہی رُخ پھیر لیجیے چونکہ قبض شدید میں گو نہ معذور ہوتا ہے اس لیے ایسے امور معاف ہیں اور اس میں تعلیم بھی ہے قبض میں رجوع الی المرشد کی۔ قال رح

بگرفت ہمچو لالہ دلم در ہوائے سرد ‏ ای مرغ بخت کے شوی آخر تو رام ما

مطلب لفظی تو ظاہر ہے کہ جیسا لالہ خون ہوتا ہے اسی طرح میرا دل ایک سرو قامت کے عشق اور فراق میں منقبض اور گرفتہ ہوگیا اے طالع تو میرے موافق کب ہوگا یعنی وصل محبوب کب میسر ہوگا اور مدلول معنوی یہ ہے کہ حالت قبض میں تنگ ہو کر کہہ رہے ہیں کہ محبوب کے عشق میں بالکل خون در خون ہو گیا خدا جانے وصول کب میسر ہوگا۔ قال رح

دریائے اخضر فلک و کشتی ہلال   ہستند غرق نعمت حاجی قوام ما

شراح نے لکھا ہے کہ حاجی قوام کوئی وزیر تھا اُس کے یہاں خواجہ حافظ کی دعوت تھی کسی شوربا وغیرہ کے پیالہ میں آسمان اور ہلال کا عکس نظر آیا تو بر طریق مطائبہ کے خواجہ نے یہ مضمون فرمایا جو ترجمہ سے ظاہر ہے۔ اور میرے نزدیک اس میں معنوی مراد ڈھونڈنا تکلف ہے گو یہ کہہ سکتے ہیں کہ حاجی قوام کنایہ مرشد سے ہے اور مطلب یہ ہو کہ مرشد کے فیوض باطنہ کے سامنے ظاہری عالم کے بڑے بڑے اجرام ہیچ ہیں کیونکہ یہ فانی ہیں اور وہ باقی ہے اور مقصود ترغیب ہو تحصیل کمال باطنی کی اور تعلیم ہو ترک التفات کائنات جسم کی کہ اشتغال ان کا مانع توجہ الی الحق سے ہے۔ قال رح

حافظ ز دیدہ دانۂ اشکے ہمے فشاں   باشد کہ مرغ وصل کند قصد دام ما

یعنی اے سالک ہمیشہ گریہ و زاری و طلب و بے قراری میں رہا کر امید ہے کہ وصل محبوب میسر آجاوے اس میں تعلیم ہے کہ راہ نیاز اختیار کرنا چاہیے کہ وصول کا موقوف علیہ ہے ناز اور دعوے استحقاق اور عُجب و خود بینی منجملہ مہلکات عظیمہ و رہزن طریق ہے واللہ اعلم۔ قال رح

غزل

صلاح کار کجا و من خراب کجا   ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

مدلول الفاظ تو ظاہر ہے اور معنی مقصود یہ معلوم ہوتے ہیں کہ اعمال صالحہ و ذکر و شغل سے جو اکثر کم ظرف بندیوں کو عجب و پندار پیدا ہو جاتا ہے اُس کا معالجہ بتلاتے ہیں حاصل یہ ہے کہ اس شخص کو چاہیے کہ صلاح کار کا تو اعلیٰ درجہ جو کہ مطلوب ہے پیش نظر رکھے اور پھر غور کر کے اپنی خرابیوں اور عیبوں اور ظاہری باطنی لغزشوں کو عجب کے وقت دیکھا کرے اسی سے پھر گمان بزرگی اور کمال کا اپنی نسبت پیدا نہ ہوگا پس اس شعر میں تعلیم ہے سلوک کی۔

قال رح

چہ نسبت است برندی صلاح و تقویٰ را   سماع وعظ کجا نغمۂ رباب کجا

اس کا مقصود بھی قریب قریب مقصود شعر سابق کے ہے کہ بعضے لوگ تھوڑے سے اعمال حسنہ اختیار کر کے باوجود ارتکاب قبائح کے مغرور ہو جاتے ہیں حالانکہ صلاح و تقویٰ و سماع وعظ کو جس پر وہ نازاں ہیں رندی اور نغمہ رباب سے کہ وہ اس میں بھی مبتلا ہوتے ہیں کیا نسبت کہ ان قبائح کے ہوتے ہوئے اُن طاعات کا دعوےٰ بے جا ہے۔ قال رح

دلم ز صومعہ بگرفت و خرقۂ سالوس　　　کجاست دیر مغان و شراب ناب کجا

صومعہ معبد یہود مراد مطلق معبد۔ سالوس مکر۔ مغاں آتش پرستاں۔ ناب خالص۔ یہاں اُس عبادت ریائی کی مذمت ہے جس میں اخلاص نہ ہو اور ترغیب ہے صحبت اہل محبت اور تحصیل محبت و طاعت خالصہ کی تقریر شعر کی ظاہر ہے۔ قال رح

بشد زیاد خوشنش یاد روزگار وصال　　　خود آں کرشمہ کجا رفت و آں عتاب کجا

یہ شعر حالت قبض کا معلوم ہوتا ہے۔ از یاد شدن فراموشی و نسیاں کہ باعتبار معنی مجازی کنایت از ترک کما صرح بہ المفسرون فی قولہ تعالیٰ نسیناہم۔ کرشمہ ادائے محبت عبارت از تجلی جلالی۔ حالت بسط میں جو کہ وصال کی ایک خاص صورت ہے جو قلب پر واردات ہوتے ہیں اُن میں بعضی تجلیات جمالیہ ہوتی ہیں بعضی تجلیات جلالیہ اور ہر ایک میں سالک کو ایک خاص حظ ہوتا ہے اور دونوں آثار اُس قرب و وصال خاص کے ہیں پس قبض میں وہ واردات جو منقطع ہو گئے اس لئے تنگ ہو کر کہتے ہیں کہ اُس وصال و بسط کی حالت میں جو تجلیات و واردات ہوتے تھے کہاں گئے۔ جاننا چاہیے کہ یہ تنگی طبعی و اضطراری ہے ورنہ قبض بھی ایک حالت رفیعہ اور ایک گونہ قرب و وصل ہے کما بین فی محلہ اور کامل جو قبض سے کبھی تنگی ظاہر کرتا ہے مقصود افتقار و انکسار ہوتا ہے نہ کہ شکوہ و شکایت کما قال العارف الرومی ؎

دل ہمی گوید از و رنجیدہ ام　　　وز نفاق سست او خندیدہ ام

فافہم۔ قال رح

زروی دوست دل دشمناں چہ دریابد　　　چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا

مدلول الفاظ ظاہر ہے کہ مخالفین کا قلب محبوب کے حسن و جمال کو کیا ادراک کرے گا جیسا بجھے

ہوئے چراغ کو شمع آفتاب یعنی آفتاب سے کوئی نسبت نہیں اسی طرح مدرِک و مدرَک مذکور میں کوئی نسبت نہیں۔ شاید اس میں یہ مسئلہ حقیقت کا بتلانا منظور ہے کہ محبوب حقیقی کی ذات یا صفات مشہورہ کے جو بعضے معاند منکر ہیں واقع میں نقصان ادراک ان ہی کی جانب ہے ورنہ وہ مع اپنی ذات وصفات وکمالات کے اظہر من الشمس ہیں کسی نے خوب کہا ہے ؎

شد ہفت پردہ بر چشم ایں ہفت پردہ چشم ۔ بے پردہ ورنہ ما ہے چوں آفتاب دارم

بلکہ محققین نے کہا ہے کہ غایت ظہور ہی سبب غایت بطون کا ہوگیا ہے وتفصیلہ فی محلہ۔ قال رح

ببیں بہ سیب زنخداں کہ چاہ در راہ ست ۔ کجا ہمی روی ای دل بدیں شتاب کجا

لفظی مطلب تو ظاہر ہے کہ اے دل تو کہاں جلدی جلدی جارہا ہے راہ میں زنخدان بھی ہے کبھی تو اُس میں نہ پھنس جائے پھر نکلنا مشکل ہو جائے اس لیے حسن پرستی سے دُور ہی رہنا سلامتی ہے۔ اور اصطلاح قوم میں سیب زنخدان عبارت ہے محبوب کے لطف قہر آمیز سے جس کی حقیقت یہ ہے کہ بعض اوقات باوجود معصیت ظاہری سلب نہیں ہوتی اور اسی طرح باوجود معصیت باطنی مثل بدعت یا عجب وغیرہ کے نعمت باطنی مثل واردات ومکاشفات وخوارق وغیرہا کے مسلوب نہیں ہوتی جس سے سالک کو دھوکہ مقبولیت کا رہتا ہے اور اُس معصیت پر تنبہ یا اُس سے توبہ کا عزم نہیں ہوتا تو ظاہر میں تو یہ لطف ہے مگر واقع میں قہر وغضب اور ایک نوع کا استدراج ہے پس حاصل شعر یہ ہوا کہ اے سالک تو جو باوجود صدور معاصی کے اپنی حالت پر جما ہوا چلا جارہا ہے اور اُس میں تبدل نہیں ہوا ذرا دیکھ تو یہ لطف قہر آمیز ہے کبھی اسی عقبہ میں تو پھنسا رہے اور ترقی وعروج قرب سے رُک جاوے ذرا سنبھل اور غور سے کام لے اور قواعد شریعت وطریقت کو معیار بنا کر اپنی اصلاح کر۔ قال رح

چو کحل دیدۂ ما خاک آستان شماست ۔ کجا رویم بفرما ازیں جناب کجا

قرار وخواب زحافظ طمع مدار ای دوست ۔ قرار چیست صبوری کدام وخواب کجا

ان دونوں کا ظاہری مطلب تو ظاہر ہے اور بلسان معنی اس میں تعلیم ہے سالک کو کہ خواہ طریق طلب میں کچھ ہی پیش آوے ناکامی ونامرادی وقبض وتنگی وغیرہ وغیرہ لیکن چونکہ محبوب حقیقی کے سوا اور کوئی مقصود نہیں اُس کو چھوڑنا نہ چاہیے طلب میں لگا رہے ورنہ دوسرا

ٹھکانہ کہاں ہے یہ تو عدم حصول مراد کی حالت میں ہے اور شعر ثانی میں حصول مراد کے متعلق تعلیم ہے کہ خواہ کیسا ہی کمال یا حال یا مقام حاصل ہو جاوے لیکن پھر بھی طلب ہی میں سرگرم رہے قناعت اور توقف نہ کرے آگے بڑھتا رہے خوب کہا ہے ؎

اے برادر بے نہایت در گہے ست ہرچہ بروے میرسی بروے مالبست!

غزل

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

معنی ظاہری ظاہر ہیں کہ اگر وہ محبوب شیراز کا رہنے والا جہان کے محبوب حسن و جمال میں مشہور ہیں ہماری دلداری کرے یعنی ہم کو اپنے دیدار سے کامیاب کرے تو میں صرف اُس کے ایک سیاہ تل دیکھنے کے عوض اور شکریہ میں سمرقند اور بخارا کو جہاں کہ حسین وجمیل نیز مشہور ہیں دے ڈالوں اور نثار کر دوں۔ اور معنی باطنی یہ ہیں کہ اگر محبوب حقیقی اپنی تجلیات سے مشرف فرماوے تو اُس کی ادنیٰ تجلی کے مقابلہ میں دونوں عالم کو فدا کر دوں کیونکہ مقصود بالذات کے سامنے مقصود بالعرض کی طرف التفات نہیں ہوا کرتا۔ قال رح

بدہ ساقی مئے باقی کہ در جنت نخواہی یافت کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلا را

رکنا باد ایک چشمہ ہے شیراز میں اور مصلا عید گاہ کو کہتے ہیں وہاں اکثر عوام بطور تفریح و سیر کے جاتے تھے اور نیز اکثر خواص و اہل ریاضت وہاں رہ کر مجاہدات عمل میں لاتے تھے معنی ظاہری یہ ہیں کہ اے ساقی شراب زندگی بخش ان دلکشا مقامات میں مجلس آراستہ کر کے دیدے کیونکہ جنت میں یہ چیزیں نہ ملیں گی اور معنی باطنی یہ ہیں کہ اے مرشد شراب محبت یہاں عطا کر دیجیے اس طرح سے کہ اذکار و اشغال جو مورث محبت ہوں تعلیم فرما دیجیے کیونکہ جنت میں پھر ریاضت اور مشقت جن پر مدار ترقی مراتب ہے میسر نہ ہو گا چنانچہ معلوم و مسلم ہے کہ جنت میں اعمال و طاعات موجبہ ترقی قرب نہ ہوں گے اس لیے دنیا ہی میں اُن اعمال کا طریقہ بتلا دیجیے تاکہ محنت مشقت کر کے اس کے ثمرات سے ابدالآباد منتفع ہوں۔ قال رح

فغاں کیں لولیان شوخ شیریں کار شہر آشوب چناں بردند صبر از دل کہ ترکاں خوان یغما را

معنی ظاہری تو یہ ہیں کہ میں ان شاہدان شوخ شیریں حرکات شہر آشوب کے ہاتھ سے فریاد کرتا

ہوں کہ انہوں نے متاع صبر و قرار اس طرح غارت کر دیا جس طرح ترک خوان یغما کو لوٹ بھاگتے ہیں اور معنی باطنی یہ ہیں کہ اذکار و اشغال میں جو انوار وغیرہ منکشف ہوتے ہیں اور اپنی دلکشی سے سالک کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں اے مرشد میں ان سے فغاں کرتا ہوں جلدی اس کی طرف مشغول ہونے سے بچنے کا طریقہ بتلائیے کیونکہ ان میں مشغول ہونا مانع وصول الی المقصود الحقیقی ہے چنانچہ اسی مضمون کو حضرت حافظ نے دوسری جگہ اس طرح فرمایا ہے ؎

دلبراں گر دلبری زینساں کنند　　　زاہداں را رخنہ در ایماں کنند

احقر نے حضرت پیر و مرشد علیہ الرحمۃ سے سُنا ہے کہ حجب نورانیہ اشد ہیں حجب ظلمانیہ سے۔ قال رح

ز عشق ناتمام ما جمال یار مستغنی است　　　بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روی زیبا را

اس میں اصلاح ہے ایک غلطی کی جو اکثر اہل طریق کو ایک مشہور مسئلہ کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق سے اور اُس کی شرح میں جو بعض کلمات اس قسم کے مشہور و منقول ہیں ؎

نکو رو تاب مستوری ندارد　　　چو در بندی سر از روزن بر آرد

اور جیسے کہا جاتا ہے کہ جمال آلہی مقتضی ظہور کا ہوا تاکہ مرأۃ خلق میں اپنا مشاہدہ کرے اور خلق بھی اس جمال کا مشاہدہ کرے و امثال ذلک ایسے کلمات سے وہ غلطی واقع ہو جاتی ہے وہ یوں سمجھنے لگتے ہیں کہ غایت ظہور کی یہی مشاہدہ و معرفت ہے جو موقوف ہے ہمارے وجود پر تو گویا بدوں ہمارے اس غایت کا استکمال نہ ہو سکتا تھا اور پھر تقاضائے جمال اس ظہور کو مستلزم ہے جس سے ایک گونہ ایہام اضطرار کا ہوتا ہے سبحانہ و تعالیٰ عما یصفون سو اس شعر میں اس کی اصلاح ہے کہ خود ہمارا عشق اور عرفان ہی ناتمام ہے اور ذات جمیلہ محبوب حقیقی کی خود موصوف ایسے کمال تام کے ساتھ ہے کہ وہاں استکمال بالغیر محال ہے خصوص جب کہ وہ غیر محض ناقص ہو جیسا فرض کرو کوئی شخص نہایت زیبا صورت ہو تو اس کو دیگر محسنات عارضیہ کی کوئی احتیاج نہیں اسی طرح حق سبحانہ و تعالیٰ ہر احتیاج سے منزہ ہیں اور وہاں احتیاج محال ہے اور مشاہدہ مذکورہ کا غایت ظہور ہونا اسی طرح کمال و جمال کا مستلزم ظہور ہونا یہ دونوں امر مستلزم احتیاج ہیں جو محال تھی اور مستلزم محال خود محال ہے پس غایت مذکورہ اور استلزام مذکور کا حکم محال ہوگا بلکہ یہ سب کچھ ہمارے ہی حال پر عنایت

فرمانے کے لیے اور ہمارے استکمال کے لیے ہوا وہ بھی بارادہ واختیار جیسا کہ مولانا رومی کا بھی ارشاد ہے ؎

من نہ کردم خلق تا سودے کنم   بلکہ تا بر بندگان جودے کنم

باقی ایک وقت تک عدم رہنا پھر وجود عطا ہونا اس کا حقیقی راز اور حکمت خدا ہی کو معلوم۔ اور کلمات مشہورہ جو اس کے خلاف کے موہم ہیں وہ بوجہ اس کے کہ مقال اہل حال ہے ماول ہوگا کیونکہ ہماری تحقیق مذکور قرآن و حدیث کا منطوق ہے اور محکم۔ خوب سمجھ لو۔ قال رح

من از آں حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم   کہ عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخا را

عصمت سے مراد خود داری جو اکثر زاہدان خشک میں ہوتی ہے جس کی وجہ واردات قلبیہ سے بے بہرہ ہوتا ہے اور جب کسی کامل کی توجہ اور تعلیم سے یعنی اُن واردات کا توارد ہوتا ہے بیچارہ کی ساری خود داری خاک میں مل جاتی ہے اس تقریر کے بعد مطلب ظاہر ہے کہ یوسف یعنی محبوب حقیقی کے حسن روز افزوں سے یعنی ان واردات سے جو سالک کے قلب پر علی سبیل التزائد متجلی ہوتے ہیں مجھ کو یقین ہوگیا تھا کہ ان کا اثر کہ عشق و معرفت ہے اس سالک کو اس کی قدیم خود داری کے دائرہ سے ضرور نکال دے گا چنانچہ انکسار و شکستگی کا ترتب اس پر مشاہد ہے۔ قال رح

حدیث از مطرب و می گو و راز دہر کمتر جو   کہ کس نکشود و نہ کشاید بحکمت ایں معمارا

اس میں اصلاح ہے اُن لوگوں کی جنہوں نے شب و روز اپنا بڑا شغل اور بڑا مقصود مسائل تصوف و اسرار حقیقت کی تحقیق کو بنا رکھا ہے اور جو اصل مقصود ہے ذکر و شغل اس میں کمی کرتے ہیں اُن کو غیر مقصود کی طرف التفات سے روک کر مقصود کی طرف کہ محبت و معرفت ہے اور جن اعمال سے محبت و معرفت پیدا ہوتی ہے ان کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ قال رح

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند   جوانان سعادتمند پند پیر دانا را

یہ شعر اوپر کے شعر سے متعلق ہے چونکہ اُس میں مسائل تصوف کی تحقیق سے منع کیا تھا اور اس کا غیر نافع بلکہ مضر ہونا مبتدی کی سمجھ میں آتا نہیں اس لیے شاید وہ اس کے ماننے میں پس و پیش کرتا لہٰذا نہایت شفقت سے اُس کو اس مضمون کے ساتھ خطاب کرتے ہیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا

ہے کہ مستقل نصیحت ہو کہ اگر مبتدی کی سمجھ میں آتا نہیں اس لیے شاید وہ اس کے ماننے میں پس و پیش کرتا لہٰذا نہایت شفقت سے اُس کو اس مضمون کے ساتھ خطاب کرتے ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مستقل نصیحت ہو کہ اگر مبتدی کی سمجھ میں مرشد کے کسی امر بالمباح کی حکمت نہ آوے تب بھی اطاعت کرنا چاہیے۔ قال رح

بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی — جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

اس میں تعلیم ہے مسترشد کی کہ اگر مرشد کبھی تلخ و درشت کہے تو اس میں اپنی اصلاح سمجھ کر بزبان حال اس کو اس شعر کا مخاطب قرار دے کہ دلگیر نہ ہو مولانا روم کا ارشاد ہے ؎

صبر کن در کارِ خضر ای بے نفاق — تا نگوید خضر رو ہذا فراق

اور جب مرشد کے ساتھ ایسا معاملہ رکھنا ضروری ہے تو اگر احیاناً محبوب حقیقی کی جانب سے کسی ایسے خطاب و عتاب کا انکشاف و القا ہو تو اس کو حکمت پر مبنی سمجھ کر مکدر و معطل نہ ہو۔ قال رح

غزل گفتی و در سفتی بیا و خوش بخوان حافظ — کہ بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را

چونکہ غزل مذکور میں بہت مفید مضامین ہیں اس لیے اس شعر میں اس غزل کی ثنا کرتے ہیں ترجمہ ظاہر ہے۔

غزل

دوش از مسجد سوی میخانہ آمد پیر ما — چیست یاران طریقت بعد ازین تدبیر ما

در خرابات مغاں ما نیز ہم منزل شویم — کاین چنیں رفت است در عہد ازل تدبیر ما

ما مریداں رو بسوی کعبہ چوں آریم چوں — رو بسوی خانۂ خمار دارد پیر ما

مطلب ظاہری ظاہر ہے۔ معنی معنوی یہ ہے کہ مسجد اور کعبہ سے مراد طریق کثرت عبادت۔ اور میخانہ اور خرابات مغاں اور خانہ خمار سے مراد طریق عشق محبت اور یہ دونوں طریق وصول الی اللہ کے مسلوک ہیں۔ ہر شخص کی جیسی استعداد ہوتی ہے اُسی طرح اُس کو تربیت کیا جاتا ہے۔ اور طریق محبت کے معنی یہ نہ سمجھے جاویں کہ اس میں عبادت نہیں ہوتی کہ یہ تو الحاد محض ہے بلکہ

کثرت عبادت نہیں ہوتی یعنی نوافل وغیرہ کا اہتمام زیادہ نہیں ہوتا پس وہ طریق بھی خلاف شرع نہیں ہے اور یہ تعیین طریق تربیت کی کبھی شیخ کی فراست سے ہوتی ہے اور کبھی غیبی طور پہ اُس پہ ویسے ہی واردات ہونے لگتے ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ابتدا ایک طریق سے ہوئی تھی اور تکمیل دوسرے طریق سے ہوتی ہے کبھی کامل کے حال میں بھی تبدل ہو جاتا ہے گو وہ تبدل مبتدی کا سا نہیں ہوتا جب یہ سب مقدمات سمجھ میں آ گئے اب مطلب اشعار کا سمجھنا چاہیے شعر اول سوال ہے دوسرا شعر جواب ہے تیسرا شعر اُس جواب کی دلیل ہے پس فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ کی حالت غیبی طور پر کچھ بدلی ہے کہ پہلے اُن پر طریق کثرت عبادت کا غلبہ تھا اب طریق عشق کا غلبہ ہو گیا گو جامعیت دونوں حالتوں میں باقی ہے۔ اب سوال کے طور پر کہتے ہیں کہ اس حالت میں ہمارے لیے کیا تدبیر مناسب ہے آیا اس تبدل سے شیخ دوسرے شیخ کو بدلنا چاہیے یا اُسی شیخ کا اتباع اس طریق میں کرنا چاہیے کیونکہ اس وقت تعلیم میں بھی اثر اسی کا غالب ہو گا پھر خود جواب میں تدبیر بتلاتے ہیں کہ ہم کو بھی شیخ کے ساتھ ہم منزل ہو جانا چاہیے یعنی اس طریق میں شیخ کا اتباع چاہیے کیونکہ ظاہرا ہماری تربیت اسی طرح مقدر ہے اس ظاہر کی دلیل یہ ہے کہ ایسے اسباب جمع ہو گئے کہ اسی شیخ سے ہمارا تعلق ہو گیا یہ علامت باہمی تناسب کی ہے جو مدار فیض وافادہ ہے جیسا حدیث میں ہے الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منہا ائتلف وما تناکر منہا اختلف آگے اس کی دلیل فرماتے ہیں کہ جب ہمارا شیخ ایک طریق پر ہے تو ہم دوسرے طریق پر کیسے ہو سکتے ہیں حاصل دلیل کا یہ ہوا کہ افادہ واستفادہ میں اتحاد مشرب شرط ہے اگر ہم نے دوسرا طریق اختیار کیا تو شرط فیض فوت ہو جاوے گی پھر فیض بھی نہ ہو گا اور یہ احتمال کہ دوسرے سے فیض ہو شعر ثانی میں قطع ہو چکا ہے کہ ظاہرا فیض اسی شیخ سے مقدر ہے اور چونکہ مبحث باب عملیات سے ہے عملیات میں خطابیات احتجاج کے لیے کافی ہیں اس واسطے اس تقریر پہ کوئی غبار نہیں۔ حاصل مقام کا یہ ہوا کہ جیسے بعض خام طبع ذرا ذرا سی بات میں کہ ان کے خلاف طبع ہو گو خلاف شرع نہ ہو پیر سے بدگمان اور منحرف ہو جاتے ہیں یہ دلیل حرمان کی ہے ایسے اسباب سے قطع تعلق کرنا نہ چاہیے بلکہ اُس کا اتباع و موافقت حد شرعی تک ضروری ہے کہ ممکن ہے اُس کے حال میں ترقی ہوئی ہو اور یہ تبدل اُس کا اثر ہو اور ممکن ہے کہ تمہاری تربیت اس تبدل سے وابستہ ہو کہ تمہارا تبدل مقصود ہو۔ واللہ اعلم۔

قال رح

عقل گر داند کہ دل در بند زلفش چوں خوش است　　　عاقلاں دیوانہ گردند از پئے زنجیر ما

یعنی گو طریق سلوک میں کیفیات عشقیہ مثل آہ و نالہ و فریاد و زاری و درد و غم کو دیکھ کر عقلا ظاہری سمجھتے ہوں گے کہ یہ لوگ بڑی مصیبت میں ہیں لیکن ہماری روحانی مسرت و نشاط کی اگر ان کو خبر ہو جاوے تو اُس زنجیر زلف و قید عشق کی طلب اور تمنا اور اشتیاق میں وہ خود دیوانوں کی طرح پھرنے لگیں اور خود بھی ان کیفیات کے جویاں و خواہاں ہو جاویں۔ مطلب یہ کہ محنت عشق پر ہزار راحت قربان ہیں۔ قال رح

روی خوبت آیتے از لطف بر ما کشف کرد　　　زاں سبب جز لطف و خوبی نیست در تفسیر ما

یہ شعر تجلی جمالی یعنی اُنس و رجا کے غلبہ کی حالت کا معلوم ہوتا ہے یعنی میری تفسیر و بیان میں جو رجا و رحمت کے مضامین میں زیادہ معلوم ہوتے ہیں اُس کی وجہ یہ ہے کہ محبوب کے روئے خوب یعنی تجلی جمالی نے لطف و رحمت کی صفت مجھ پر منکشف کر دی اس لیے جس کیفیت کا قلب پر غلبہ ہے زبان سے بھی اُس کا صدور ہوتا ہے۔ اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ ظاہری اقوال و احوال بھی جب کہ بے ساختہ صادر ہوتے معلوم ہوں علامت ہوتی ہے اُس شخص کی کیفیت باطنی کی پس پیر کی تلاش کرنے والے کو اس سے استمداد چاہیے۔ اور آیت و تفسیر کا جمع کرنا لطف شاعری ہے۔ قال رح

با دل سنگینت آیا ہیچ در گیرد شبے　　　آہ آتشبار و سوز نالۂ شبگیر ما

لفظ سنگین مجاز از صفت غنا و لفظی بے ادبی در غلبہ عشق عفو است۔ شبگیر آخر شب۔ لفظ آیا برائے تمنا۔ در گیرد مجاز از رحم آرد بدوں اعتبار انفعال۔ حاصل یہ کہ تمنا کرتے ہیں کہ ہماری مناجات سحری جس کا منشاء عشق ہے آپ کی صفت غنا کو ہمارے حال پر مصدر رحمت کر دے یعنی ہم پر رحمت فرمانے میں گو کوئی آپ کو حاجت نہیں ہے اور یہی معنی ہیں غنا کے مگر ہماری حاجت کی وجہ سے ہم پر رحمت فرمایئے۔ خلاصہ یہ کہ تمنائے رحمت کر رہے ہیں اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سالک اپنے مجاہدات و ریاضات پر نظر کر کے اپنے کو مستحق فیضان کا نہ سمجھے بلکہ انکسار و افتقار و تذلل و عرض حاجت کرتا رہے۔ تنبیہ بعضے کم فہم غنا کے معنی

بے التفاتی کے سمجھتے ہیں جو محض غلط ہے بلکہ اس کے معنی بے احتیاجی کے ہیں جو مقتضی ہے زیادت التفات و عنایت کو کیونکہ خلق جو التفات میں کمی کرتے ہیں تو بوجہ اس کے کہ بعض منافع کے محتاج ہوتے ہیں جس سے وہ منفعت حاصل ہوتی ہے اُس کی طرف التفات کرتے ہیں جس سے وہ منفعت حاصل نہیں ہوتی اُس کی طرف التفات نہیں کرتے پس عدم التفات کی علت احتیاج ہے اور یہ وہاں مفقود ہے پس التفات زیادہ متوقع ہے ہاں اگر عبد ہی کی طرف سے کوئی امر مانع ہو مثل کفر و شرک وغیرہ کے تو وہ اور بات ہے خوب سمجھ لو۔ قال رح

مرغ دل را صید جمعیت بدام افتادہ بود　　زلف بکشادی و باز از دست شد نخچیر ما

زلف کنایہ از صفت قابض بمناسبت آنکہ زلف پریشانی وارد و در حالت قبض ہم پریشانی رو دہد پس ہر دو را تعلقے است با پریشانی و نیز چنانچہ زلف ساتر رخ است ہمچناں قبض ساتر واردات جمالیہ است و در مجاز ہمیں قدر مناسبت کافی است۔ یعنی ہمارے قلب میں کیفیت سکون کی ہوگئی تھی مگر قابض کی تجلی سے قبض ہوا اور پھر آشفتگی اور پریشانی ہوگئی۔ اس میں تحقیق ہے تعاقب بسط و قبض کی اور تعلیم ہے کہ کسی حالت مرغوبہ پر عجب نہ کرے کہ ورود ضد سے ہر وقت زوال محتمل ہے۔ قال رح

باد بر زلف تو آمد شد جہان بر من سیاہ　　نیست از سودای زلفت بیش ازیں توفیر ما

باد سبب پریشانی زلف می باشد کنایہ از صفت ارادہ کہ سبب تعلق صفت قابض باشد باحوال قلبیہ سالک جہان سیاہ شدن پریشان شدن۔ توفیر زیادت و محاصل۔ سودا خیال عشق۔ مطلب یہ کہ آپ نے جب ارادہ فرمایا کہ میرے قلب پر کیفیت قبض کی وارد کر دیں تو اس کے ورود سے میری پریشانی بڑھ گئی جو کہ لازمۂ قبض ہے آگے کہتے ہیں کہ واقعی تجلی اسم قابض کا بھی فیض ہے اور لفظ سودا بڑھانے میں اشارہ ہے ایک تحقیق کی طرف وہ یہ کہ صفات الٰہیہ سب جمیل اور محبوب ہیں اور عاشق کو واجب ہے کہ ہر صفت کے فیض کو خواہ جمالی ہو یا جلالی ہو دل و جان سے قبول کرے اور اُس میں اپنی تربیت سمجھے پس قبض سے بھی دل گیر نہ ہو۔ اور سودا اور زلف میں لطف شاعری بھی ہے۔

قال رح

تیرآہ ما ز گردوں بگزرد جان عزیز
رحم کن بر جان خود پرہیز کن از تیر ما

اگر اس کا مخاطب ظاہر پرستوں کو کہا جاوے جو کہ عشاق کے حالات سے بے خبر ہوتے ہیں اور اُن کو ایذائیں پہنچاتے ہیں تب تو معنی بے تکلف ہیں کہ ہمارا تیر آہ کہ آہ مظلوم ہے آسمان سے گزر کر پایۂ سریر سلطانی تک پہنچتا ہے اور مقبول ہوتا ہے تو اے جان عزیز (یہ شفقۃً کہہ دیا) ہم کو ایذا مت پہنچاؤ اپنے اوپر رحم کرو اس صورت میں اس میں ارشاد ہوگا کہ غیر اہل حال پر انکار جو منجر بایذا ہو نہ چاہیے۔ اور اگر محبوب حقیقی کو منادی کہا جاوے تو مجازات بعیدہ کا تکلف کرنا پڑے گا اور مقصود کا ماحصل یہ ہوگا کہ چونکہ محبوب حقیقی نہایت رحیم ہے اُس کو اپنے بندہ کی پریشانی گوارا نہیں اس لیے عرض کرتے ہیں کہ ہم کو فراق سے نجات دیجیے ورنہ ہماری پریشانی سے آپ کو ایذا ہوگی۔ اس کے قریب استعمالات مجازیہ کتاب وسنت میں بھی وارد ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ یؤذون اللہ وفی الحدیث عن اللہ تعالیٰ ماترددت فی شئی ماترددت فی قبض نفس المؤمن هو یکرہ الموت وانا اکرہ مسائتہ یہ حدیث کا مضمون ہے لفظ اچھی طرح یاد نہیں لیکن تردد اور کراہت کے لفظ میں کوئی شک نہیں بعد تعیین محصل مقصود کے اب انطباق الفاظ شعر کا اس معنی پر کچھ دشوار نہیں۔ قال رح

بر در میخانہ خواہم گشت چوں حافظ مقیم
چوں خراباتی شدای یار طریقت پیر ما

چوں حافظ مانند حافظ۔ یہ مقطع ہم مضمون مطلع کا ہے۔ غزل۔ قال رح

شب از مطرب کہ دل خوش باد وی را
شنیدم نالۂ جان سوز نے را

چناں در جان من سوزش اثر کرد
کہ بے رقت ندیدم ہیچ شے را

حریفے بد مرا ساقی کہ ہر دم
ز زلف و رخ نمودی شمس و دی را

چو شوقم دید در ساغر مے افزود
بگفتم ساقی فرخندہ پے را

رہا یندی مرا از شر ہستی
چو بنمودی بیا پے جام مے را

حماک اللہ عن شر النوائب　　جزاک اللہ فی الدارین خیرا

چو بے خود گشت حافظ کے شمارد　　بیک جو ملکت کاؤس و کے را

مطرب کنایہ از شیخ و عارف - نالہ نے مضامین عشق - سوزش سوز او - حریف مصاحب وے بفتح دال مخفف[ع] دیجور نوائب حوادث - ملکت ملک - اس پوری غزل کے اشعار بطور قطعہ بند کے ہیں سب میں ایک ہی مضمون ہے یعنی اسرار عشقیہ و حقائق عرفانیہ کی تعلیم پانے پر مسرت اور شیخ تعلیم کنندہ کا شکریہ - خلاصہ یہ کہ شب گذشتہ میں نے شیخ سے کہ خدا تعالیٰ اُن کو خوش رکھے اسرار عشق سے جو کہ جانسوز تھے اُن مضامین کے سوز نے میرے اندر ایسا اثر کیا کہ کسی شے کو میں نے رقت سے خالی نہ پایا اس وجہ سے کہ اپنے اندر جو کیفیت ہوتی ہے اُس کا اثر ہر شے میں محسوس ہوا کرتا ہے اس توجیہ پر تو رقت صفت ہر شے کی ہوگی اور یہ توجیہ بھی ہوسکتی ہے کہ رقت صفت متکلم کی ہو اور معنی یہ ہوں گے کہ میں نے ہر شے کو اس طور پر دیکھا کہ اُس کو دیکھ کر مجھ کو رقت ہوتی تھی وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر شے نظر معرفت میں آئینہ جمال الٰہی ہے جب اسرار و معارف منکشف ہوتے ہیں تو ہر شے کو اُسی نظر سے دیکھتا ہے اور اس نظر کے لیے تاثر و رقت لازم ہے - آگے پھر شیخ کے بیان اسرار کا بیان ہے کہ ایسا ہمراہی اور رفیق میرا اتفاقی تھا یعنی ایسا شیخ اُن معارف کو بیان کر رہا تھا کہ واردات جلالیہ و جمالیہ کے بیان سے شمس اور دیجور کا نقشہ دکھلا رہا تھا یا یوں کہا جاوے کہ اُن واردات کو اپنے تصرف سے قلب پر افاضہ کر رہا تھا جب اُس نے میرا شوق دیکھا تو پیالہ میں شراب اور بڑھادی یعنی میرے قلب میں تعلیماً یا افاضۃً وہ اسرار و واردات اور القا فرمائے اُس وقت میں نے خوش ہو کر ساقی فرخندہ پے سے کہا کہ آپ نے مجھ کو ان اسرار کے افاضہ کی بدولت ہستی موہوم کے شرور و آفات سے یعنی آثار ظلمانیہ و کدورت

ع کذا قیل لیکن صاحب غیاث نے اسکی تغلیط کی ہے چنانچہ کہا ہے وانچہ لفظ وے را مخفف دیجور گویند و سند آں مصرع خواجہ حافظ آرند مصرع ز زلف و رخ نمودی شمس و دی را - خطا است چہ دیجور صفت شب واقع شود نہ آنکہ دیجور مطلق شب سیاہ را گویند و سبب ایں غلطی و نسخہ است و صحیح چنیں ست ع ز زلف و رخ نمودی شمس و فے را - فے بالفتح بمعنی سایہ دریں صورت مقابلہ شمس و فے و مشابہت زلف و رخ درست می شود - پس دی را مخفف دیجور فہمیدن[؟]

نفسانیہ سے چھڑا دیا جب کہ علی التواتر وہ اسرار مجھ پر افاضہ فرمائے پس اللہ تعالیٰ آپ کو تمام حوادث کے شر سے محفوظ رکھے اور دونوں جہان میں اس کی جزائے خیر دے اور جب میں اُن اسرار سے بے خود ہوگیا تو تمام سلاطین کے ملک و دولت کی ایک جَو کی برابر بھی میری آنکھ میں قدر نہ رہی چنانچہ ظاہر ہے کہ دولت باطنی کے سامنے دولت ظاہری لاشئی محض ہے

قال رح

غزل

صوفی بیا کہ آئینہ صاف است جام را — تا بنگری صفائے مئے لعل فام را

صوفی کا اطلاق کبھی صوفی حقیقی پر آتا ہے کبھی مدعی پر یہاں معنی ثانی مراد ہیں۔ اور جام سے مراد قلب اُس کو آئینہ سے تشبیہ دی باعتبار اخلاد کے مجاہدہ و ریاضت سے۔ اور مئے سرخ رنگ سے مراد عشق و محبت باعتبار سکر و بے خودی کے۔ مطلب یہ کہ اے مدعی تم اپنے کمالات پر کیا دعوے کرتے ہو ادھر طریق اہل صدق کی طرف آؤ اور صدق اختیار کرو کہ آئینہ قلب فی نفسہ صاف ہے صرف اوصاف ذمیمہ کا اُس پر حجاب پڑا ہے صدق کی برکت سے یہ اُٹھ جاوے گا پھر اُس وقت اس میں تجلیات ذات و صفات کی منعکس ہوکر محبوب حقیقی کی معرفت ہوگی اور معرفت سے محبت و عشق کا غلبہ ہوگا اُس وقت نور نسبت کا ادراک ہوگا حاصل شعر کا ترغیب دینا ہے تصفیہ و تزکیہ میں کہ ذریعہ وصول الی المحبوب ہے۔ قال رح

راز درون پردہ ز رندان مست پرس — کایں حال نیست صوفی عالی مقام را

یہاں بھی صوفی سے وہی معنی ثانی مراد ہیں جو شعر بالا میں مذکور ہوئے اور عالی مقام باعتبار شان و شوکت ظاہری کے کہا۔ مطلب یہ کہ اسرار حقیقت عشاق و تارکان تعلقات مستغرقان محبت سے دریافت کرنا چاہیے کہ مدعیوں پر احوال باطنی ہی طاری نہیں ہوئے تاکہ اُن سے قلب پر واردات حالیہ یا علمیہ فائض ہوتے۔ اس میں بھی مذمت ہے دعویٰ کی اور ترغیب ہے صدق و ترک ماسویٰ کی۔ قال رح۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چین — کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

باد بدست بیحاصل۔ عنقا کنایہ از ذات باعتبار اختفائے دائم۔ مطلب یہ کہ جس طرح عنقا کو کوئی

شکار نہیں کر سکتا بس دام پھیلانا اور کوشش کرنا لاحاصل ہے اسی طرح کنہ ذات بحت کو کوئی ادراک نہیں کر سکتا اس لیے فکر اور سوچ بے کار ہے اس میں سالک کو یہ تبلانا ہے کہ انکشاف ذات کی فکر میں پڑ کر پریشان نہ ہو اور اپنا وقت صرف نہ کرے پس اس شعر میں علم وعمل یعنی حقیقت و طریقت دونوں کی تعلیم ہے۔ قال رح

من آں زماں طمع ببریدم زعافیت　　کایں دل نہاد در کف عشقت زمام را

یعنی میں نے تو اُسی وقت عافیت سے اُمید قطع کر دی تھی جب کہ میرا دل تیرے عشق میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اس میں تعلیم ہے کہ عاشق حق کو عافیت اور بے فکری کی طلب عبث ہے جو حالت شدید سے شدید عشق میں پیش آوے اُس کو برداشت کرے۔ یہ مضمون اُن لوگوں کے یاد رکھنے کا ہے جو بعض احوال باطنی سے تنگ آکر دوسرے احوال مرغوبہ کی تمنا کیا کرتے ہیں ممکن ہے کہ یہ ناگوار حالت اُس گوارا حالت سے انفع ہو۔ قال رح

مارا بر آستاں تو بس حق خدمت است　　اےخواجہ باز بیں بترحم غلام را

ہرچند کہ شان محبوب کے لائق کسی سے بھی خدمت نہیں ہو سکتی مگر اپنی طاقت سے زیادہ جوش محبت و عشق میں اس کا صدور ہو جاتا ہے اور ثمرہ و کامیابی میں دیر ہونے سے ولولہ میں وہ طاعات زبان پر بھی آجاتی ہیں۔ یعنی مدت ہوئی طلب و خدمت میں سرگرم ہوں اب تو کامیاب فرما دیجیے یہ ایک حالت ہے جس میں عاشق معذور ہے اور اگر مقصود افتقار ہو تو ماجور ہے کقول یعقوب علیہ السلام انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ وکتوسل اھل الغار باعمالھم الصالحۃ فی الخروج عن الغار۔ قال رح

در عیش نقد کوش کہ چوں آبخور نماند　　آدم بہشت روضۂ دار السلام را

عیش نقد سے مراد اعمال و طاعات و مجاہدہ جس کو سر دست عمل میں لے آوے اور اگلے وقت پر نہ رکھے مطلب یہ کہ جو کچھ ذخیرہ آخرت جمع ہو سکے جمع کر لو اور نفس کی تسویلات و تسویفات میں مت رہو کہ کل کر لیں گے حتیٰ کہ عمر یوں ہی ختم ہو جاتی ہے بلکہ جو کچھ کرنا ہو فوراً کر لو کیونکہ جب آدم علیہ السلام کا حصہ جنت میں قیام کرنے کا علم الٰہی میں ختم

ہوگیا تو ان کو ایسے اسباب پیش آئے کہ بہشت چھوڑنا پڑی پس جب بہشت جو کہ فی نفسہ دار اقامت ہے اجل معین گزرنے پر چھوٹ گئی تو دنیا جو کہ دار الزوال ہے اس کو تو اجل موعود پر تم کو بدرجہ اولے چھوڑنا پڑے گا پھر کاہے کے بھروسے ٹال رہے ہو۔ قال رح

در بزم دور یک دو قدح درکش و برو   یعنی طمع مدار وصال دوام را

یہاں وصال سے مراد تجلی ذاتی ہے جس کے معنی اصطلاح میں یہ ہیں کہ ذات بحت کی طرف توجہ میں ایسا استغراق ہو کہ غیر ذات کی طرف اصلاً التفات نہ ہے اور ممکن ہے کہ مطلق تجلی مراد ہو عام تجلی ذات وصفات سے مگر وہی جس میں استغراق تام ہو۔ حاصل شعر کا یہ ہے کہ بعض سالکین ایسے بعض احوال کے طاری ہونے کے بعد اس کا دوام چاہتے ہیں اور عادۃ اللہ یہ ہے کہ اکثر اس کا دوام نہیں ہوتا اور اسی میں نفع بھی ہے کیونکہ حسب تنصیص ائمہ فن استغراق میں ترقی نہیں ہوتی کیونکہ ترقی ہوتی ہے عمل سے اور اس میں عمل نہیں ہوتا۔ دوسرے تعطل بھی ہو جاتا ہے اور مقصود زیادت طاعت ہے۔ تیسرے بدن کی تدبیر بھی مختل ہو جاتی ہے اور قوام بدنی کا اعتدال موقوف علیہ ہے طاعت کا ان حکمتوں سے یہ تجلیات دائم نہیں ہوتیں اس لیے فرماتے ہیں کہ جو کچھ احیاناً ان تجلیات سے مشرف ہو جاؤ غنیمت سمجھو اور پھر سلوک میں لگ جاؤ برو سے اسی طرف اشارہ ہے کیونکہ رفتن ترجمہ ہے سلوک کا۔ قال رح

ای دل شباب رفت و نچیدی گلے زعمر   پیرانہ سر مکن ہنر ننگ و نام را

یعنی جوانی کی عمر جو کہ مجاہدہ وریاضت کا وقت تھا گذر گئی اور افسوس ہے تو نے کوئی کام نہ کیا، اب بڑھاپا آیا تو علاوہ ضعف جسمانی وروحانی کے اب زیادہ ہوس رہتی ہے جاہ کی اور اسی کو ہنر سمجھتے ہیں خواہ جاہ دنیوی یا جاہ دینی جیسا اہل علم ظاہری کو پیش آتی ہے اور وہ جاہ بہت سے اعمال وقربات وطلب مقصود سے مانع ہوتی ہے اس لیے نصیحت کرتے ہیں کہ اس ننگ و نام کے ہنر کو پیشہ مت کرو کہ اب تو ہم خود صاحب شان یا صاحب کمال مشہور ہیں اب کیا کسی سے رجوع کریں یا مبتدیوں کے احوال واشغال کو کیا اختیار کریں یا خلو عن الکمال کا کیا اعتراف کریں کہ مشیخت میں خلل پڑتا ہے اللھم احفظنا بلکہ اس بڑھاپے کے حصہ میں جو کچھ ہو سکے اس میں دریغ نہ کرے پس مکن میں جعل بسیط ہے ایک ہی مفعول پر تمام ہو جاتا ہے یعنی لاتجعل الانفة یعنی لاتستنکف

واللہ اعلم - قال رح

حافظ مرید جام جم است ای صبا برو — وز بندہ بندگی برسان شیخ جام را

جام جم قلب پیر شیخ جام پیر یکہ اینچنین قلب دارد - ترجمہ تو ظاہر ہے شاید مقصود اس سے تنبیہ ہو حقوق شیخ پر کہ مرید کتنا ہی کامل ہو جاوے جیسے کہ حافظ شیرازی تھے مگر تب بھی شیخ کا ادب اور احترام اور اعتراف اُس کے دلی نعمت ہونے کا بلکہ حسب موقع اُس کا اظہار بھی کرتا رہے حتیٰ کہ اُس کی حالت غیبوبت میں بھی اُس کے حقوق میں تساہل و تغافل نہ کرے پس اس تقریر پر اس شعر میں تعلیم ہوگی آداب شیخ و حقوق صحبت کی واللہ اعلم - غزل - قال رح

رونق عہد شباب است دگر بستان را — میرسد مژدہ گل بلبلِ خوش الحان را

یہ شعر زمان بسط کا معلوم ہوتا ہے - کہتے ہیں کہ بستان یعنی قلب میں پھر عہد شباب یعنی زمانہ بسط کی رونق یعنی شگفتگی حاصل ہوئی ہے اور گل یعنی محبوب حقیقی کا مژدہ یعنی تجلیات جمالیہ بلبل خوش الحان یعنی عاشق پر وارد ہے - اور معنی ظاہری ظاہر ہیں -

اے صبا گر بجوانان چمن باز رسی — خدمت ما برسان سرو و گل و ریحان را

سرو و گل و ریحان سے مراد وہی جوانان چمن بطور وضع مظہر موضع مضمر کے مراد اس سے یاران طریقت مثل پیر بھائیوں کے - اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ صاحب طریقہ کو اپنے اصحاب و احباب کا خادم اور نیاز مند رہنا چاہیے کہ اس میں علاوہ ادائے حق و اختیار تواضع کے ان کی دعا و ہمت و تطییب قلب سے باطنی نفع بھی ہے -

اے کہ بر مہ کشی از عنبر سارا چوگان — مضطرب حال مگردان من سرگردان را

سارا بالف زائدہ بمعنی مثل یوں خاکسارا ای مثل عنبر - باسارہ بمعنی جا چوں نمک سارو بہ ہر دو تقدیر مراد زلف و چوگان ہم کنایہ از زلف بمناسبت امتداد و طول - وکلمہ از برائے بیان - یا عنبر سارا صفت و چوگان موصوف و مفعول کشی محذوف اے پردہ - و مہ مراد بدو رُخ مطلب یہ ہے کہ زلف عنبر سارا یعنی تجلی جلالی سے کہ اُس کے لوازم سے قبض ہے ماہ کو یعنی تجلی جمالی کو

مستور نہ کیجیے اور مجھ کو مضطرب حال نہ کیجیے ہر چند کہ تجلی جلالی بھی تجلی محبوب ہی ہے لیکن اُس کے عدم تحمل کے بیان سے اپنے ضعف کا اظہار ہے کہ افتقار و انکسار عین مطلوب ہے۔ قال رح

ترسم آں قوم کہ بر دردکشاں میخندند　　　　در سرِ کارِ خرابات کنند ایمان را

سر خیال ۔ کار خرابات ۔ مے نوشی ۔ مطلب یہ کہ جو ظاہر پرست مدعی زہد و تقویٰ عشاق پر ہنستے ہیں جو کہ شراب محبت سے بے خود ہیں اور اس وجہ سے بعض امور غلبہ عشق سے اُن سے ایسے سرزد ہو جاتے ہیں جو ظاہر پرستوں کی سمجھ میں نہیں آتے مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ اس تحقیر و استکبار کی نحوست سے یہ کسی ایسی حالت میں مبتلا نہ ہوں کہ سچ مچ ایمان و تقویٰ میں خلل انداز ہو مثلاً کسی مخلوق ہی کے ناجائز تعشق میں مبتلا ہو جاویں ۔ اس میں تعلیم ہے کہ کسی پر ہنسنا اور طعن کرنا نہ چاہیے ہاں اصلاح کے طریقہ سے اصلاح کرنا ضروری ہے۔ قال رح

یار مردان خدا باش کہ در کشتی نوح　　　　ہست خاکے کہ بآبے نخرد طوفان را

کشتی نوح طریقہ یا صحبت اہل حق تو اہل اللہ کی معیت و خدمت کو مت چھوڑ کیونکہ اہل اللہ کے طریقۂ علم و عمل یا صحبت میں ایسی قناعت و ترک ماسویٰ کی تعلیم اور تحصیل ہے کہ تمام جاہ و سلطنت کو ذرہ برابر بھی نہیں سمجھتے ۔ اس میں تعلیم ہے ترک ماسویٰ کی اور ایسے تارکین کے ساتھ لگے لپٹے رہنے کی پس اثبات ہے برکت صحبت کا بھی۔ قال رح

برو از خانہ گردون بدر و نان مطلب　　　　کایں سیہ کاسہ در آخر بکشد مہمان را

برو امراز رفتن ۔ بدر بمعنی بروں ۔ خانہ گردوں دنیا ۔ نان تعلقات ۔ سیہ کاسہ بخیل ۔ یعنی اس دنیا سے بے تعلق رہ اور تعلقات کا طالب مت ہو کیونکہ یہ گردوں یعنی اہل دنیا کہ زیر گردوں آباد ہیں آخر کار مہمان کو یعنی تجھ کو کہ مہمان چند روزہ ہے ہلاک کریں گے یعنی تعلقات دنیویہ سے کسی کو فلاح نہیں ہوتی بلکہ خسران و حرمان ہی ہاتھ آتا ہے ۔ قال رح

گر چنیں جلوہ کند مغبچۂ بادہ فروش　　　　خاک روبِ درِ میخانہ کنم مژگان را

مغ آتش پرست کنایہ از طالب نور حقیقی و گاہے کنایہ از پیر باشد مغبچہ بچۂ مغ مراد از خلیفہ

ارشاد کہ نائب پیر باشد یعنی اگر خلیفہ ارشاد کہ قاسم محبت ہے اسی طرح مظہر کمالات ہو تو میں پلکوں سے اُس کے در پر جھاڑو دوں۔ اس میں تعلیم ہے کہ خلیفہ ارشاد گو پیر بھائی ہو لیکن جب وہ بانابت شیخ افاضہ کرے تو اُس کو مخدوم سمجھنا چاہیے مساوات کا دعویٰ اور حسد موجب حرمان ہے۔ قال رح

نشوی واقف یک نکتہ ز اسرار وجود　　گر تو سرگشتہ شوی دائرہ امکان را

اگر وجود سے مراد وجود حقیقی واجب ہے جیسا کہ امکان کے مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے تب تو اسرار سے مراد کنہ اور حقیقت ہے یعنی اگر وجود ممکن کے کل حقائق کو بھی محیط ہو جاؤ تب بھی واجب کی حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی۔ اور اگر وجود سے مراد وجود ممکن ہو تو اسرار سے مراد حکمتیں ہیں یعنی اگر تمام عالم میں پھر جاؤ تب بھی حدوث اشیاء کی حکمتیں معلوم نہیں ہو سکتیں کہ یہ عالم کیوں پیدا ہوا دونوں تقدیروں پر اس میں تعلیم ہے کہ جو امور احاطہ ادراک میں کبھی نہ آ سکیں طالب حق کو چاہیے کہ اُس کے ادراک میں اپنا وقت صرف نہ کرے جیسا بہت لوگ اسی غلطی میں مبتلا ہیں۔ قال رح

ہر کرا خوابگہ آخر بدو مشت خاک است　　گو چہ حاجت کہ بہ افلاک کشد الوان را

ترجمہ ظاہر ہے اور مقصود تعلیم ہے ترک تعلقات و طول امل کی کہ لازمۂ طلب مقصود حقیقی ہے۔

قال رح

ماہ کنعانی من مسند مصر آں تو شد　　وقت آں است کہ بدرود کنی زنداں را

یعنی اے روح یا قلب کہ مشابہ یوسف علیہ السلام کے ہے مسند یعنی مقام عشق تجھ کو بفضلہ تعالیٰ میسر ہو گیا اب دنیا کو کہ سجن مومن ہے ترک کر دو۔ مقصود اس میں بھی ارشاد ہے ترک تعلقات دنیویہ کا۔ قال رح

در سر زلف نہ دانم کہ چہ سودا داری　　کہ بہم بر زدہ گیسوی مشک افشاں را

زلف کنایہ از عالم کثرت کہ ساتر وحدت است چناں کہ زلف ساتر رخ است چونکہ سالک

کو بعد عروج کے نزول اور بعد فنا کے بقا ہوتا ہے اور اُس کے لوازم سے ہے توجہ الی الخلق اگرچہ وہ للحق ہوتی ہے اس لیے بعنوان استفہام کہ مقصود اُس سے تقریر ہے کہتے ہیں کہ ندا جانے اس عالم کثرت کی طرف متوجہ کرنے میں کیا راز ہے کہ منتہی کو اس طرف متوجہ کیا جاتا ہے یعنی بڑا راز ہے اور وہ راز تربیت خلق ہے۔ اس مسئلہ کا حقائق میں سے ہونا تو ظاہر ہے اور فن سلوک کے اعتبار سے تعلیم ہے اس امر کی کہ اگر بعد بقا کے یہ حالت عطا ہو تو اس کو حاجب عن الحق نہ سمجھے کہ یہ بھی موجب قرب الی اللہ ہے۔ قال رح

ملک آزادگی و کنج قناعت گنجے است　　　که بشمشیر میسر نه شود سلطان را

ترجمہ ظاہر ہے اور مقصود تعلیم ہے قناعت کی کہ شرط طریق ہے۔ قال رح

حافظا می خور و رندی کن و خوش باش ولے　　　دام تزویر مکن چوں دگراں قرآن را

مے و رندی میرے نزدیک معنی ظاہری پر محمول ہیں کیونکہ لفظ ولے بمعنی ولیکن ان الفاظ کو معنی محمودہ کے ساتھ ماؤل کرنے سے آبی ہے چنانچہ ظاہر ہے اور مقصود اس سے اجازت و اباحت نہیں بلکہ مبالغہ ہے تزویر کی تقبیح میں جیسا ہمارے محاورہ میں کہا کرتے ہیں کہ زہر کھا لینا مگر فلانے شخص کے گھر کا کھانا مت کھانا یعنی وہ زہر سے بھی بدتر ہے پس اسی طرائق پر اس کا مطلب ہے کہ ظاہری گناہ کا کام کر لینا مگر دین کو ذریعہ تزویر مت کرنا یعنی یہ عمل سب معاصی سے بدتر ہے وجہ اُس کی ظاہر ہے کہ اور معاصی میں کسی کو خداع اور دینی ضرر نہیں پہنچتا بخلاف تزویر بالدین کے۔ غزل۔ قال رح

بملازمان سلطان که رساند ایں دعا را　　　که بشکر بادشاهی ز نظر مراں گدا را

چه قیامت است جاناں که بعاشقاں نمودی　　　رخ همچو ماه تاباں دل همچو سنگ خارا

ز رقیب دیو سیرت بخدا ئی پناهم　　　مگر آں شهاب ثاقب مددی کند خدا را

دل عالمی بسوزی چو عذار بر فروزی　　　تو ازیں چه سود داری که نمی کنی مدارا

مژۂ سیاہت ار کرد سوی خون ما اشارت　زفریب او بیندیش و غلط مکن نگارا

ہمہ شب دریں امیدم کہ نسیم صبحگاہی　بہ پیام آشنائے بنوازد آشنارا

بخدا کہ جرعۂ دہ تو بحافظ سحر خیز　کہ دعای صبحگاہی اثرے کند شمارا

ان اشعار میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بے تکلف مرشد کے خطاب پر ان کا انطباق ہو سکتا ہے محبوب حقیقی کو مخاطب بنانا بعض اشعار میں قریب ناممکن کے ہے ان سب کا حاصل مرشد سے توجہ کی درخواست کرنا ہے اور چونکہ سکر طالب میں مغلوب ہیں اس لیے بعض الفاظ موہم سوء ادب صادر ہو گئے ہیں چونکہ بعض اوقات طالب کو اپنی حالت کی کمی اور خرابی کے ساتھ یہ گمان ہوتا ہے کہ مرشد کی توجہ و ہمت کی کمی اس کا سبب ہے اور بعض اوقات اس خیال میں کسی قدر صحت بھی ہوتی ہے اس لیے بلسان طالب فرماتے ہیں کہ بادشاہ طریقت یعنی مرشد کی خدمت میں کوئی شخص یہ التماس پہنچا دے کہ خدا تعالےٰ نے آپ کو شان ارشاد عطا کی ہے اس کا شکریہ ہے کہ مسترشدین کو اپنی نظر توجہ سے دور نہ کیجیے بلکہ اُن کے حال پر ہمیشہ توجہ مبذول رکھیے کہ اُن کو نفع کامل ہو۔ اور یہ کیا غضب کی بات ہے کہ جو آپ نے طالبوں کے ساتھ برتاؤ کر رکھا ہے کہ کمالات تو ماشاء اللہ ایسے کچھ مگر قلب میں ایسا استغنا کہ طالبین کی طرف کم توجہی فرمائی جاتی ہے یہ تو شان ارشاد کا مقتضا نہیں ہے میں دشمن شیطان خصلت سے یعنی نفس امارہ سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں یعنی اُس کے شر سے ترساں و لرزاں ہوں کیا عجب ہے کہ نظر مرشد کہ مثل شہاب ثاقب کے دفعیہ شر نفسانی میں ہے کچھ خدا واسطے سمجھ کر امداد فرمائے جس وقت آپ کے کمالات کا ظہور ہوتا ہے تو ایک عالم کے قلب میں اضطراب طلب پیدا ہو جاتا ہے پھر جو آپ اُنکی دلجوئی اور اُن کی طرف توجہ نہیں فرماتے اور وہ یوں ہی تڑپ کر رہ جاتے ہیں اس سے کیا فائدہ بلکہ آپ کے منصب ارشاد کا مقتضا یہ ہے کہ ان کے حال پر توجہ فرماویں اور اگر آپ کی مژگان سیاہ یعنی صفت استغناء نے ہمارے خون یعنی ہمارے ساتھ سختی و بے توجہی کرنے کا اشارہ کیا ہے تو اس کے مقتضا پر عمل نہ کیجیے کبھی اس باب میں غلطی نہ ہو جاوے غلطی یہی کہ توجہ ضروری کو غیر ضروری سمجھ لیا جاوے میں تمام شب یعنی تمام اوقات انقباض میں اس کا منتظر رہتا ہوں کہ شاید اُدھر سے کچھ لطف و عنایت ہو جاوے کہ میرا کام بن جاوے سو خدا کے

واسطے آپ اپنی توجہ کا کچھ حصہ حافظ سحر خیز کو دے دیں کہ شاید اُس کی دعا سے آپ کو اور زیادہ نفع ہو جاوے کیونکہ اصاغر کی دعا سے بھی اکابر کی ترقی ہوتی ہے۔ غزل ۔ قال رح

صبا بلطف بگو آں غزال رعنا را | کہ سر بکوہ و بیابان تو دادۂ مارا
شکر فروش کہ عمرش دراز باد چرا | تفقدی نہ کند طوطی شکر خارا
غرور حسن اجازت مگر ندادای گل | کہ پرسشے نہ کنی عندلیب شیدا را
بحسن خلق تواں کرد صید اہل نظر | بہ بند و دام نگیرند مرغ دانا را
چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی | بیاد آر حریفان بادہ پیما را
نہ دانم از چہ سبب رنگ آشنائی نیست | سہی قدانِ سیہ چشم ماہ سیما را
جز ایں قدر نتواں گفت در جمال تو عیب | کہ خال مہر و وفا نیست روی زیبا را
در آسماں چہ عجب گر ز گفتۂ حافظ | سماع زہرہ برقص آورد مسیحا را

اس غزل کا حاصل بھی بعینہٖ مثل غزل سابق کے معلوم ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اے پیغام رساں نرمی و عاجزی سے میرے مرشد سے جو کہ غزال رعنا کی طرح مجھ سے نفور ہیں یوں کہنا کہ آپ نے تمام کوہ و بیابان میں مجھ کو پریشان کر رکھا ہے یعنی بے توجہی سے مجھ کو محرومی ہے اور اُس سے میں پریشان ہوں اور معلوم نہیں کیا بات ہے کہ یہ مرشد کہ شیریں ادائی اور تقسیم فیوض کی قابلیت میں شکر فروش کے مشابہ ہیں طالبین کی خبر گیری کیوں نہیں کرتے جو کہ مشابہ طوطی طالب شکر یعنی فیوض کے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ناز کمال اس کا باعث ہو گیا ہے کہ عشاق کی بات نہیں پوچھتے سو ایسا مناسب نہیں بلکہ خوش اخلاقی و عنایت ضروری ہے کہ طالبین اس سے مائل ہوں گے اور اُن کے مستفید ہونے سے آپ کو بھی ثواب ہوگا اور یہ لوگ دوسرے اسباب سے مثل لذات و تمتعات مقید نہیں ہوتے اور اے مرشد جب آپ حق تعالےٰ کے قرب اور اختصاص سے خاص طور پر مشرف ہوں یعنی آپ کی توجہ اور دعا کا وقت ہو تو طالبین کو بھی یاد فرما لیا کیجیے، یعنی جس طرح ہمت کی آپ سے درخواست ہے اُسی طرح دعا کی بھی کہ یہ اُس سے زیادہ نافع ہے اور

معلوم نہیں کہ ان اہل کمال کو جو کہ مجمع فضائل ہوتے ہیں بے توجہی کی عادت کیوں ہو جاتی ہے۔ آپ میں ماشاء اللہ تعالےٰ ساری خوبیاں ہیں مگر اتنی کسر ہے کہ توجہ و عنایت جیسی ہونا چاہیے وہ نہیں ہے۔ آگے مقطع کا شاعرانہ مضمون ہے جو ترجمہ سے ظاہر ہے۔ ف توجیہ الفاظ موہمہ سوء ادب کی غزل سابق کی تمہید میں مذکور ہو چکی۔ غزل۔ قال رح

ساقیا برخیز و در دہ جام را　　خاک بر سر کن غم ایام را

یعنی اے مرشد مجھ کو جام عشق الٰہی دے دیجیے جس سے دنیوی غم و اندیشہ کے سر پہ خاک ڈال دوں۔ قال رح

ساغر می بر کفم نہ تا ز سر　　بر کشم ایں دلق ازرق فام را

ازرق بتقدیم زای معجمہ بر رای مہملہ کبود مراد ہستی مستعار۔ یعنی شراب محبت مجھ کو دے دیجیے تاکہ ان تعلقات فانیہ کو برطرف کر دوں۔ قال رح

گرچہ بدنامی است نزد عاقلاں　　ما نمی خواہیم ننگ و نام را

یعنی اگرچہ عاشقی موجب بدنامی ہے کیونکہ جاہ و وضع داری بھی اُس میں برباد ہو جاتی ہے عقلاء میں جو اہل دنیا ہیں اُن کے نزدیک تو بدنامی کا یہ سبب ہے اور اُن میں جو اہل دین ہیں اور درد دل سے نا آشنا ہیں اُن کے نزدیک وجہ یہ ہے کہ بعض امور غلبہ عشق میں ایسے صادر ہو جاتے ہیں جو ظاہر اقواعد شرعیہ پر بلا تاویل منطبق نہیں ہوتے وہ اس لیے برا بھلا کہتے ہیں لیکن ہم کو ننگ و نام نہ چاہیے رضائے الٰہی کافی ہے۔ قال رح

بادہ در دہ چند ازیں باد غرور　　خاک بر سر نفس نافرجام را

عامل در قول او چند ازیں باد غرور مقدر یعنی سخن رانم۔ مطلب یہ کہ اس باد غرور یعنی دعویٰ ہستی و تعلقات فانیہ کا کہاں تک چرچا کرتا رہوں اور کب تک اس میں مبتلا رہوں مجھ کو شراب محبت دے دیجیے کہ یہ سب رخصت ہوا اور گو نفس پر یہ شاق ہے مگر اس نفس نافرجام کی ایسی تیسی۔ قال رح

دودِ آہ سینۂ سوزانِ من سوخت ایں افسردگانِ خام را

اس میں عشق کی تاثیر بتلاتے ہیں کہ میرے سینہ سے جو آہ سوزاں نکلی اُس کا یہ اثر ہوا کہ جو لوگ عشق سے مناسبت نہ رکھتے تھے اُن میں بھی سوزش اور شورش پیدا ہو گئی۔ قال رح

محرم رازِ دلِ شیدای من کس نمی بینم ز خاص و عام را

یعنی چونکہ دنیا میں عشاق کم ہیں اور بدون عشاق کے عاشق کا حال کوئی سمجھ نہیں سکتا اس لیے میں کسی شخص کو اپنا محرم اور راز فہم نہیں دیکھتا۔ قال رح

با دلارامی مرا خاطر خوش است کز دلم یکبارہ برد ارام را

اس میں بیان ہے قوت عشق محبوب حقیقی کا اور ترجمہ ظاہر ہے۔ قال رح

ننگرد دیگر بسرو اندر چمن ہر کہ دید آں سروِ سیم اندام را

اس میں بیان ہے محبوب حقیقی کے احسن و اجمل و اکمل ہونے کا کہ اُس کے مشاہدہ کے بعد پھر محبوبانِ مجازی کی طرف التفات نہیں رہتا۔ قال رح

از سرِ دنیا گذشتی غم مخور خوش بخور ہم خوش بدار ایام را

اس میں تعلیم شکر ہے تعلقاتِ دنیا سے دل سرد ہو جانے پر کہ منجملہ آثار قبول ذکر و ثمرات رضائے حق کے ہے کہ اب انشاء اللہ تعالٰے کامیابی کی زیادہ امید ہے۔ قال رح

صبر کن حافظ بسختی روز و شب عاقبت روزے بیابی کام را

اس میں تعلیم ہے صعوبات مجاہدہ کی برداشت کی۔ ترجمہ ظاہر ہے۔ غزلے۔ قال رح

ما برفتیم تو دانی و دلِ غم خورِ ما بخت بد تا بکجا می برد آبشخور ما

معلوم ہوتا ہے کسی اتفاق سے ان میں اور مرشد میں مفارقت ہوئی ہے خواہ ان کو سفر

پیش آیا ہو یا مرشد کو یا دونوں کو چنانچہ بعض اشعار اول احتمال پہ دال ہیں بعض ثانی پر اور دونوں کا مجموعہ ثالث پر۔ آبشخور بمعنی قسمت وحصہ۔ مطلب ظاہر ہے کہ ہم جدا ہوتے ہیں آپ کو میرے دل غمزدہ کا حال معلوم ہے دیکھیے مرا طالع واژگون اس جدائی کے سلسلہ کو کہاں تک امتداد دیتا ہے۔ قال رحمہ

از نثار مژہ چوں زلف شود دُر گیرم قاصدے گر زتو سلامی برساند بر ما

نثار مژہ اشک ومیم مضاف الیہ مژہ۔ و در گیر بمعنی پر گوہر۔ یعنی اگر کوئی قاصد آپ کی طرف سے اس حالت مفارقت میں کچھ سلام و پیغام لاوے تو اس قدر اشک نثار کروں اور اس کے سامنے آپ کی یاد اور محبت میں روؤں کہ وہ پر گوہر ہو جاوے جس طرح آپ کی زلف پر گوہر ہے۔ اکثر محبوبوں کی عادت ہے کہ زلف میں موتی پروتے ہیں اور اشک کو اکثر شعرا گوہر سے تشبیہ دیتے ہیں۔ قال رحمہ

بدعا آمدہ ام ہم بدعا دست بر آر کہ وفا با تو قرین باد و خدا یا ور ما

یعنی رخصت کے وقت میں بھی دعا کرتا ہوا حاضر ہوا ہوں آپ بھی دعا فرمائیے کہ آپ کی توجہ و عنایت ہمیشہ میرے حال پر رہے اور خدا تعالیٰ ہمارا یاور رہے یاوری سے یہی مراد ہے کہ مرشد کی عنایت ہمیشہ ہمارے حال پر مبذول رکھے چونکہ طالب زیادہ محتاج ہوتا ہے اس لیے دعا میں اپنی ہی تخصیص کی۔ قال رحمہ۔

گر ہمہ خلق جہاں بر من و تو حیف خورند بکشد از ہمہ انصاف ستم داور ما

حیف خورند زشک برند۔ یعنی اگر حساد آپ کی اور میری صحبت کو ناگوار سمجھیں تو ہمارا حاکم حقیقی اس ظلم کا انصاف کرے گا۔ غالباً اس میں تعریض ہے حاسد پیر بھائیوں کی طرف یا دنیا دار نادان دوستوں کی طرف جو سمجھا کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ کے پاس آنے جانے سے ہمارا عزیز دنیا سے جاتا رہا۔ قال رحمہ

بسرت گر ہمہ عالم بسرم بخروشند نتواں برد ہوائے تو برون از سر ما

بسرت قسم بسر تو۔ مطلب ظاہر ہے کہ گو خلقت مجھ کو ملامت کیا کرے مگر آپ کی محبت ہرگز زائل نہیں ہو سکتی۔ قال رح

فلک آوارہ بہر سو کندم میدانی　　زشک می آیدش از صحبت جان پرور ما

اس میں تاسف ہے ایسے اتفاقات کے پیش آجانے پر کہ مرشد کی صحبت نصیب نہیں ہوتی باقی اس کی نسبت کرنا فلک کی طرف اور اس کو رشک سے تعبیر کرنا یہ شاعرانہ طرز ہے اصل مقصود تاسف، مذکور ہے۔ قال رح

دردمندیم خبر میدہد از سوز دروں　　دہن خشک و لب تشنہ و چشم تر ما

اس میں مقصود اظہار ہے اپنی دردمندی کا کہ لازمہ غلبۂ عشق ہے۔ ترجمہ ظاہر ہے۔ قال رح

ما ز وصف رخ زیبای تو نادم زدہ ایم　　ورق گل خجل است از ورق دفتر ما

اس میں مقصود وصف ہے محبوب کے جمال و کمال کا بطور کنایہ کے جس کی تقریر ظاہر ہے۔ قال رح

زود باشد کہ بیاید بسلامت یارم　　اے خوش آنروز کہ آید بسلامت بر ما

برِ ما بمعنی نزد ما۔ اس میں تسلی دیتے ہیں اپنے دل کو کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ زمانہ مفارقت کا جلدی مبدل بہ وصل ہو گا دوسرے مصرع میں اس کی تمنا ہے اور ترجمہ ظاہر ہے۔ قال رح

ہر کہ گوید کہ کجا رفت خدا را حافظ　　گو بزاری سفرے کرد و برفت از بر ما

اس میں اظہار ہے اپنے رنج اور زاری کا وقت مفارقت کے بعنوان خاص۔ یعنی اے مرشد اگر آپ سے کوئی پوچھے کہ خدا واسطے بتلا دیجیے کہ حافظ کہاں گیا تو آپ کہہ دیجیے کہ گریہ و زاری کرتا ہوا ہمارے پاس سے سفر میں گیا۔ ف غالباً ایسے مضامین سے تنبیہ مقصود ہو طالبین کو کہ مفارقت شیخ کو امر ناگوار سمجھنا چاہیے اور بے ضرورت اس سے جدا نہ ہونا چاہیے۔ واللہ اعلم۔ غزل۔ قال رح

لطف باشد گر نپوشی از گدا ہاروئے را　　تا بکام دل نہ بیند دیدہ ماروت را

روت را در ہر دو مصرعہ بمعنی روی ترا و دریں ایہام ست باسم ہاروت و ماروت۔ اس میں تمنا ہے مشاہدہ دائمہ کی کہ جب تک ہم جی بھر کر آپ کی تجلی کا مشاہدہ نہ کرلیں کیا خوب ہو کہ وہ مستتر نہ ہو اور جی بھرنا باقتضاے عشق ممتنع پس تمنائے دوام مشاہدہ اس سے حاصل ہوگئی۔ قال رح

ہمچو ہاروتیم دائم در بلائے عشق زار کاشکے ہرگز نہ دیدے دیدۂ ماروت را

ہاروت در مصرعہ اول بمعنی متعارف۔ و ماروت در مصرعہ دوم بمعنی مرکب از ضمیر جمع متکلم و روی مضاف بضمیر خطاب و تشبیہ در ابتلائے عشق بہ ہاروت بنا بر مشہور۔ ترجمہ ظاہر ہے البتہ بظاہر یہ اشکال ہے کہ عاشق ہو کر اس تمنا کے کیا معنی کہ کاش ہیں محبوب کو نہ دیکھتا۔ حل اس کا یہ ہے کہ ایسا دیکھنا جس کے بعد استتار و فراق ہو گیا ملزوم ہے اور غم و پریشانی لازم ہے پس یہاں ملزوم سے مقصود لازم ہے اور اس کی تمنا میں کچھ مضائقہ نہیں۔ قال رح

کے شدی ہاروت در چاہ زنخدانش اسیر گر نگفتے شمہ از حسن او ماروت را

ہاروت و ماروت در ہر دو مصرعہ بمعنی متبادر و ضمیر شین الخ واو در حسن او راجع بسوئے زہرہ بقرینہ مقام و را در ماروت را منفصل بلفظ شمہ یعنی اگر ماروت شمہ را از حسن زہرہ بہ ہاروت نگفتے الخ و ایں ہم مبنی است بر قصہ مشہور کہ بعضے گویند کہ اول ماروت آنرا دیدہ بہ ہاروت گفت مطلب ظاہر ہے غالباً مقصود اس سے یہ تبلانا ہے کہ عشق حقیقی کا سلسلہ چلنے میں مرشد کے بیان معارف کو بھی بڑا دخل ہے کہ مسترشد سن سن کر معرفت حاصل کرتا ہے اور معرفت سے محبت بڑھتی ہے جیسا مولوی جامی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد بسا کین دولت از گفتار خیزد

قال رح

بوی گل بر خاست گوئی در چمن ہاروت بود بلبلان مستند گوئی دیدہ چوں ماروت را

تا در ہاروت و ماروت برائے خطاب و گوئی در ہر دو مصرعہ بمعنی گویا۔ مطلب یہ کہ یہ جو پھول کی خوشبو پھیل رہی ہے معلوم ہوتا ہے وہاں آپ کے جمال کا ظہور ہوگا اور یہ خوشبو اُس کا اثر ہوگا۔ اور اس پھول پر جو بلبل مست ہو رہی ہیں معلوم ہوتا ہے ہماری طرح انھوں نے

آپ کا جمال دیکھ لیا ہے۔ مطلب یہ کہ عالم میں جہاں کہیں حسن و جمال ہے آپ ہی کے حسن و جمال کا ظہور ہے اور جہاں کہیں عشق و محبت ہے وہ آپ ہی کے ساتھ واقع میں متعلق ہے گو خود اُس عاشق کو جہل کی وجہ سے اس کا ادراک نہ ہو۔ اس میں تحقیق ہے مسئلہ مظہریت خلق وظاہریت حق کی جس کو بندہ نے کلید مثنوی میں چند جا لکھا ہے طویل الذیل ہونے کی وجہ سے یہاں گنجائش نہیں اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں جس مخلوق پر کوئی کسی وصف کمال درحقیقت کمال حق تعالےٰ کا ہے پس اصل محبوب حق تعالیٰ ہوا جیسے دیوار پر تابش آفتاب دیکھ کر کوئی عاشق ہو جاوے تو واقع میں وہ دھوپ کا عاشق ہے مگر جاہل ہے اور اس لیے مورد ملامت بھی ہے۔ قال رح

میکنم جور و جفا ہایت ز ہجراں ای صنم　　روی بنما تا بہ بیند حافظ ما روت را

چوں بت را عابداں او بقدر وسع بالبسہ واقمصہ وحلیہا می آرایند لہٰذا بر محبوب اطلاق او عادت شدہ است و روت ای روی تو۔ و حافظ ما وضع مظہر موضع مضمر ای تا بہ بینم۔ ترجمہ ظاہر ہے کہ تمنا ہے توارد تجلیات جمالیہ کی بعد صعوبات قبض و مجاہدات شاقہ کے۔ غزل سے۔ قال رح سے

تا جمالت عاشقاں را زد بوصل خود صلا　　جان و دل افتادہ اند از زلف و خالت در بلا

زلف و خال مراد از حسن۔ مطلب یہ ہے کہ جب سے عشاق کو بذریعہ انبیاء و اولیاء کے آپ کے وصل و قرب کا ممکن الحصول ہونا معلوم ہوا ہے تو اس امید میں مشغول طلب ہوئے ہیں اور طرح طرح کے صعوبات کو گوارا کر رہے ہیں۔ شاید اس میں یہ تبلانا ہو کہ عاشق کو صعوبات سے گھبرانا نہ چاہیے کہ اس کا ثمرہ اخیر دولت قرب ہے۔ قال رح

انچہ جان عاشقاں از دست ہجرت میکشد　　کس ندیدہ در جہان جز کشتگان کربلا

اس میں بیان کرنا مقصود ہے شدائد عشق و ہجران کا کہ عبارت ہے قبض سے جو عادۃً لوازم اکثریہ عشق سے ہے شاید مقصود اس سے بھی پہلے سے تبلا دینا ہو طالب کو تاکہ وقوع کے وقت بددل اور کم ہمت نہ ہو۔ قال رح

ترک ما گر میکند رندی و مستی جان من — ترک مستوری و زہدت کرد باید اولا

ترک در مصرعہ اوّل بفتم تا مراد معشوق و در مصرعہ ثانی بفتح تا بمعنی گذاشتن و جان من منادی خطاب بنفس خود یا بمسترشد و رندی و مستی مراد غالب کردن آثار عشق ۔ و مستوری و زہد مراد وضع داری و تحفظ از ملازمت ۔ مطلب یہ کہ اگر محبوب حقیقی کی جانب سے ایسے واردات عشقیہ کا غلبہ ہو جس سے ظاہرداری منہدم اور وضع داری منعدم ہوتی ہو تو اس میں پس و پیش نہ کرے کہ خلق ملامت کرے گی یا ریاکار کہے گی بلکہ اُن آثار کے تابع ہو جانا چاہیے بلا سے کوئی بُرا بھلا کہے ۔ حاصل یہ کہ شرع کا پاس ضروری ہے وضع کا ضروری نہیں ۔ قال رحمہ

بزم عیش و موسم شادی و ہنگام طرب — پنج روز ایام عشرت را غنیمت دان دلا

اس میں طالب کو تضیع اوقات ۔ سے منع کرنا مقصود ہے یعنی مجمع صلحاء و ذاکرین اور اوقات ذکر وطاعت اور زمانۂ جوانی و قوت کو کہ یہ چند روزہ عمر تک میسر ہے غنیمت سمجھو اور کچھ ذخیرہ جمع کر لو ۔ قال رحمہ

حافظا گر پای بوس شاہ دستت میدہد — یافتی در ہر دو عالم زینت عز و علا

مقصود اس سے تہوین و تسہیل ہے امر مجاہدہ کی یعنی مجاہدات ۔ سے مت گھبراؤ کیونکہ اگر اس سے قرب محبوب حقیقی کا میسر ہو گیا جیسا کہ غالب امید بلکہ وعدہ واثقہ ہے تو تم کو تمام تر عزت و علو اور سب کچھ دولت میسر ہو گئی یہ ویسا مضمون ہے جیسا کسی نے کہا ہے ع متاع جان جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے ۔ واللہ اعلم ۔ تمام شد ردیف الف ۔

ردیف الباء

غزل

می دہد صبح کلمہ بستہ سحاب — الصبوح الصبوح یا اصحاب

میچکد ژالہ بر رخ لالہ ، المدام المدام یا احباب

می وزد از چمن نسیم بہشت خوش بنوشید دائماً می ناب

تخت زریں زدست گل بچمن راح چوں لعل آتشیں دریاب

کلہ پردہ تنک کہ جہت دفع مگس وپشہ وغیرہ کشند۔ صبوح شراب صبح۔ مدام وراح بمعنی شراب۔ ژالہ مراد شبنم۔ وسحاب فاعل بستہ ای سحاب کلہ را بستہ وکشیدہ است۔ وراح مفعول دریاب۔ ان اشعار میں صبح اور سحاب اور ژالہ اور لالہ وغیرہا مفردات کو جدا جدا امور باطنیہ پر منطبق کرنا جیسا عام شراح نے کیا ہے تکلف محض ہے بلکہ سہل یہ ہے کہ کہا جاوے کہ چونکہ عادۃً ایسے وقتوں میں شراب پیا کرتے ہیں کہ صبح کا وقت ہو ابر ہو رہا ہو پھولوں پر شبنم کے قطروں کا ترشح ہوا ہو پھول شگفتہ ہوں اس لیے یہ مجموعہ کنایہ ہے شراب پینے کے موقع اور وقت سے۔ حاصل یہ ہوا کہ اب شراب پینے کا موقع ہے خوب شراب پیو۔ مطلب معنوی یہ کہ عمر ہے۔ مہلت ہے۔ فراغت ہے ذکر وطاعت ومعرفت کو غنیمت سمجھو جیسا حدیث میں ہے۔ اغتنم خمسا قبل خمس۔ صحتك قبل سقمك۔ وحياتك قبل موتك وفراغك قبل شغلك۔ وشبابك قبل هرمك الخ اوكما قال والله اعلم۔

لب و دندان تو حقوق نمک داشت بر جان وسینہای کباب

مدلول ظاہری تو یہ ہے کہ کباب کی گردن پر محبوب کے لب و دندان اپنا حق نمک رکھتے ہیں یعنی کباب میں جو چاشنی اور لذت ہے وہ محبوب کے لب و دندان کی چاشنی و لذت سے مستفاد ہے اور مدلول معنوی یہ ہے کہ جس ممکن میں جو صفت دلکشی و دلربائی کی موجب ہے وہ محبوب حقیقی کے افاضہ اور افادہ کی بدولت ہے پس طالب حقیقت کو چاہیے کہ اُس کو اپنا قبلۂ توجہ بناوے ما و شما میں دل نہ پھنساوے۔

در میخانہ بستہ اند دگر افتتح یا مفتح الابواب

میخانہ سے مراد عالم فیض۔ یعنی پھر قبض ہوگیا۔ ہے بسط عنایت کیجیے گو قبض اور بسط عارف کے

نزدیک یکساں ہے لیکن بعض اوقات طلب بسط میں اظہار عبدیت و افتقار و احتیاج و ضعف ہے اور یہ خود بھی اعلیٰ مطالب سے ہے اور ایک دقیق کمال ہے اور بعض نسخوں میں دگر کی جگہ مگر۔ ہے خواہ تحقیق کے لیے یا بمعنی شاید کیونکہ قبض کبھی محقق ہوتا ہے کبھی مشتبہ ہوتا ہے۔

در چنیں موسمے عجب نہ بود　　　کہ بہ بندند میکدہ بشتاب

اور بعض نسخوں میں ہے۔ عجب باشد۔ پس نسخہ اولے پر بہتر ہے کہ میکدہ سے مراد محل ذکر و طاعت لیا جاوے اور یہ شعر علت ہو گی اشعار چہار گانہ ابتدائی غزل کی۔ یعنی میں اس لیے ذکر و طاعت کی ترغیب دیتا ہوں کہ کہیں اس کا محل (کہ عمر دنیا ہے) مسدود اور ختم نہ ہو جاوے پھر دار الجزا میں عمل معتبر نہیں۔ اور نسخہ ثانیہ پر میکدہ سے عالم فیض مراد لیا جاوے جیسا کہ اس سے اوپر کے شعر میں میخانہ سے یہی مراد تھا۔ یعنی ایسے موسم میں کہ انبساط مطلوب ہو فیوض واردات کا بند ہونا تعجب کی بات ہے اور اس تعجب کی یہ وجہ نہیں کہ یہ امر نامناسب ہے کیونکہ عارف تو اس کو نامناسب ہرگز نہیں سمجھتا بلکہ عقاید صحیحہ میں سے یہی امر ہے کہ ایسے حوادث و بلیات موجب رحمت ہیں بلکہ مقصود تعجب سے تاسف طبعی یا بنا بر اظہار افتقار ہے جس کی شرح اوپر ہوئی ہے۔ چونکہ یہ قبض خلاف توقع ہوا اور تعجب خلاف مزعوم امر پر ہوتا ہے اس لیے اس تاسف کو تعجب سے تعبیر کر دیا گیا واللہ اعلم۔

زاہدا مے بنوش رندانہ　　　فاتقوا اللہ یا اولی الالباب

رندی سے مراد مطلق بے تکلفی تصنعات سے نہ کہ آزادی حدود شرعیہ سے۔ یعنی ذکر و طاعت میں ریا و تصنع مت کرو کہ حابط عمل ہے اور اس بارہ میں خدا سے ڈرو کہ مقتضائے عقل ہے۔

گر نشان ز آب زندگی جوئی　　　مئے نوشین بخور ببانگ رباب

بانگ رباب سے چونکہ حرکت اور رغبت ہوتی ہے شراب پینے کی طرف۔ مراد اس سے

محرکات ذکر و طاعت ہیں یعنی تعلیم انبیاء و اولیاء کی۔ مطلب یہ کہ اگر حیات ابدیہ مطلوب ہو تو حسب ارشاد ہمارے دیان طریق ذکر و طاعت اختیار کرو جیسا دوسری جگہ کہا ہے ؎

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

چوں سکندر حیات اگر طلبی — لب لعل نگار را دریاب

لب لعل نگار سے مراد بھی ذکر محبوب ہے اس کا مطلب بھی مثل شعر بالا کے ہے۔

بر رخ ساقی پری پیکر — موسم گل بنوش بادۂ ناب

عادت ہے کہ محبوب کے جمال کو دیکھتے جاتے ہیں اور مستی میں شراب پیتے جاتے ہیں۔ حاصل یہ کہ ذکر و طاعت میں محض ظاہری اقوال و افعال پر اقتصار مت کرو بلکہ حضور قلب و اقبال علی اللہ کے ساتھ کرو جیسا حدیث میں ہے ان تعبد اللہ کانک تراہ اور حدیث میں ہے من صلی رکعتین مقبلا بقلبہ علیہا اور قرآن میں ہے فی صلاتہم خاشعون۔

حافظا غم مخور کہ شاہد بخت — عاقبت بر کشد ز چہرہ نقاب

اس میں تسلی ہے سالک کی کہ مجاہدات و ریاضات یا اور واردات شاقہ سے اور حصول ثمرات مطلوبہ میں توقف ہونے سے دلگیر اور مایوس نہ ہونا چاہیے حسب وعدۂ صادقہ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا ضرور واصل الی المطلوب ہوگا جیسا دوسری جگہ کہا ہے ؎

عاقبت روزی بیابی کام را

غزل

گفتم ای سلطان خوباں رحم کن بر ایں غریب — گفت در دنبال دل رہ گم کند مسکین غریب

گفتمش بگذر زمانے گفت معذورم بدار — خانہ پرور دے چہ تاب آرد غم چندیں غریب

خفتہ بر سنجاب شاہی نازنینے را چہ غم ۔۔۔ گر ز خار و خارہ سازد بستر و بالین غریب
ایکہ در زنجیر زلفت جای چندین آشناست ۔۔۔ خوش فتاد آں خال مشکیں بر رخ رنگیں غریب
بس غریب افتادہ است آں مور خط گرد رخت ۔۔۔ گرچہ نبود در نگارستان خط مشکیں غریب
مینماید عکس مے در رنگ روئے مہوشت ۔۔۔ ہمچو برگ ارغوان بر صفحۂ نسرین غریب
گفتم ای شام غریباں طرۂ شبرنگ تو ۔۔۔ در سحرگاہان حذر کن چوں بنالد ایں غریب
باز گفتم ماہ من آں عارض گلگوں مپوش ۔۔۔ ورنہ خواہی ساخت ما را خستہ و مسکیں غریب
گفت حافظ آشنایان در مقام حیرت اند ۔۔۔ دور نبود گر نشیند خستہ و مسکیں غریب

غریب در شعر چہارم و پنجم و ششم بمعنی عجیب و زیبا و خوش ۔ مور خط موی سیاہ و خورد مثل مور چنانچہ سعدی گفتہ است ؎

سوال کردم و گفتم جمال روئے ترا ۔۔۔ چہ شد کہ مورچہ بر گرد ماہ جوشیدہ است

اس مجموعہ غزل میں بیان ہے مخاطبات و معاملات کا درمیان مسترشد مغلوب الحال و مرشد ہادی طریق و صاحب کمال کے ۔ جاننا چاہیے کہ طالب حریص بوجہ صاحب غرض ہونے کے مثل مجنون کے ہوتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ مدار فیض کا مرشد کی توجہ پر ہے کہ تعلیم و ہمت و دعا سب اسی توجہ کے فروع ہیں اور بعض اوقات اپنے زعم میں مسترشد اپنے کسی حال میں کمی پاتا ہے تو اس کو وہم ہوتا ہے مرشد کی کم توجہی کا جس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ اولاً مرشد پر ہجوم ہوتا ہے مسترشدین کا اب وہ ایک ہی کو کس طرح لے کر بیٹھ جاوے ۔ پھر احوال و واردات کے باب میں اس کو پوری بصیرت و خبرت ہوتی ہے جانتا ہے کہ اختلاف استعداد کی وجہ سے بعض ثمرات میں ضعف یا توقف بھی ہوتا ہے بعض تغیرات عادۃً لازمہ طریق ہوتے ہیں اور مسترشد ان امور میں محض ناتجربہ کار ہوتا ہے ادنیٰ ادنیٰ تبدل اور تخیل سے وہ پریشان ہو جاتا ہے اور مرشد اس کو معمولی بات سمجھتا ہے اس لیے وہ بقدر ضرورت توجہ کو کافی سمجھتا ہے ۔ اور مسترشد توجہ میں غلو کا

طالب ہوتا ہے اور مرشد پر بوجہ اس کے کہ وہ متبوع ہے اتباع رائے مسترشد کا واجب نہیں ہوتا ایسے وقت میں طبعًا مسترشد تنگ ہوتا ہے اور مرشد کی بے توجہی کے اُس کو وساوس آتے ہیں بس اس غزل میں اُن وساوس کو اور مرشد کے تمکین و معاملہ و عدم غلو فی التوجہ کو بصورت مقاولات بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نے رحم کی درخواست کی تو جواب ملا کہ اپنے دل کے کہنے سے یعنی اپنے قصد و اختیار سے تو گم گشتہ اور سرگشتہ ہوا ہے یعنی سلوک قصداً اختیار کیا ہے تو سلوک میں تو ایسی گم گشتگی اور تحیر لازم ہے پھر اتنا شور و غل کاہے کے واسطے۔ یہ شعر اول ہوا۔ میں نے درخواست کی کہ میرے پاس کو تو کسی وقت گذرنا چاہیے یعنی زیادہ معمول سے۔ جواب ملا کہ میں اس سے معذور ہوں کیونکہ صدہا طالب ہیں میں تنہا دکہ خود خانۂ پرورد و لطیف المزاج ہوں) سب کی برداشت ہر ایک کی مرضی کے موافق کیسے کر سکتا ہوں یہ دوسرا شعر ہوا۔ اور صاحب تمکین صاحب تلوین کی پریشانی سے متاثر نہیں ہوا کرتا۔ یہ تیسرا شعر ہوا۔ اور آپ خلائق کے مرجع ہیں آپ کے کمالات میں یہ بے توجہی و استغنا کا حال بھی بہت ہی خوشنما ہے کیونکہ مرشد محبوب ہوتا ہے اور محبوب کی ہر ادا اچھی معلوم ہوتی ہے گو محب کو اُس سے تکلیف ہی کیوں نہ ہو۔ یہ چوتھا شعر ہوا۔ اور گو نگارستان کمالات میں یہ بے توجہی کی صفت فی نفسہٖ محمود نہیں کیونکہ کمال تو توجہ کرنا حال طالب پر ہے لیکن آپ کے رخ زیبائے کمالات کے ساتھ یہ خط سیاہ بے توجہی کا خوشنما معلوم ہوتا ہے بالوجہ الذی ذکر۔ یہ شعر پنجم ہوا۔ اور آپ کے چہرہ پر آثار محبت و معرفت الٰہیہ کے نمودار ہیں جس طرح صفحہ نسرین پر برگ سرخ خوشنما معلوم ہوتا ہے یعنی آپ صاحب کمال ضرور ہیں گو مجھ کو بے توجہی کی شکایت ہے۔ یہ شعر ششم ہوا میں نے عرض کیا کہ آپ کی زلف شبرنگ شام غریباں ہے یعنی جس وقت زلف کو رُخ پر لٹکا کر رُخ کو چھپا لیتے ہیں غریبوں کی نظر میں عالم تاریک ہو جاتا ہے مثل شام کے حاصل یہ کہ آپ کی بے توجہی سے رنج اور پریشانی ہوتی ہے جب غریب سحرگاہ میں نالہ کیا کرے یعنی اپنا غم ظاہر کرے تو نالہ سے حذر کیا کیجیے یعنی استغنا کی مضرت سے اندیشہ کر کے توجہ کیا کیجیے یہ شعر ہفتم ہوا۔ پھر میں نے مکرر درخواست کی کہ آپ مجھ سے توجہ کو منعطف نہ کیجیے ورنہ پھر ہم کو آپ مبتلائے غم کر دیں گے۔ یہ شعر ہشتم ہوا۔ مرشد نے جواب دیا کہ اے حافظ خود آشنا یعنی عارفین اپنے حال کے مناسب مقام تحیر میں ہیں اور وصل و قرب تام

میسر نہیں تو پھر خستہ و مسکین (کہ نا آشنا) ہے اگر غمزدہ ہوا بیٹھا رہے تو مستبعد نہیں۔
یہ شعر مقطع کا ہوا۔ اور مسترشد کی جانب سے جو خطابات موہمہ سوء ادب ہیں غلبہ حال اُس کا عذر ہے۔ فقط۔ غزل۔ قال رح

آفتاب از روی او شد در حجاب سایہ را باشد حجاب از آفتاب

یعنی جب محبوب حقیقی کی تجلیات سالک کے قلب پر مستولی ہوتی ہیں تو یہ محبوبان مجازی کہ مثل آفتاب کے حسین و جمیل ہیں اُس کے قلب سے غائب و محجوب ہو جاتے ہیں اور مصرعہ ثانیہ تمثیل ہے کہ جس طرح آفتاب کے سامنے سایہ غائب ہو جاتا ہے۔ اس میں ایک وارد کی تحقیق بھی ہے اور ترغیب بھی ہے کہ تعلقات ماسوی اللہ کو محو کرنا چاہو تو معرفت اور تعلق محبوب حقیقی کا حاصل کرو کہ ایک طریقہ سلوک کا یہ بھی ہے جس میں وصل مقدم ہے فصل پر۔ اور ایک دوسرا طریقہ بھی مشہور ہے جس میں فصل یعنی قطع تعلقات ماسوی اللہ مقدم ہے وصل یعنی تعلق باللہ پر جس سالک کو جیسی مناسبت ہو اُس کے لیے وہی نافع ہوتا ہے۔ قال رح۔

دست ماہ و مہر بر بندد بحسن ماہ بے مہرم چو بر بندد نقاب

ماہ و مہر مصرع اول میں بمعنی ماہتاب و آفتاب کنایہ از محبوبان مجازی۔ و ماہ در مصرع دوم کنایہ از محبوب حقیقی و بے مہری کنایہ از استغناء ذاتی و در اختیار ایں عنوان رعایت تجنیس است و چوں مصرع اولی بنا بر جزا ء بودن رتبۃً موخر است مرجع بند دور آں ماہ بے مہر تواں شد۔ مطلب اس کا بھی مثل شعر اول کے ہے کہ محبوب حقیقی سب محبوبان مجازی کو اپنی تجلی سے عاجز اور مغلوب کر دیتا ہے۔ قال رح

از خیالم باز نہ شناسد کسے گہ در آغوشش بہ بینم شب بخواب

اس میں اشارہ ہے محویت سالک کی طرف وقت غلبہ تجلی کے۔ حاصل یہ کہ اگر میں اُس کو کسی شب کو خواب میں اپنی آغوش میں دیکھ لوں۔ چونکہ غلبہ تجلی کی حالت مشابہ منام کے ہوتی ہے اس لیے اُس کو شب سے تشبیہ دے دی۔ اور آغوش کنایہ ہے قرب سے یعنی

اگر ایسی حالت ہو جاوے تو میں ایسا محو ہو جاؤں کہ مجھ میں اور خیال میں تمائز باقی نہ رہے - یہ محمول ہے مبالغہ پر - اور خواب و خیال کے اجتماع میں جو صنعۃ اور لطافت ہے ظاہر ہے قال رح

شاہدان مستور و مستان بے شکیب　　　خانقہ معمور و درویشان خراب

شاہدان تجلیات محبوب حقیقی - مستان عاشقان و مجاذیب - درویشان سالکان و عارفان - خانقہ عبادت خانہ زاہدان - مطلب یہ کہ محبوب حقیقی کی محبت کا مختلف رنگوں میں سب ہی جگہ اثر پہنچا ہے کیونکہ وہ تو مع اپنی تجلیات کے مستور ہے اور سب ہیں اُس کے طالب پس اُن طالبوں میں جو مشرب عشق رکھتے ہیں وہ تو طلب میں بے صبر ہیں جو کہ لوازم عشق سے ہے اور جو سالک و عارف ہیں کہ کسی قدر انکشاف مطلوب کا اُن کو ہوا ہے وہ اُس کے اثر سے خراب یعنی فناء و محو ہو چکے ہیں - اور جو زاہد ہیں کثرت عبادت کے طریقہ سے وصول چاہتے ہیں اور اُن پر عشق کا غلبہ نہیں وہ عبادت خانوں میں مشغول طاعات ہو رہے ہیں اور عبادت خانے اُن سے آباد ہو رہے ہیں - اور مستوری اور مستی میں اور معموری اور خرابی میں جو صنعت تقابل ہے ظاہر ہے - اس میں محبوب حقیقی کے وصول کے طرق کے تکثر اور طالبین کے اقسام کی تعداد کی طرف بھی مجملاً اشارہ ہے جیسا کہا گیا ہے طرق الوصول الی اللہ بعدد انفاس الخلائق - اور اس پر بھی متفرع ہوتا ہے کہ جب تک کسی طالب حق کی حالت کا حدِ شرعی کے اندر رکھنا تاویل سے ممکن ہو خروج کا حکم نہ لگا دینا چاہیے - قال رح

خون دل در جام دیدم از سرشک　　　آبرو بر باد دادم از شراب

از سرشک بیان است مر خون دل را - و مراد از شراب عشق - اسمیں بیان ہے بعض آثار عشق کا یعنی آنسوؤں سے جو خون دل نکلا جام میں شراب کو دیکھنا گویا اُس کو دیکھنا ہے دونوں سرخ و ارغوانی ہیں اور شراب محبت ایسی پی کر اُس سے ننگ و ناموس سب جاتا رہا - اس میں من وجہ یہ بھی اشارہ ہے کہ عاشق کو ایسے حال میں تحمل چاہیے کہ یہ حال لوازم عشق سے ہے - قال رح

از برائے بادہ مے باید زدن　　　محتسب را حد بیحد و حساب

مے شراب عشق - ومحتسب ظاہر پرست وکلام محمول است بر مطائبہ - یعنی محتسب جو کہ ترک مے نوشی کی غرض سے حد لگا رہا ہے لوگوں کو چاہیے کہ اس کو مے نوشی کی غرض سے بے حساب حد لگا دیں یعنی اہل ظاہر طریق عشق سے کیا منع کرتے ہیں خود اُن ہی کے لیے اس طریق میں لانے کی کوشش مناسب ہے - حد اور بے حد میں صنعت تقابل ظاہر ہے - قال رح

سوز مستان گر بداند محتسب ؎ در دم از می نشان زند بر آتش آب

اس کا مضمون مثل تتمہ شعر سابق کے ہے یعنی اہل ظاہر جو مانع طریق عشق سے ہیں وجہ یہ ہے کہ وہ سوز عشاق سے بے خبر ہیں ورنہ اگر اُن کو اس کی خبر ہو جاوے تو فی الفور ان کی آتش پر جو پانی چھڑکیں وہ بھی شراب ہی ہو یعنی اگر اُن کے سوز کی حقیقت سے آگاہ ہوں تو بجائے اس کے کہ اس کا علاج منع عن العشق کو کہتے ہیں خود عشق ہی سے اُس کا علاج تجویز کریں کیونکہ عشق میں سوز ہوتا ہے فراق محبوب سے اور فراق کا علاج وصل ہے اور وہ وصل چونکہ بوجہ غیر متناہی ہونے کمالات محبوب کے منتہی وصالات کا نہیں ہے اس لیے خود اُس وصل کے لیے عشق اس کے اوپر کے درجہ وصل کا لازم ہے اس لیے وصل کے علاج ہونے کو عشق کے علاج ہونے .... سے تعبیر کر دیا پس شعر بالا میں محتسب کے منع عن العشق کے اثر کا بیان تھا اور اس میں منع مذکورہ کے موثر اور علت یعنی بے خبری کا بیان ہے - در دم بمعنی فی الفور - از می بیان مقدم آب - قال رح

حافظا وعظ و نصیحت گو مکن ؎ ترک ترکان خطا نبود صواب

اس میں بھی تعریض ہے محتسب پر یعنی اُس محتسب سے کہہ دو کہ تم نصیحت مت کرو کیونکہ شہر خطا کے ترکوں یعنی محبوبوں کو ترک کرنا (مطلب یہ کہ طریق عشق سے تجلیات محبوب حقیقی کا طالب نہ ہونا) قرین صواب نہیں ہے کیونکہ استعداد طالبین کی مختلف ہے پھر کیسے ترک کر دیا جاوے - ترک بالفتح اور ترک بالضم اور خطا اور صواب میں جو صنعتیں ہیں ظاہر ہیں - قال رح

غزل

تعالی اللہ چہ دولت دارم امشب — کہ آمد ناگہاں دلدارم امشب

چو دیدم روی خوبش سجدہ کردم — بحمد اللہ نکو کہ دارم امشب

نہال عیشم از وصلش بر آورد — ز بخت خویش برخوردارم امشب

کشد نقش انا الحق بر زمین خون — چو منصور ار کشی بردارم امشب

برات لیلۃ القدرے بدستم — رسید از طالع بیدارم امشب

بر آں عزمم کہ گر خود می رود سر — کہ سرپوش از طبق بردارم امشب

تو صاحب نعمتی من مستحقم — زکوٰۃ حسن دہ حق دارم امشب

ہمی ترسم کہ حافظ محو گردد — ازیں شورے کہ در سر دارم امشب

یہ غزل حالت بسط کی معلوم ہوتی ہے اسی لیے اس میں بعض مضامین شکر بشین معجمہ کے اور بعض مضامین سکر بسین مہملہ کے اور بعض مضامین طلب مزید و احتیاج اور بعضے ابتہاج کے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ اللہ اکبر آج مجھ کو کیا دولت حاصل ہے کہ دفعتہً قبض رفع ہو کر تجلی بسط کی ہوگئی اور جب مجھ کو اس تجلی کا مشاہدہ ہوا تو میں نے سجدہ شکر ادا کیا اور بفضلہ تعالیٰ اچھا کام کیا کیونکہ شکر خود محبوب کو مطلوب ہے۔ اور میرے نہال زندگی کو اُس کے وصل کا ثمر لگا پس بر بمعنی ثمر و از وصلش بیان مقدم اُو آج اپنے نصیب سے میں خوب فیضیاب ہو رہا ہوں اور آج تو مجھ کو وہ جوش ہے کہ مجھ کو محبوب حقیقی منصور کی طرح قتل بھی کردے تو میرا ہر قطرہ خون نقش انا الحق بنانے لگے جیسا منصور کا قصہ اسی طرح مشہور ہے اور آج طالع بیدار سے مجھ کو ایسی چیز ملی جو مایہ مسرت ہونے میں مشابہ ہے برات لیلۃ القدری کے۔ برات وہ پروانہ ہے جس میں کوئی شاہی حکم جاگیر یا انعام وغیرہ کا لکھا جاوے شب قدر کی طرف اس لیے نسبت کی جاتی ہے کہ اس میں کتابت اقدار وارد ہے اور وہ مکتوب برات ہے۔ اور مجھ کو وہ جوش نشاط ہے کہ اگر سر بھی

جاتا رہے کچھ پروا نہیں پکا ارادہ کر لیا ہے کہ آج طبق اسرار کا سرپوش اٹھائے دیتا ہوں۔ اور اے محبوب حقیقی آپ مالک نعمت ہیں اور میں مستحق نعمت ہوں یعنی باستحقاق فضل پس آج مجھ کو حق دار ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ حسن دے دیجیے یعنی خوب انکشاف تجلیات فرمائیے۔ پھر مقطع میں ہے کہ اگر یہی جوشش وخروش رہا تو خدا خیر کرے مجھ کو اندیشہ ہے کہ کہیں فنا و استہلاک نہ ہو جاوے خواہ عقل وحواس کا یا نفس و روح کا جس کا حاصل جنون ہے یا موت کیونکہ وارد کے قوی اور مورد کے ضعیف ہونے کا یہی انجام ہے۔

غزل

صبح دولت میدہد کو جام ہمچوں آفتاب — فرصتے بہ زیں کجا باشد بدہ جام شراب

خانہ بے تشویش وساقی یار مطرب بذلہ گو — موسم عیش است و دور ساغر و عہد شباب

شاہد و ساقی بدست افشاں و مطرب پائے کوب — غمزۂ ساقی ز چشم می پرستاں بردہ خواب

خلوت خاص است و جائے امن و نزہتگاہ انس — اینکہ می بینم بہ بیداری است یا رب یا بخواب

یہ اشعار بھی حالت بسط کے معلوم ہوتے ہیں اور مقصود ان سے بھی طلب مزید اور شکر علی الحاصل ہے۔ یعنی اس وقت استعداد وصل ترقی پر ہے اور دولت وصل کی قوت قریبہ حاصل ہے جیسے صبح نور بخش وسرور افزا قریب ہوتی ہے سو ایسے میں محبوب حقیقی سے عرض ہے کہ وہ جام نورانی فیوض وتجلیات کا عطا فرما دیجیے اس سے بہتر اور کیا موقع ہوگا کیونکہ بحمد اللہ استعداد کے سب شرائط مجتمع ہیں چنانچہ عالم میں کوئی مزاحم نہیں جس کی مزاحمت مؤثر ہو اور معطی فیوض خود محبوب حقیقی اور شیوخ کاملین تعلیم کنندہ اور وقت بھی بسط اور عیش کا جس میں شوق ترقی پر ہوتا ہے اور دور تقسیم ساغر کا کہ ایسے وقت فیوض کی قابلیت خوب ہوتی ہے اور عہد شباب اور ہمت وعزم کا اور شاہد وساقی کہ معنون واحد کے دو عنوان ہیں وہ محرک شوق ہے اور مطرب یعنی مرشد کامل اس شوق کا معین ہے اور جو مشاہدہ اس بسط میں ہو چکا ہے جو مشابہ غمزہ کے ہے وہ غفلت اور سستی زائل کر چکا ہے اور دل تعلق اغیار سے خالی ہے مثل خلوت خاص کے اور امن کا مقام ہے کہ اس وقت کسی کا خوف بھی قلب پر مستولی نہیں۔ اور جو وحشت قبض میں تھی جس سے

بعض اوقات بعض سالکوں کو بعض کام مشکل ہو جاتے ہیں وہ بھی مبدل بہ اُنس ہے اور یہ اجتماع غایت عجیب ہونے کے سبب محل حیرت ہے جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ بیداری میں ہے یا خواب میں پس ایسے میں خوب مشاہدات و فیوض عطا فرما دیجیے۔ قال رح

از خیال لطف می مشاطۂ چالاک طبع　　در ضمیر برگ گل خوش میکند پنہاں گلاب

اول اس کا حل لفظی کہ کسی قدر صعب ہے قابل تحقیق ہے۔ قاعدہ ہے کہ شراب کو لطیف کرنے کے لیے اُس میں خوش عیش لوگ گلاب ملا کر پیتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ گلاب باطن برگ گل میں بالقوہ مضمر ہوتی ہے اور یہ بھی طبعیات کا مسئلہ ہے کہ نباتات اور اسی طرح حیوانات کے آثار اور قوٹے کا صدور اس نبات یا حیوان کی قوت طبیعیہ سے باذن خالقہا ہوتا ہے ان امور سہ گانہ کے محقق ہو جانے کے بعد ترجمہ سننا چاہیے یعنی شراب کی لطافت بڑھانے کے خیال اور غرض سے قوت طبیعیہ نباتیہ نے (کہ مشابہ مشاطہ چالاک کے ہے جس کا کام ہوتا ہے عروس کو لطیف بنانا) باطن برگ گل میں کیسی اچھی طرح گلاب کو مخفی کیا ہے کہ اس سے یہ گلاب نکلے گا اور پھر شراب میں ملے گا اور شراب کی لطافت بڑھ جاوے گی۔ اب حل معنوی سمجھنا چاہیے وہ اس طرح ہے کہ جیسے شراب ظاہری کہ سرمایہ نشاط نفسانی کے مجموعہ کا جزو اعظم ہے محتاج ہے لطف بخشی میں ایسی چیز کی جو صاحب نشاط کے اختیار سے خارج ہے یعنی فاعل طبعی اسی طرح شراب باطنی و مجموعہ سامان استعداد حصول فیوض جو اوپر مذکور ہیں موقوف ہیں اس پر کہ فاعل حقیقی اُن کو جمع کر دے۔ مطلب یہ کہ بسط میں سالک مغرور نہ ہو جاوے جیسا کہ بعض اوقات بسط میں عجب ہو جاتا ہے یہ تمام ترسرمایہ واہب حقیقی کا جمع کیا ہوا ہے پس احتیاج اُسی کی طرف رکھے اور اُسی سے استدعا کرے جیسے ہم اوپر کر چکے ہیں۔ بدہ جام شراب۔ اور اس اجتماع کو اپنی کسی طاعت کا ثمرہ یا اپنے کو اس کا مستحق نہ سمجھے بلکہ اپنے کو محض ناقابل سمجھے جیسا ہم سمجھ رہے ہیں۔ جو اس مصرع سے ظاہر ہو رہا ہے۔ اینکہ می بینم بہ بیداری است یارب یا بخواب۔ کیونکہ اپنے کو مستحق اور قابل جاننے والا اس طرح استبعاد و تحیر سے نہیں پوچھتا۔ اور یہ تقریر حل معنوی کی خود حضرت حافظ رح کے ایک ارشاد سے مفہوم ہوئی جو بعض شروح میں اُن سے اسی شعر کے معنی میں منقول ہے۔ تاکہ مطلوب طالب را

بخود نخواند طالب بمطلوب رسیدن نتواند - قال رح

از پے تفریح طبع و زیور حسن و طرب
خوش بود ترکیب زریں جام بالعل مذاب

زیور بمعنی آرائش اطلاقاللسبب علی المسبب - زریں جام موصوف وصفت مراد قلب کہ کاسہ شراب محبت بود مذاب گداختہ مراد شراب کہ در سرخی بالعل تشبیہش دادہ کہ گداختہ شدہ باشد - اس میں بھی مثل اشعار بالا کے طلب ہے مزید مشاہدہ و عرفان کی یعنی تفریح طبع و حسن طرب کی آراستگی کے واسطے بہت مناسب ہے کہ قلب اور مزید محبت و معرفت میں اقتران کر دیا جاوے - قال رح

تا شد آں مہ مشتری دُر ہای حافظ را گوش
میرسد ہر دم بگوش زہرہ گلبانگ رباب

چونکہ غزل کے اشعار متضمن ہیں مضامین حسنہ کو اس لیے مدح کے طور پر کہتے ہیں کہ جب سے حافظ کا سلام محبوب حقیقی کے نزدیک مقبول ہوا ہے (المتضمنہ الشکر والدعاء) جب سے ملکوت اعلی میں اُس کا غلغلہ پڑ گیا ہے جیسا ایک حدیث میں ہے کہ عبد مقبول کی مقبولیت ملائکہ میں مشتہر کر دی جاتی ہے - اور ماہ مشتری اور زہرہ کے اجتماع میں جو صنعت ہے مخفی نہیں - قال رح

غزل

ز باغ وصل تو یابد ریاض رضوان آب
ز تاب ہجر تو دارد شرار دوزخ تاب

چو چشم من ہمہ شب جویبار باغ بہشت
خیال نرگس مست تو بیند اندر خواب

بحسن عارض قد تو بردہ اند پناہ
بہشت و طوبی طوبی لہم وحسن مآب

بہار شرح جمال تو دادہ در ہر فصل
بہشت ذکر جمیل تو کردہ در ہر باب

ان چاروں شعر میں محبوب حقیقی کا کمالات کے ساتھ بالذات و بالاصالۃ متصف ہونا اور جمیع ممکنات کا اُس میں محتاج و مفتقر ہونا مذکور ہے جس کو مسئلہ عینیت و مظہریت سے بھی تعبیر کیا کرتے ہیں - یعنی ریاض جنت کو خود اپنی تازگی میں آپ کے انتساب کی احتیاج ہے

اور شرار دوزخ میں جو یہ حرارت ہے وہ ایک منظر آپ کے ہجر و غضب کا ہے اسی طرح خود جوئبار باغ بہشت شب بھر یعنی ہر وقت آپ کے نرگس مست کے خیال میں رہتی ہے جس طرح میری آنکھیں شب کے وقت خواب میں آپ کے نرگس مست کے خیال کو دیکھتی رہتی ہیں شب اور بخواب چشم کی رعایت سے لے آئے اور جوئبار میں بعینہ ان کا تحقق ضروری نہیں محض ناولا ان کا اعتبار کافی ہے اور اکثر جوئبار کے اطراف میں نرگس لگا دیتے ہیں کہ جوئبار میں اُن کا عکس پڑے اُس عکس کو خیال کہتے ہیں اس میں اس عادت کی طرف بھی تلمیح ہے جو کہ رعایت شاعرانہ ہے۔ اور آپ کے عارض و قد کا وہ حسن ہے کہ خود بہشت اور طوبیٰ بھی اُسی کی پناہ لیتا ہے اور ان چیزوں کی بڑی خوش قسمتی اور نیک انجامی ہے کہ ایسا مستند اُن کو ملا۔ اور بہار جو ہر فصل میں گل اور ثمر لاتی ہے یہ محض آپ کے جمال کی شارح ہے۔ اور بہشت میں جو ہر باب کے نعم ہیں یہ بھی آپ کے اوصاف جمیلہ کی ذاکرہ ہیں ان عنوانات کا انطباق معنون مذکور پر محتاج تقریر و تصریح نہیں۔ قال رح

لب و دہانِ ترا اے بسا حقوقِ نمک ۔۔۔ کہ ہست بر جگر ریش و سینہ ہای کباب

بسوخت ایں دل خام و بکام دل نرسید ۔۔۔ بکام اگر برسیدے نریختے خون ناب

اس میں بیان ہے وارد قبض کا جس کو سخن تلخ نمک ریز سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ یعنی اگر آپ کے لب و دہان سے سخن نمک ریز نکلا جس کا اثر جگر اور سینہ سوزان پر پڑا تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ آپ کے لب و دہان کے اس جگر و سینہ پر بہت حقوق و احسانات ہیں یعنی محبوب کی عنایات بے غایات ہو چکی ہیں اگر قبض وارد ہوا تو کیا شکایت ہے آگے اسی کو سوزش و ناکامی سے تعبیر کرتے ہیں کہ اگر کامیاب ہوتا تو بے تشک خون ناب یعنی خون آلود کیوں بہاتا۔ شعر اول بناءً علی الشکر الاختیاری ہے اور شعر ثانی بناء علی الاضطراب الاضطراری ہے۔ قال رح

گمان مبر کہ بدور تو عاشقان مستند ۔۔۔ خبر نہ داری ز احوال زاہدان خراب

خبر نہ داری بحذف حرف استفہام یعنی آیا خبر نہ داری یعنی خبر می داری کقولہ تعالیٰ الا یعلم من

خلق - اس کا مطلب اس ردیف الباد کی غزل سابق آفتاب ار زوی او شد الخ کے شعر چہارم کے قریب ہے یعنی سب ہی آپ کے عشق و طلب میں سرگرم ہیں - قال رح

مرا بدور لبت شد یقین کہ جوہر لعل　　پدید می شود از آفتاب عالمتاب

معنی لفظی تو یہ ہیں کہ میں نے محبوب کے لب کو جو کہ مشابہ لعل کے ہے جب اُس کے چہرے کے اندر جو کہ مشابہ آفتاب کے ہے دیکھا تب اس کا یقین آیا کہ جوہر لعل الخ ورنہ پہلے سنا کرتے تھے اور معنی مقصود احقر کے نزدیک مثل اشعار اول اس غزل کے ہیں کہ آپ کے فیض تکوینی سے لعل ظاہری یا قلوب عارفین کو متلون ہونا ہوا دیکھ کہ اس کا یقین ہوا کہ ذات ہی مبداء فیوض اور محتاج الیہ فی الکمالات ہے - قال رح

مهل کہ عمر بہ بیہودہ بگذرد حافظ　　بکوش و حاصل عمر عزیز را دریاب

مطلب ظاہر ہے کہ ناصحانہ واعظانہ مضمون ہے کہ مقصود حقیقی کو حاصل کر لو۔

ردیف التاء

غزل

بیا کہ قصر امل سخت سست بنیاد ست　　بیار بادہ کہ بنیاد عمر بر باد ست

غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود　　ز ہر چہ رنگ تعلق پذیرد آزاد ست

نصیحتے کنمت یاد گیرد در عمل آر　　کہ ایں حدیث ز پیر طریقتم یاد ست

مجو درستی عہد از جہان سست نہاد　　کہ ایں عجوزہ عروس ہزار داماد ست

چہ گویمت کہ بمیخانہ دوش مست و خراب　　سروش عالم غیبم چہ مژدہ ہا داد ست

کہ ای بلند نظر شاہباز سدرہ نشین　　نشیمن تو نہ ایں کنج محنت آباد ست

ترا ز کنگرہ عرش میزنند صفیر | ندانمت کہ دریں دامگہ چہ افتادست
غم جہان مخور و پند من مبرا ز یاد | کہ ایں لطیفۂ نغزم ز رہروے یادست
رضا بدادہ بدہ وز جبین گرہ بکشائے | کہ بر من و تو در اختیار نکشادست
نشانِ مہر و وفا نیست در تبسم گل | بنال بلبل مسکین کہ جائے فریادست
حسد چہ میبری اے سست نظم بر حافظ | قبول خاطر و لطف سخن خدادادست

بجز مقطع کے کہ اس میں ظاہراً تمدح اور حقیقتاً تحدث بالنعمۃ ہے باقی تمام غزل میں ترغیب ہے تعلقات ماسوائے اللہ سے آزادی اختیار کرنے کی اور ترک انہماک وحرص کی اور تحصیل محبت و معرفت و طاعت الٰہی کی پس فرماتے ہیں کہ محبوب حقیقی کی طرف متوجہ ہو جاؤ کیونکہ حرص و امل کا قصر نہایت سست بنیاد ہے (اس لیے قابل توجہ کے نہیں) اور محبت الٰہی حاصل کرو، کیونکہ عمر کی بنیاد برباد ہو رہی ہے (اس لیے اس کو محبت الٰہی میں صرف کرنا چاہیے تاکہ اس عمر کا کچھ ماحصل ہاتھ آوے) اور اس چرخ کبود کے نیچے (یعنی اس عالم میں) میں تو اُس شخص کی ہمت کا غلام ہوں جس کی یہ حالت ہو کہ جس چیز میں شائبہ تعلق کا ہو اُس سے آزاد رہے اور میں تم کو ایک نصیحت کرتا ہوں اُس کو یاد رکھو اور اُس پر عمل کرو کیونکہ یہ مضمون شیخ طریقت سے مجھ کو یاد ہے (اور وہ نصیحت یہ ہے کہ) عالم ضعیف الذات (یعنی فانی الوجود) سے درستی عہد (یعنی دوام اجتماع) کے طالب (اور امیدوار) مت رہو کیونکہ یہ عجوزہ (یعنی دنیائے کہنہ) ہزاروں شوہر کی عروس رہ چکی ہے (اور کسی سے مرافقت نہیں کی سب سے مفارقت کی اس سے تعلق رکھنا بڑی غلطی ہے اور) میں تم سے کیا کہوں کہ کل (یعنی اس کے قبل) میخانہ (یعنی مقام انکشاف حقیقت) میں جب کہ میں مست اور فانی تھا (یعنی مجھ پر محویت طاری تھی جس میں حقائق امور قلب پر وارد اور منکشف ہوا کرتے ہیں) سروش عالم غیب نے مجھ کو کیا کیا بشارتیں دیں (یعنی میرے قلب پر یہ مضامین القا کیے گئے) کہ اے بلند نظر جو شاہباز سدرہ نشین کے مشابہ ہے (کیونکہ روح کائنات عالم علوی سے ہے) تیرا نشیمن (اور مسکن) یہ کنج محنت آباد نہیں ہے (مراد دنیا کنج بوجہ تنگی کے کہا اور محنت آباد

اس لیے کہ دار المحن ہے یعنی دنیا تیرا وطن اصلی نہیں ہے پھر اس میں کیوں دل لگاتا ہے اور تجھ کو تو کنگرۂ عرش (یعنی عالم علوی) سے پکار رہے ہیں پھر معلوم نہیں کہ اس قید گاہ میں تجھ کو کیا چیز پسند آئی ہے (جو اس میں جی لگاتا ہے پس تجھ کو چاہیے کہ) دنیا کے غم (وتعلق) میں مت پڑ اور میری نصیحت مت بھلا کیونکہ یہ لطیفہ عجیبہ مجھ کو ایک سالک سے یاد ہے وہ یہ کہ جو کچھ مل جاوے اُس پر راضی رہ اور پیشانی پر بل مت ڈال (یعنی قناعت و رضا اختیار کر اور کراہت و حرص ترک کر) کیونکہ خواہ میں ہوں یا تو ہو کسی کو (ایسے امور رزق وغیرہ میں) اختیار نہیں دیا گیا (اور اس تفسیر پر اس شعر کو مسئلہ جبر و اختیار فی الافعال سے کوئی تعلق نہیں یعنی جب مقدمہ تکوینیات میں کچھ بس نہیں چلتا تو حرص و کراہت بے سود محض ہے اور) جس طرح تبسم گل کو بقا نہیں اسی طرح اس عالم ناپائدار میں مہر و وفا کا نشان نہیں تو اے بلبل یعنی طالب دنیا تو (اپنی اس حالت طلب دنیا پر) تاسف کر (اور عالم باقی کی طلب سے اس کا تدارک کر آگے مقطع ہے کہ) اے سست نظم تو حافظ پر کیا حسد کرتا ہے قبول خاطر اور لطف سخن تو محض خدا داد امر ہے (ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ) قال رح - غزل - قال رح

برو بکار خود ای واعظ ایں چہ فریاد ست — مرا فتاد دل از کف ترا چہ افتاد ست

واعظ سے مراد جو مانع ہو طریق عشق سے بتوہم اُس کے غیر مشروع ہونے کے اور منحصر سمجھتا ہو وصول الی اللہ کو طریق طاعات ظاہرہ میں ایسے ناصح کو کہتے ہیں کہ جاؤ اپنا کام کرو کیوں خواہ مخواہ نصیحت میں غل مچا رکھا ہے میں تو مغلوب العشق ہو گیا تم کو میری کیا فکر پڑی ہے (کیونکہ حسب قول اہل طریق طرق الوصول الی اللہ بعدد انفاس الخلایق طریق عشق بھی ایک طریق بلکہ اقرب طرق ہے کما بین فی کتب الفن) قال رح

بکام تا نرساند مرا لبش چوں نائے — نصیحت ہمہ عالم بگوش من باد ست

لب کنایہ از لطف - نائے واصل کامل - یہ بھی متمم ہے سابق کا یعنی جب تک واصل کامل کی طرح اُس کے لطف سے میں مقصود تک نہ پہنچوں گا تمام عالم کی نصیحت جو دربارہ ترک عشق کے ہے بے اثر سمجھوں گا - قال رح

میان او کہ خدا آفریدہ است از ہیچ دقیقہ الیست کہ ہیچ آفریدہ نکشادہ است

مطلب لفظی تو ظاہر ہے کہ کمر کی باریکی کا بیان ہے۔اور مطلب معنوی یہ ہے کہ میان سے مراد واسطہ و رابطہ بین الحق والعبد ہے اس میں اُس کا غموض بیان فرماتے ہیں کہ وہ ایسی مخفی چیز ہے کہ کسی مخلوق کو اُس کی پوری اطلاع نہیں ہوتی جیسا کسی اور سخن گو نے کہا ہے ؎

میان عاشق و معشوق رمزیست کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

وجہ یہ ہے کہ وہ واسطہ خاص تعلق قرب و رضا ہے جو کہ غیب ہے اور ظاہر ہے کہ غیر منصوص القبول کو تو خود اُسی کی اطلاع قطعی طور پر نہیں ہوتی اور منصوص القبول کو گو نفس قرب و رضا کی اطلاع ہوتی ہے لیکن اس کے خصوصیات خاصہ کی اطلاع نہیں ہوتی وھذا ھو المعنی بقولہ علیہ السلام واللہ ما ادری ما یفعل بی ولا بکم اور اس تعلق کو آفریدہ کہنا بوجہ اُس کے حدوث کے ظاہر ہے اور آفریدہ از ہیچ کہنا مبالغۃً غایت غموض کی وجہ سے ہے۔اور یا اس کی یہ بھی توجیہ ہو سکتی ہے کہ یہ رابطہ امور اضافیہ میں سے ہے اور امور اضافیہ بوجہ اس کے کہ اُن کا وجود انتزاعی ہوتا ہے فی نفسہ مستقلاً متحقق و ثابت نہیں ہوتے

قال رح

گدای کوی تو از ہشت خلد مستغنی است اسیر بند تو از ہر دو عالم آزاد ست

مطلب ظاہر ہے کہ محبوب حقیقی کے طالب کو دوسری کوئی چیز خواہ کچھ ہی ہو مطلوب بالذات نہیں۔

اگرچہ مستی عشقم خراب کرد و لے اساس ہستی من زیں خراب آباد ست

یہ اشارہ ہے بقا بعد الفنا کی طرف جیسا شیخ شیرازی نے بوستان میں فرمایا ہے ؎

مترس از محبت کہ خاکت کند کہ باقی شوی چوں ہلاکت کند

قال رح

دلا منال ز بیداد و جور یار کہ یار ترا نصیب ہمیں کردہ است و ایں داد ست

بیداد و جور مراد تاخیر وصل کہ اثر مثل جور دارد - اس میں تعلیم ہے کہ اگر سالک کو وصول یا ورود احوال میں توقف ہو جاوے تو تنگی و شکایت نہ چاہیے کیونکہ محبوب نے اُس کے لیے یہی تجویز کیا ہے اور یہ عین عنایت ہے کیونکہ اُس میں مصلحت ہوگی اور راز اُس میں یہ ہے کہ ہر شخص کی استعداد جداگانہ ہے اور استعداد کے موافق تربیت کی جاتی ہے اور اُس کا علم محیط مخصوص حق تعالےٰ کے ساتھ ہے چنانچہ تاخیر وصل کی ایک مصلحت ایک بار مثنوی معنوی میں عجیب طور پر نظر سے گزری جس کی حکایت یہ ہے کہ ایک بار احقر پر یہ خیال غالب ہوا کہ حق تعالےٰ کو طالب کے طالب ہونے کا علم بھی ہے اور وصل الی المقصود پر قدرت بھی ہے اور طالب کے حال پر رحمت بھی ہے اور اس مجموعہ کا مقتضا یہ تھا کہ جلدی کامیابی ہو جایا کرتی پھر معلوم نہیں تاخیر میں اور پریشانی میں کیا حکمت ہے یہ سوچ ہی رہا تھا کہ مثنوی جو کھولی تو یہ اشعار سر صفحہ پر نکلے جن میں علم اور قدرت اور رحمت کے اثبات کے بعد اس کی حکمت مذکور ہے جس سے پوری تسلّی ہو گئی وہ اشعار یہ ہیں ؎

چارہ می جوید پئ من درد تو — من شنیدم دوشِ آہِ سرد تو
می توانم ہم کہ بے این انتظار — رہ نمایم داد ہم راہ گذار
تا ازیں گرداب دوران وارہی — بر سرِ گنج وصالم پا نہی
لیک شیرینی و لذاتِ مقر — ہست بر اندازۂ رنجِ سفر
آنگہ از فرزند و خویشان برخوری — کز غریبی رنج و محنتہا بری

قال رح

بر و فسانہ مخوان و فسون مدم حافظ — کزیں فسانہ و افسوں مرا بسے یاد است

اس میں تعریض ہے مدعی طلب کا ذبا و مرائی کی طرف یعنی اوپر جس قسم کے مضامین مذکور ہیں یہ اگر ادعاء محض ہوں تو اُس صورت میں بلسان محبوب تنبیہ ہے کہ مجھ کو ہر چیز کا علم ہے مجھ سے جھوٹی باتیں بنانا کیا فائدہ - پس اس میں تعلیم ہے اخلاص مع اللہ کی اور مذمت ہے احوال باطنیہ میں تصنع کی - واللہ اعلم - غزل

روزہ یکسو شد و عید آمد و دلہا برخاست — می بمیخانہ بجوش آمد و می باید خواست

روز مراد ریاضت و مجاہدہ وعید کنایہ از وصل و مشاہدہ۔ یعنی الحمدللہ کہ زمانہ مجاہدہ کا گزر گیا اور وقت وصول و مشاہدہ کا آگیا اور قلوب میں نشاط و فرحت وصل سے جوش پیدا ہوگیا اور عشق و محبت میں ترقی ہوئی اور اس میں ترقی کی اور طلب چاہیے پس مصرعہ اولیٰ میں اشارہ ہے کہ مشاہدہ کے لیے مجاہدہ شرط عادی ہے اور مصرعہ ثانیہ میں اشارہ ہے کہ بعد وصول وحصول مقصود سالک کو بس نہ کرنا چاہیے طلب اور طاعت میں طالب مزید ہونا چاہیے جیسا ارشاد ہے ؂

اے برادر بے نہایت در گہے است ہرچہ بروے میرسی بروے مایست

قال رح

نوبت زہد فروشاں گراں جان بگذشت وقت شادی و طرب کردن رندان برخاست

زہد فروشان ریاکاران۔ گراں جان کاہلان مراد بعنوان مزورون کا ریا کار کہنا تو ظاہر ہے۔ اور گراں جان ہونا اس لیے ہے کہ ریا کاری میں بوجہ فقدان صدق رغبت کے باطنا کاہلی ضروری ہے اور رند سے مراد مخلص غیر متصنع و طالب صادق۔ اس شعر میں صورت خبر میں مقصود انشاء اس امر کا ہے کہ شیوخ متصنعین کو ترک کرنا چاہیے جب کہ شیوخ کاملین میسر ہو سکتے ہیں طالب صادق کو اُن کی جستجو لازم ہے اور ان کے میسر ہونے کا وقت نہایت خوشی کا وقت ہے۔

قال رح

چہ ملامت بود آنرا کہ چو ما بادہ خورد این نہ عیب است بر عاشق رند و نہ خطاست

بادہ سے مراد طریق محبت مقرون بملامت۔ مطلب یہ کہ طریق ملامتی میں جس کا اصل ترک وضع ہے نہ کہ ترک شرع۔ عشاق مخلصین کے لیے کوئی عیب اور خطا نہیں ہے جیسا کہ اہل ظاہر میں سے عوام تو اس کو اس لیے عیب سمجھتے ہیں کہ اس کو بوجہ قصور نظر کے خلاف شرع خیال کرتے ہیں اور خواص اس کو موہم خلاف شرع اور متحمل تعدیہ ضرر الغیر ہونے کی وجہ سے عیب سمجھتے ہیں پس لفظ چوما میں تو اشارہ کر دیا جواب شبہ عوام کی طرف یعنی جو ہماری طرح ہو کر خلاف شرع نہ کرے جیسا اسی غزل کے ایک شعر میں اپنی حالت بیان کی ہے۔ فرض ایزد بگذاریم الخ اور ظاہر ہے کہ معصیت منافی ہے ادائے فریضہ کے

جو اس خاص امر کے متعلق ہے۔اور لفظ بر عاشق رند میں اشارہ کر دیا جواب شبہ خواص کی طرف جس کا حاصل یہ ہے کہ مقتدا ہیں وہ علت نہی کی جاری ہے اور عاشق رند جو کہ مقتدا نہیں ہے اس تعلیل سے خارج ہے پس جب علت نہیں معلول بھی نہیں رہا یہ کہ لوگ اس کی غیبت کریں گے تو یہ شخص اس کا سبب ہوا تو ان لوگوں کی طرف سے اس میں یہ عذر ہو سکتا ہے کہ ان کو جب بعض رذائل کے معالجہ کی طرف اس خاص طریق ملامت میں توجہ غالب ہوتی ہے تو اس مفسدہ مذکورہ سے ذہول ہو جاتا ہے اور قصد ہوتا ہے اپنی اصلاح کا نہ کہ غیر کا گو لازم آتا ہے اور اتقوا مواضع التہم کو یہ حضرات مخصوص کہیں گے غیر موضع ضرورت میں اور معالجہ موضع ضرورت ہے اور اُن کی یہ توجیہات محل اجتہاد ہو سکتی ہیں فکفی بہ عذرا لہم۔ قال رح

بادہ نوشی کہ درو ہیچ ریائی نبود　　بہتر از زہد فروشی کہ درو روی و ریاست

اس شعر میں اپنے کسی فعل کی توجیہ یا طرف داری نہیں ہے بلکہ اہل طریق کو نصیحت ہے کہ ذکر و طاعت میں دعوے و ریا کرنا اور دوسرے اہل معاصی کو حقیر سمجھنا مذموم ہے پس فرماتے ہیں کہ جس بادہ نوشی کے ساتھ ریا نہ ہو وہ اُس زہد ادعائی سے اچھا ہے جس میں ریا ہو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معاصی میں بھی باہم تفاوت ہوتا ہے کوئی اکبر کوئی کبیر کوئی صغیر کوئی اصغر اور یہ قواعد شرع سے نہایت واضح و ظاہر ہے۔ قال رح

ما نہ مردانِ ریائیم و حریفانِ نفاق　　آنکہ او عالم سراست بدیں حال گواست

گوا مخفف گواہ۔ مطلب ظاہر ہے اور مقصود اس سے پندار و دعویٰ نہیں بلکہ ترغیب ہے طالبین کی اپنا حال بیان کرنے سے کہ ان کو بھی ایسا ہی ریا و نفاق سے بچنا چاہیے اور اس سے یہ امر مستفاد ہوا کہ کامل اگر اپنا حال اس قصد سے ظاہر کرے کہ ناقصین اتباع کریں تو مذموم نہیں ہے۔ قال رح

فرض ایزد بگذاریم و بکس بد نہ کنیم　　وانچہ گویند روا نیست بگوئیم رواست

مدلول لفظی تو ظاہر ہے اور غرض مقصود یہ ہے کہ اصل مقصود تکثیر طاعات و اوراد نہیں ہے

بلکہ ورع کے ساتھ تقلیل طاعات کافی ہے اور وہ ورع حقوق اللہ و حقوق العباد سب میں ہونا چاہیے چنانچہ فرض ایزد بگذاریم میں اشارہ حقوق اللہ و تقلیل طاعات کی طرف ہے اور بکس بد نہ کنیم میں اشارہ حقوق عباد کی طرف ہے اور مصرعہ ثانی میں اس آنچہ سے مراد میرے نزدیک طریق ملامت یعنی ارتکاب خلاف وضع ہے گو ظاہر نظر میں خلاف شرع ہو مگر حقیقت میں خلاف نہ ہو اور اس کے جواز و عدم جواز میں اختلاف کی تحقیق جیسا کہ اس مصرعہ سے معلوم ہوتا ہے مفصلاً شعر بالا چہ ملامت الخ کی شرح میں گزر چکی ہے۔ قال رح

چہ بود گر من و تو چند قدح بادہ خوریم　　بادہ از خون رزاں ست نہ از خون شماست

ایں نہ عیب است کزیں عیب خلل خواہد بود　　ور بود عیب چہ شد مردم بے عیب کجاست

رزان جمع رز بمعنی انگور۔ خون رز شیرہ انگور۔ خون شما خون و گوشت مردم اشارہ بسوئے آیت ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا الآیہ ان اشعار کا مضمون بھی قریب قریب مضمون شعر بادہ نوشی الخ کے ہے یعنی اگر کوئی مرتکب بادہ خواری کا ہو جاوے خواہ تم ہو یا میں ہوں تو غایت ما فی الباب وہ شیرہ انگور ہے لحم انسان تو نہیں ہے جس کے کھانے میں معترض مبتلا ہے کہ غیبت و عیب جوئی میں مشغول ہے اور اس کا بادہ خواری سے اشد ہونا بوجہ حق عبد ہونے کے ظاہر ہے پس معترض اشد میں مشغول اور اخف پر معترض ہے اور دوسرے شعر میں اس سے عیب ہونے کی نفی یا تو بایں معنی ہے کہ جس درجہ کا عیب طاعن سمجھ رہا ہے کہ اس کو غیبت سے بھی بڑھ کر قرار دیا۔ ہے جیسا کہ اس کے برتاؤ سے معلوم ہوتا ہے کہ بادہ خواری کی مذمت کر رہا ہے اور غیبت کو اختیار کر رکھا ہے ایسا اس درجہ کا عیب نہیں ہے بلکہ معاملہ بالعکس ہے اور شعر ثانی کے مصرعہ ثانیہ میں علی سبیل التنزل کہتے ہیں کہ اگر معترض کا قول مسلم بھی ہو جاوے کہ یہ غیبت سے بھی اشد ہے تو خیر یوں ہی سہی مگر بے عیب کون ہوتا ہے ہم میں یہ عیب ہے معترض میں دوسرا عیب ہے اور مقصود اس تنزل سے محض ترک جدال ہے جو مقتضا ہے وضع درویشی کا نہ کہ توجیہ اپنے فعل کی یا رجوع تحقیق بالا سے کہ اشدیت ہے غیبت کی۔ اور یا عیب ہونے کی نفی بایں معنی ہے کہ بعض اقسام نبیذ کے مختلف فیہ بین الائمہ ہیں اور قواعد احتساب میں ثابت ہے کہ

مسائل مختلف فیہا میں احتساب نہیں کیا جاوے گا اور مصرعہ دوم بر طبق تقریر بالا نیز ترک جدال پر محمول کیا جاوے گا باقی اجزا کی تقریر ظاہر ہے اور بہر حال اس مضمون میں تعلیم ہے ترک جدال و ترک اعتراض کی جو لوازم طلب مقصود سے ہے۔ قال رح

حافظ از عشق خط و حال تو سرگردان ست　　ہمچو پرکار و لے نقطۂ دل پا بر جاست

مدلول لفظی ظاہر ہے مقصود تعلیم ہے طالبان حق کی کہ طریق محبت میں کیسی ہی پریشانی و حیرانی پیش آوے مگر ثبات قدم و تحمل و صبر و استقلال و استقامت کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیے کہ شرط وصول یہی ہے۔ واللہ اعلم۔ قال رح

غزل

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است　　سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

اس میں خطاب ہے معترض ظاہر بیں کو جو اہل حال کے کلام پر خورده گیری کرتا ہے استہزا اُس کو دلبر کہا جیسے اُردو کے محاورہ میں ایسے موقع میں کہتے ہیں میرے پیارے یا برخوردار یا مہربان پس فرماتے ہیں کہ اہل حال کے کلام کو غلط مت کہو بلکہ وہ غلطی تمہاری فہم میں ہے کیونکہ تم سخن شناس نہیں ہو اہل حال کے کلام کو نہیں سمجھتے ہو۔ اس میں تعلیم ہے کہ اہل اللہ کے کلام کو جلدی سے رد نہ کرے البتہ بے سمجھے اُس کے ظاہری معنی کا معتقد بھی نہ ہو بلکہ سکوت اسلم ہے۔ قال رح

سرم بدنیا و عقبیٰ فرو نمی آید　　تبارک اللہ ازیں فتنہا کہ در سر ماست

فتنہ سے مراد شورش۔ مطلب یہ کہ چونکہ میرا مقصود بالذات قرب و رضائے حق ہے اس لیے نہ دنیا بالذات مطلوب ہے اور نہ عقبیٰ گو بالعرض مقصود ہو۔ آگے بطور استعظام امر کے فرماتے ہیں کہ ہمارے دماغ میں بھی عجیب شورش طلب حق کی بھری ہوئی ہے کہ بالذات کسی چیز کی طرف التفات نہیں رہا۔ قال رح

در اندرون من خستہ دل ندانم کیست　　کہ من خموشم و او در فغان و در غوغا ست

یعنی مجھ خستہ دل کے اندر معلوم نہیں کون شخص ہے کہ میں تو خاموش ہوں اور وہ شور و فغان میں رہتا ہے گو لب بظاہراً خاموشی رہے۔

دلم زپردہ برون شد کجائی اے مطرب ‌ ‌ بنال ہاں کہ ازیں پردہ کار ما بنوا ست

یعنی میرا دل قابو سے باہر ہو گیا اے مطرب سماع سنا دے کہ اس پردہ سرود سے ہماری حالت اصلاح پذیر ہو جائے گی۔ اس میں بیان ہے اس کا کہ سماع کا جواز ایسی مخصوص حالت میں ہے جب قلب کی حالت خود رفتگی تک پہنچ جاوے اور اس سے اکثر مشتغلان سماع کی غلطی ثابت ہوتی ہے۔ قال رح ؎

مرا بکار جہان ہرگز التفات نبود ‌ ‌ رخ تو در نظر من چنیں خوشش آراست

یہ اشارہ ہے منتہی کی حالت کی طرف کہ ابتداء حال میں اُس کا التفات خلق کی طرف اس لیے نہیں ہوتا کہ وہ حجاب ہوتا ہے توجہ الی الحق سے لیکن منتہی کے لیے ہر شے مخلوقات میں سے آئینہ ہوتی ہے مشاہدہ جمال محبوب کی اور آلہ ہوتا ہے وصول و قرب کا علماً بھی اور عملاً بھی اس لیے وہ عین التفات الی الحق کی حالت میں ملتفت الی الخلق بھی ہوتا ہے۔

قال رح

نہ خفتہ ام بخیالے کہ میپزم شبہا ‌ ‌ خمار صد شبہ دارم شرابخانہ کجاست

یعنی طلب میں مجھ کو آرام اور سکون نہیں ملتا اور مدتوں کا مجھ کو خمار ہے فنا و سکر کہاں حاصل ہوا کرتا ہے تاکہ ایک گونہ وصول میسر ہونے سے طلب کی بے آرامی ختم ہو گو اُس میں بھی دوسری طرح کی بے چینی ہو کما قال الشیخ الشیرازی فی المعنی الاول ؎

تعلق حجاب است و بے حاصلی ‌ ‌ چو پیوندہا بگسلی واصلی

وقال فی المعنی الثانی ؎

دلارام در بر دلارام جو ‌ ‌ لب از تشنگی خشک و بر طرف جوی
نہ گویم کہ بر آب قادر نیند ‌ ‌ کہ بر ساحلِ نیل مستسقی اند

قال رح ؎

چنیں کہ صومعہ آلودہ شد بخون دلم گرم بہ بادہ بشوئید حق بدست شماست

در کلام تقدیر بر سے ست یعنی مجاہدہ تا چنیں رسیدہ الخ مطلب یہ کہ ظاہری طاعت یہاں تک کی کہ میرے خون دل سے صومعہ خون آلودہ ہوگیا اب اے محبوب یا اے مرشد اگر مجھ کو بادہ محبت یعنی جذبہ عشق سے غسل دیا جاوے تو آپ کی شان کے شایان ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ سلوک و ریاضت بدون جذب و عنایت کے مفید نہیں۔ قال رح ؎

ازاں بدیر مغانم عزیز میدارند کہ آتشے کہ نمیرد ہمیشہ در دل ماست

دیر مغان مجمع اہل عشق یعنی عشاق کی جماعت میں مجھ کو اس لیے عزیز سمجھتے ہیں کہ میرے دل میں آتش عشق مشتعل ہے اشارہ اس طرف ہے کہ اہل اللہ مال و دولت کی قدر نہیں کرتے بلکہ دولت باطنی ہی کی قدر کرتے ہیں۔ قال رح ؎

چہ ساز بود کہ بنواخت مطرب عشاق کہ رفت عمر و ہنوزم دماغ پر ز صداست

اس میں اشارہ ہے خطاب الست بربکم کی طرف یعنی اُس خطاب کی اب تک لذت حاصل ہے یا تو یہ کہا جائے کہ حقیقتاً بعض کو یاد رہتا ہے اور یا کہا جاوے کہ اُس کا اثر باقی ہے جس سے التذاذ ہوتا ہے اور یہی دونوں احتمال ہیں شیخ شیرازی رح کے اس ارشاد میں بھی ؎

الست از ازل ہمچناں شان بگوشش بفریاد قالوا بلیٰ در خروشش

معنی اول کا مصداق ایک کشف ہے اور معنی ثانی کا مصداق ایک حال ہے۔ قال رح

خمار عشق تو دی شب در اندرونم بود کجاست وقت عبادت چہ جائے وقت دعاست

مطلب یہ کہ میرے مقتضائے استعداد کے موافق میری تربیت عشق سے کی گئی ہے اس لیے اس کے غلبہ میں عبادت و دعا کی تکثیر مجھ سے نہیں ہو سکی تھی۔ اشارہ ہے کہ طریق تربیت سالکین کا ہر ایک کی استعداد کے موافق جدا جدا ہے۔ قال رح

ندائے عشق تو دوشم در اندروں دادند فضائے سینۂ حافظ ہنوز پر ز صداست

مطلب ظاہر ہے کہ میرے لیے نسبت عشقیہ تجویز کی گئی تھی جس سے اب تک میرا سینہ پر ہے لان المقدر لا یغیر واللہ اعلم ۔ قال رح

غزل

روضۂ خلد بریں خلوت درویشان است ۔ مایۂ محتشمی خدمت درویشان است

اس میں درویشوں کی خلوت اور خدمت کی مدح ہے اول کو روضۂ خلد بریں سے تشبیہ دی گئی ہے اس وجہ سے کہ بڑی نعمت جنت میں مشاہدہ حق تعالےٰ ہے سو یہ ایک قسم کا مشاہدہ درویشوں کو خلوت میں میسر ہوتا ہے یعنی بالقلب گو جنت میں بالعین ہوگا اور خلوت کی قید اس لیے کہ اُس میں استحضار تام ہوتا ہے گو بعض اوقات جلوت کا استحضار ناتمام اُس تام سے کسی عارض کی وجہ سے افضل ہو مثلاً کسی حق واجب کا ادا کرنا یا کسی کو نفع پہنچانا و مثل ذلک اور بعد مدح درویشوں کے مصرعۂ ثانیہ میں اُن کی خدمت کی ترغیب دیتے ہیں کہ احتشام حقیقی کہ مقبولیت عند الحق ہے مقبولین کی خدمت سے کہ اُن کی اطاعت اور محبت اُس کے لوازم عادیہ سے ہے میسر ہوتا ہے ۔ قال رح

گنج عزلت کہ طلسمات عجائب دارد ۔ فتح آں در نظر ہمت درویشان ست

اس میں ترغیب ہے کہ مقبولین حق کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرنا چاہیے کہ اُن کی توجہ میں یہ برکت ہے کہ خلوت نشینی کا خزانہ عجیب کہ مراد اُس سے حضور تام و مشاہدہ ہے اُس سے میسر ہوتا ہے چنانچہ توجہ کی یہ برکت ہونا تجربہ سے بھی ثابت ہے اور ظاہری لم بھی اُس کی یہ ہے کہ وہ متقی ہوتے ہیں اور حق تعالےٰ اکثر متقی کی مراد پوری فرماتا ہے اور توجہ سے اُن کی مراد یہی ہوتی ہے کہ طالب کہ محل توجہ ہے مشرف اس دولت سے ہو جاوے ۔ و نیز ثابت ہوا ہے کہ بعضے تصرفات محض توجہ نفس سے حاصل ہو جاتے ہیں ۔ قال رح

قصر فردوس کہ رضوانش بدربانی رفت ۔ منظری از چمن نزہت درویشان ست

یعنی قصر فردوس جس کا دربان رضوان ہے درویش جس چمن کی سیر کرتے ہیں اُس کا ایک منظر ہے کیونکہ درویشوں کا سیر گاہ ذات و صفات و افعال حق ہے اور جنت میں ان اشیاء کا

کامل ظہور ہوگا - وبنز اُن کی سیر کا حاصل مراقبہ و مشاہدہ ہے اور جنت کے مقامات عالیہ ان اعمال صالحہ کا ثمرہ ہے جیسا لفظ فردوس اشارہ ہے مقامات عالیہ کی طرف گو مطلق جنت مطلق اعمال کا ثمرہ ہے - قال رح ؎

انچہ زر می شود از پرتو آن قلب سیاہ　　کیمیائے ست کہ در صحبت درویشان ست

می شود فعل ناقص - قلب سیاہ اسم آن - وز خبر آں نہ کہ بالعکس فتنبہ - مراد ظاہر ہے کہ اہل کمال صحبت میں ناقص کامل ہو جاتے ہیں - قال رح ؎

وانکہ پیشش بنہد تاج تکبر خورشید　　کبریائے ست کہ در حشمت درویشان ست

اس میں بیان ہے مقبولان حق کی عظمت کا کہ اُن کے سامنے خورشید بھی پست ہے کیونکہ اُس کو ظاہری رفعت ہے اور اُن حضرات کو باطنی و حقیقی رفعت ہے لکونہم فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر - قال رح

دولتے را کہ نباشد غم از آسیب زوال　　بے تکلف بشنو دولت درویشان ست

مطلب ظاہر ہے کیونکہ درویشوں کی دولت اخروی ہے اور دوسری دولتیں دنیوی ہیں اور نص ہے ما عندکم ینفد وما عند اللہ باق - قال رح

خسروان قبلۂ حاجات جہانند ولے　　از ازل تا بہ ابد فرصت درویشان ست

فرصت مراد سلطنت یعنی گو سلاطین کو ظاہری چند روزہ سلطنت حاصل ہے لیکن حقیقی و ابدی سلطنت مقبولان حق کو ہے ابدی ہونا تو نصوص خلود سے ظاہر ہے اور ازلی ہونا باعتبار تقدیر و علم الٰہی کے ہے یا ازل سے مراد مطلق ابتدا لے جاوے یعنی جب سے اُس کا حصول ہوا ہے معنی مشہور مالا اول لہ نہ لیے جاویں -

روی مقصود کہ شاہاں بجہان می طلبند　　مظہرش آئینہ طلعت درویشان ست

یعنی جن مطالب کو سلاطین دنیا مانگتے پھرتے ہیں وہ محض درویشوں کی زیارت سے میسر ہو

جاتا ہے مقصود مبالغہ ہے کہ درویش مفتاح حصول مراد ہیں خواہ بواسطہ اُن کی دعا کے خواہ بواسطہ توسل کے اُن کے ساتھ اور خواہ اس واسطہ سے کہ اُن کی معیت سے اُن کی محبت ہوتی ہے اور محبت اُن کی طاعت ہے اور اہل طاعت کے مشکلات غیب سے آسان کی جاتی ہیں ونحوہ مافی المثنوی ؎

اے لقائے تو جواب ہر سوال　　مشکل از تو حل شود بے قیل وقال ؎

اے توانگر مفروش ایں ہمہ نخوت کہ ترا　　سروری در کنف ہمت درویشان ست

کنف پناہ یعنی اغنیاء ظاہری کی یہ ثروت وجاہ ان مقبولان حق کی دُعا و برکت کی فرع ہے فی الحدیث ہل ترزقون وتنصرون الا بضعفاءکم و نیز حدیثوں میں ہے کہ ابدال کی برکت سے بارش وغیرہ ہوتی ہے و نیز قصۂ خضر علیہ السلام سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض انتظامات تکوینیہ بعض اہل اللہ سے وابستہ ہوتے ہیں۔ وفی المقام کلام طویل لا یتحملہ المقام۔ قال رح

گنج قارون کہ فرو میرود از قہر ہنوز　　خوانده باشی تو کہ از غیرت درویشان ست

درویشان کی جمعیت جنیت کے لیے ہے مراد موسیٰ علیہ السلام۔ مطلب اور قصہ ظاہر و مشہور ہے۔

بندۂ آصف عہدیم کہ در سلطنتش　　صورت خواجگی و سیرت درویشان ست

اس میں دو احتمال ہیں یا تو مراد اس سے وزیر اُس زمانہ کا ہے جس کا نام بعض محشین نے آصف لکھا ہے اور ظاہراً مقصود اُس کی مدح ہے اور اشارۃً مدح ہے ہر ایسے شخص کی جو باوجود جاہ وحشم ظاہری کے سیرت درویشانہ رکھے اور دین کو دنیا پر ترجیح دے اور دوسرا احتمال یہ کہ یہ کنایہ ہو شیخ وقت سے جس کی شان یہ ہے کہ اُس کی سلطنت باطنی میں صورت ظاہری عوام کی سی اور باطن خواص کا سا ہو جس کی حکمت کتمان اور تواضع اور اتباع سنت ہے۔ قال رح

حافظ اینجا بادب باش کہ سلطان و ملک　　ہمہ در بندگی حضرت درویشان ست

یعنی کاملین کے ساتھ باادب رہو کہ اُن کی یہ عظمت ہے کہ ناسوت کے اکابر کہ سلاطین ہیں اور ملکوت کے عظماء کہ ملائکہ ہیں سب ان حضرات کے سامنے بہ عجز و نیاز پیش آتے ہیں چنانچہ مسجودیت آدم علیہ السلام و منصوریت حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم فی الغزوات بواسطہ ملائکہ اور عالم باعمل کے لیے ملائکہ کا استغفار اور جبریل علیہ السلام کی ندا پر ملائکہ کا محبوبانِ حق سے محبت کرنا قرآن و احادیث میں منصوص ہے اور نیاز سلاطین کا مشاہد ہے۔ قال رح

غزل

مطلب طاعت و پیمان صلاح از من مست ۔۔۔ کہ بہ پیمانہ کشی شہرہ شدم روز الست

اس میں اہل حال کی بعض معذوریوں کا بیان ہے کہ اگر مستی کے غلبہ میں طاعت و صلاح میں اُن سے کوئی کوتاہی ہو جاوے تو اُن سے دارو گیر و ملامت مناسب نہیں کہ روز الست سے (مراد مجازاً مرتبہ اعیان ثابتہ کا ہے) میں پیمانہ کشی یعنی سرشاری محبت و مغلوبیت حال کے ساتھ موصوف ہوں حاصل اس کا وہی ارشاد ہے کہ مرفوع القلم کو معذور سمجھنا چاہیے۔ قال رح

من ہماندم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق ۔۔۔ چار تکبیر زدم یکسرہ بہ ہر چہ کہ ہست

چار تکبیر زدن ترک کلی کردن ۔ یعنی جب عشق حقیقی کا غلبہ ہوا سب ماسوی اللہ سے تعلق قطع کر دیا اس میں بیان ہے عشق الٰہی کے اثر کا کہ وہ ماسوا سے نظر کو اٹھا دیتا ہے قال رح

می بدہ تا دہمت آگہی از سرّ قضا ۔۔۔ کہ بروی کہ شدم عاشق و از بوی کہ مست

اس میں خطاب ہے معترض ملامت گر کو ۔ اور می بدہ میں اسناد مجازی ہے جیسا عنقریب واضح ہوگا حاصل یہ ہے کہ تو جو مجھ پر اعتراض و ملامت کر رہا ہے جس کا سبب غلبہ احوال عشق میں کچھ نشیب و فراز واقع ہو جاتا ہے سو مجھ کو ذرا مستی ہونے دے اسی کو مجازاً می بدہ کہہ دیا ہے اُس وقت تجھ کو راز قضا سے آگاہ کروں گا کہ میں کس ذات پر عاشق ہوا ہوں اور کس کی صفات و کمالات سے مست ہوا ہوں اور وہی عشق و مستی اس نشیب و فراز کا سبب ہو گیا ہے ۔ اس کو سر قضا اس لیے کہا کہ اس عشق و سکر سے ایسے

امور کا وقوع مقدر ہو چکا تھا اس میں ارشاد ہے کہ اہل سکر پر اعتراض مناسب نہیں۔
قال رح ؎

کمر کوہ کم است از کمر مور اینجا　　　ناامید از در رحمت مشوای بادہ پرست

کوہ سے مراد عوائق و موانع سلوک و وصول۔ اُن کو بوجہ ثقل کے کوہ سے تشبیہ دی۔ مطلب یہ کہ سالک و طالب کو کبھی ناامید نہ ہونا چاہیے کیونکہ جن موانع کو تم ثقیل سمجھتے ہو وہ نظر بفضل و رحمت آلہیہ نہایت ضعیف و خفیف ہیں اُن کا رفع ہو جانا کچھ دشوار نہیں وہذا کما قال العارف الرومی ؎

تو مگو ما را بداں شہ بار نیست　　　بر کریمان کارہا دشوار نیست

اس تعلیم سے باعتبار فن کے یہ نفع ہے کہ اس سے دل میں نشاط ہوتا ہے اور اُس سے مجاہدہ کا مفتاح مشاہدہ ہونا معلوم ہے غرض یہ معین حصول مقصود ہے۔ قال رح ؎

جان فدای دہنت باد کہ در باغ نظر　　　چمن آرائی جہان خوشتر ازیں غنچہ نہ بست

ممکن ہے کہ اس میں مدح مرشد کی ہو اور چونکہ دہن سے تعلیم و تلقین ہوتی ہے جو مظہر ہے ذرائع قرب کا اس لیے اس کی تخصیص ذکر کی گئی اس میں اشارہ ہوگا وحدت مطلب کی طرف کہ مسئلہ ہے فن کا جس کی شرح حسب ارشاد مولائی مرشدی رحمۃ اللہ علیہ یہ ہے کہ اپنے شیخ کی نسبت یہ اعتقاد رکھے کہ زندہ بزرگوں میں اُس سے بہتر مجھ کو نفع پہنچانے والا میسر نہ ہوگا۔ قال رح ؎

بجز آں نرگس مستانہ کہ چشمش مرساد　　　زیر ایں طارم فیروزہ کسی خوش نہ نشست

نرگس مستانہ چشم محبوب مراد از چشم اہل اللہ کہ مقصود را دیدہ۔ یعنی بجز اہل اللہ کے اس عالم میں کوئی خوش نہیں بلکہ سب ماسوی اللہ پریشان ہیں قال اللہ تعالیٰ من عمل صالحا من ذکر او انثی فلنحیینہ حیوۃ طیبہ۔ وقال تعالیٰ ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا۔ وقال الرومی ؎

ہرچہ جز ذکر خدائے احسن است　　　گر شکر خواری ست ان جان کندن ست

وہذا مشاہدٌ اور جملہ دعائیہ چشمش مرساد معترضہ ہے۔ قال رح

حافظ از دولتِ عشقِ تو سلیمانی یافت یعنی از وصل تواش نیست بجز باد بدست

باد بدست کنایہ از عدم حصول۔ یعنی چونکہ محبوب حقیقی کا وصل مجھ کو حاصل نہ ہوا تو باد بدست ہونے کی وجہ سے مجھ کو رتبہ سلیمانی حاصل ہے کیونکہ ایک معنی کے اعتبار سے وہ بھی باد بدست تھے یعنی باد اُن کی مسخر تھی اس تعبیر میں صنعت شاعری ہے اصل مقصود دو امر کا تبلانا ہے ایک یہ کہ سالک کو چاہیے کہ کبھی اپنے کو واصل نہ سمجھے کیونکہ سلوک کا حقیقت میں کہیں منتہیٰ نہیں اور حقیقت وصول کی انتہا ہے سلوک کا۔ دوسرے یہ کہ سلوک میں نامرادی کو بھی کہ عدم الوصول اُس کی ایک فرد ہے دولت سمجھے اور تنگ دل نہ ہو کہ اُس میں بھی مصالح ہیں اور اس پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ اس سے اوپر کا شعر اس کے معارض ہے کیونکہ وہاں معلوم ہوتا ہے کہ طالب حق ہمیشہ خوش رہتا ہے اور یہاں اُس کی نامرادی کہ مستلزم ناخوشی کو ہے معلوم ہوتی ہے جواب یہ ہے کہ یہ مقدمہ کہ نامرادی مستلزم ناخوشی کو ہے غلط ہے گو طبعًا اس پر حزن وتاسف ہو مگر عقلاً وہ اس پر بھی راضی ومسرور ہوتا ہے کیونکہ یہ حالت بھی منافی قرب نہیں بلکہ طرق الوصول الی اللہ بعدد انفاس الخلائق ثابت و مقرر ہے فافہم وفی المقام بسط۔ اور غزل آئندہ کا شعر اول اسی مضمون میں ہے۔ غزل قال رح

سرِ ارادتِ ما و آستانِ حضرتِ دوست کہ ہرچہ بر سرِ ما میرود ارادتِ اوست

یعنی ہمارا سر ارادت وتسلیم محبوب حقیقی کے آستان پر رکھا ہے کسی حال میں اُس کی شکایت نہیں کرتے کیونکہ ہم پر جو کچھ گذر رہا ہے یہ اُسی کی مشیت سے ہے اور اُس کی مشیت سراسر حکمت ومصلحت ہے اس لیے قبض وبسط وغیرہ سب خیر ہے۔ تنبیہ جاننا چاہیے کہ ماتیعلق بہ المشیتہ الازلیۃ اگر فعل عبد نہیں مثل احوال ومواجید تب تو من کل الوجوہ اُس پر رضا واجب ہے اور اگر فعل عبد ہے تو حسن شرعی کا بھی یہی حکم ہے اور اگر وہ قبیح شرعی ہے تو من حیث انہ مخلوق للہ تعالےٰ اُس پر رضا واجب ہے اور اُس میں بھی من حیث المجموع حکمت ہے اور من حیث انہ صادر من العبد اُس پر رضا جائز نہیں اور اس حیثیت سے وہ خلاف حکمت ہے فافہم۔ پس شعر میں مراد ہرچہ سے غیر فعل عبد ہے۔ قال رح

نظیر دوست نه دیدم اگرچہ از مہ و مہر نہادم آئینہ ہا در مقابل رخ دوست

از مہ و مہر بیان آئینہ ہاست۔ یعنی یہ امر معتاد ہے کہ آئینہ میں مرئی کا جو عکس پڑتا ہے و من وجہ نظیر مرئی کا ہوتا ہے مگر محبوب حقیقی ایسا بے نظیر ہے کہ میں نے مہر و ماہ کے آئینہ میں بھی کہ انور المرایا ہیں نظر کرکے دیکھا تو اُس کا نظیر نہ پایا۔ اس میں ایک دقیق مسئلہ کی تحقیق ہے وہ یہ کہ قوم کی لسان پر مشہور ہے کہ مخلوقات مرایا و مظاہر ہیں جمال الٰہی کے اس سے عوام یوں سمجھتے ہیں کہ ان مخلوقات میں جو صفات ہیں ان ہی کے امثال خالق میں ہوں گے اور وہ صفات خالق ان مخلوقات میں بعینہ منعکس و مرتسم ہیں اس میں اس غلطی پر متنبہ کردیا کہ یہ مرآۃ بایں معنی نہیں کما حققتہ فی شرح المثنوی المسمی بکلید مثنوی بلکہ جس طرح ہر مصنوع اپنے صانع کی صفات کمال پر دال ہوتا ہے اسی مرتبہ میں یہ مصنوعات صانع برحق کی صفات کے لیے مابہ الانکشاف ہے۔ قال رح

نثار روی تو ہر برگ گل کہ در چمن ست فدای قد تو ہر سروبن کہ در لب جوست

برگ گل و سروبن کنایہ از محبوبان مجازی کا حسن و جمال ناقص ہے اور محبوب حقیقی کا کامل اور ناقص کا کامل پر فدا ہونا زیبا ہے۔ قال رح

مگر تو شانہ زدی زلف عنبر افشاں را کہ باد غالیہ سا گشت و خاک عنبر اوست

مدلول لفظی تو ظاہر ہے اور مراد معنوی یہ ہے کہ یہ مخلوقات جو مختلف کمالات سے متصف ہو رہی ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ کامل حقیقی نے اپنی صفات کا اظہار کیا ہے۔ قال رح

رخ تو در دلم آمد مراد خواہم یافت چرا کہ حال نکو در قفائے فال نکوست

مطلب معنوی یہ ہے کہ محبوب حقیقی کا تصور میرے دل میں جم گیا ہے تو اب امید ہے کہ وصول الی اللہ میسر ہو جاوے گا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ ذکر اور فکر مفتاح ہے کامگاری قرب کی۔ قال رحمہ

صبا ز حال دل تنگ ما چہ شرح دہد کہ چوں شکنج ورقہائے غنچہ تو بر توست

مراد معنوی یہ معلوم ہوتی ہے کہ زبان سے دل کا حال پورا ظاہر نہیں ہو سکتا کیونکہ حال دل بوجہ ذوقی و وجدانی ہونے کے باطن در باطن و غیر معبر عنہ ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ اہل حال کے کلمات پر مدار حکم نہ چاہیے۔ قال رح

نہ من سبو کش ایں دیر زہد سوزم و بس بسا سرے کہ دریں آستانہ سنگ سبوست

سبو کش محنت کشندہ۔ دیر زہد سوز کنایہ از عشق کہ احوال زہد ظاہری را مغلوب سازد۔ سنگ و سبو صدمہ رسیدہ بلا یعنی اس عشق سے صرف میں ہی گرفتار بلا نہیں ہوا بلکہ بہت سے گرفتار بلا ہو چکے ہیں۔ اشارہ اس طرف ہے کہ طریق محبت میں مصائب و متاعب سے گھبرانا نہ چاہیے۔ قال رح ؎

زبان ناطقہ در وصف حسن او لال ست چہ جای کلک بریدہ زبان بیہودہ گوست

قاعدہ مقرر ہے کہ تقریر سے ادائے مافی الضمیر بہ نسبت تحریر کے زیادہ ممکن ہے اور جس کی تعبیر زبان سے نہ ہو سکے تحریر سے بدرجہ اولے نہیں ہو سکتی۔ مطلب یہ ہے کہ محبوب حقیقی کے کمالات نہ تقریر میں آسکتے ہیں نہ تحریر میں اشارہ اس طرف ہے کہ عشاق کے کلام میں جو کچھ محبوب حقیقی کی شان میں وارد ہوتا ہے اُس کو عبارت کا قبہ نہ سمجھا جاوے وہ ناتمام تعبیر ہوتی ہے اس لیے نہ حق تعالےٰ سے اعتقاد خراب کرے نہ عشاق سے فافہم۔ قال رح ؎

نہ ایں زمان دل حافظ در آتش طلب ست کہ داغدار ازل ہمچو لالۂ خود روست

یعنی میرا عشق و طلب امر مستانف نہیں بلکہ مقدر ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ کمالات میں اپنے اکتساب کو موثر نہ سمجھے بلکہ حقیقی علت اس کی مشیت و موہبت ہے جیسے لالہ خود رو کہ مزروع نہیں ہوتا محض قدرتی چیز ہے۔

غزل۔ قال رح ؎

دل سرا پردۂ محبت اوست دیدہ آئینہ دار طلعت اوست

طلعت بمعنی طلوع و ظہور مراد آیات صنع و قدرت من حیث آنہا آیات یعنی دل محبوب حقیقی

کی محبت سے اور آنکھ اُس کی آیات قدرت کے مشاہدہ سے لبریز ہے۔ اُس میں ترغیب ہے تحصیل مقامات و علوم محمودہ کی کہ محبت مقام ہے اور مشاہدہ آیات للاعتبار و الاستدلال علم مطلوب ہے۔ قال رح ؎

منکہ سر در نیاورم بدو کون — گردنم زیر بار منت اوست

حاصل اس کا یہ ہے کہ میں دونوں عالم کی طرف التفات نہیں کرتا اور اپنے محبوب کا ممنون ہوں اور اُس کی دو تقریریں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ اول مصرع علت اور دوسرا معلول ہو دوسرے اس کا عکس یعنی چونکہ میں دونوں عالم سے مستغنی ہوں اس لیے محبوب کا ممنون ہوں کہ اُس کی عنایت سے یہ نعمت میسر ہوئی۔ یا یوں کہا جاوے کہ چونکہ میں محبوب کا ممنون اور اُس کا محب ہوں اس لیے دونوں عالم سے مستغنی ہوں اور اس استغناء و بے التفاتی سے مراد یہ ہے کہ درجہ استحضار میں اُس کی طرف التفات نہیں ورنہ آخرت ایک درجہ میں مطلوب ضرور ہے گو بالعرض سہی چنانچہ کہا گیا ہے ع عاشقان جنت برائے دوست میدارند دوست قال رح ؎

تو و طوبے و ما و قامت یار — فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

یہ خطاب ہے زاہد کو کہ تو جنت کا طالب ہے اور ہم محبوب حقیقی کے پس یہ شعر بھی قریب قریب شعر اول کے ہے اور گو جنت زاہد کو بھی مطلوب بالذات نہیں مگر ظاہر ہے کہ بہ نسبت عاشق کے زاہد کو جنت کا استحضار زیادہ ہے۔ قال رح ؎

دور مجنون گذشت و نوبت ماست — ہر کسی پنج روزہ نوبت اوست

اس شعر کی تین غرضیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ کوئی شخص اپنی طلب و محبت پر مغرور نہ ہو کیونکہ عشاق ہر زمانہ میں ہوا کیے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ترغیب ہو تحصیل عشق کی کہ عشق و طلب کا چرچا ہر زمانہ میں رہا ہے تم کو بھی اُس کی تحصیل میں سعی کرنا چاہیے۔ تیسرے یہ کہ محبوب کا حسن دائم ہے اور عشاق فنا ہوتے چلے جاتے ہیں اور میرے نزدیک یہ تیسرا اقرب ہے۔

منکہ باشم در آن حرم کہ صبا پردہ دار حریم حرمت اوست

قاصد کو باعتبار سبک روی و تبلیغ خبر کے صبا سے تشبیہ دیا کرتے ہیں کہ وہ بھی خفیف السیر و نافل روائح و شمائم ہوتی ہے یہاں مراد ملائکہ یا انبیاء علیہم السلام ہیں یعنی جب محبوب حقیقی کی عظمت کا ادراک و معرفت مرتبہ کنہ ذات میں ایسے مقدسین و مقربین کو حاصل نہیں بلکہ وہ بھی پردہ کے باہر ہیں کما قال سید البشر علیہ صلوٰۃ لاتحصی و لاتحصر لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک اس میں تعلیم ہے کہ ذات من حیث الذات کا ادراک محال ہے اس کی فکر میں نہ لگے۔

کما قال رح ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چین کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

قال رح ؎

من و دل گر فنا شویم چہ باک غرض اندر میان سلامت اوست

مطلب یہ کہ اگر میں یعنی احوال جسمیہ از قبیل قوت و نشاط اور دل یعنی احوال قلبیہ از قبیل لذت و انبساط فانی و زائل ہو جاویں تو کچھ غم نہیں جیسا اکثر ناواقف احوال کو مقصود سمجھتے ہیں احوال قلبیہ کو بالذات اور جسمیہ کو اُن احوال قلبیہ کی تحصیل کے لیے اور اُن کی کمی سے تنگ اور پریشان ہوتے ہیں اس شعر میں اس خیال کی غلطی ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کا کچھ غم نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ احوال اختیاری نہیں اور امور غیر اختیاریہ مقصود نہیں اصل مقصود تعلق و قرب محبوب ہے جو وابستہ ہے ذکر و طاعت کے ساتھ سلامت اوست سے یہی مراد ہے یعنی سلامت تعلق او کما قال العارف الرومی فی التوحید ؎

جملہ شان پیدا و ناپیدا است باد آنکہ ناپیدا است ہرگز کم مباد

ای از دل ماکز افسرہ مرشدی رحمہ فی ہذا المعنی قال الرومی رح ؎

روزہا گر رفت گو رو باک نیست تو بمان ای آنکہ چوں تو پاک نیست

روزہا ای احوال و مواجید وغیرہا۔

بے خیالش مباد منظر چشم زانکہ این گوشہ خاص خلوت اوست

مطلب ظاہر ہے کہ دوام ذکر و مشاہدہ کی تمنا کرتے ہیں اور چشم سے مراد بصیرت سے بصر نہیں اور اس کو خلوت اس لیے کہا کہ قلب میں دوسرے کی گنجائش نہیں اور بعض نسخوں میں خلوت کی جگہ دولت ہے مراد ملک وحق۔ قال رح

گر من آلودہ دامنم چہ عجب　　　ہمہ عالم گواہ عصمت اوست

مطلب ظاہری تو یہ کہ حساد جو مجھ پر محبوب کے معاملہ میں تہمتیں لگاتے ہیں تو میرا ملوث ہونا تو عجیب نہ تھا مگر وہ تو پاک دامن ہے اس سے استدلال ہو سکتا ہے ان تہمتوں کے کذب ہونے پر۔ اور بلسان اشارہ عجب نہیں کہ ایک مسئلہ حقیقت کی طرف اشارہ ہو جس کو اہل کلام نے بیان کیا ہے وہ یہ کہ عبد سے جو صدور قبائح کا ہوتا ہے اور اہل حق خالق اُن قبائح کا حق تعالےٰ کو کہتے ہیں اس سے کوئی نقص ذات حق میں لازم نہیں آتا کیونکہ صدور قبائح کا قبیح نہیں ہے اس کی نزاہت باتفاق اہل ملل علی حالہا ہے۔

ہر گلے نو کہ شد چمن آرائے　　　اثر رنگ و بوی صحبت اوست

صحبت سے مراد تعلق تکوینی مطلب یہ کہ جو کامل عالم میں ظاہر ہوتا ہے وہ محبوب حقیقی کی صنعت کا طفیل ہے یعنی کامل حقیقی وہی ہے دوسرا کوئی قابل طلب و التفات نہیں۔ پس اس میں ترغیب ہوئی اعراض عما سواسے۔ قال رح

فقر ظاہر مبیں کہ حافظ را　　　سینہ گنجینۂ محبت اوست

مقصود یہ ہے کہ اہل اللہ کی ظاہری بے سروسامانی سے اُن کی تحقیر نہ کرے اُن کے پاس بڑا خزانہ محبت و معرفت آلہیہ کا موجود ہے۔

غزل

آں سیہ چردہ کہ شیرینی عالم با اوست　　　چشم میگون لب خنداں دل خرم با اوست

گرچہ شیریں دہنان پادشہانند ولے　　　آں سلیمان زمان ست کہ خاتم با اوست

روی خوبست و کمال ہنر و دامن پاک — لاجرم ہمت پاکان دو عالم با اوست

خال مشکین کہ بر آں عارض گندم گون ست — سرآں دانہ کہ شد رہزن آدم با اوست

دلبرم عزم سفر کرد خدا را یاراں — چہ کنم با دل مجروح کہ مرہم با اوست

با کہ ایں نکتہ تواں گفت کہ آں سنگین دل — کشت مارا و دم عیسےٰ مریم با اوست

حافظ از معتقدان ست گرامی دارش — زانکہ بخشایش بس روح مکرم با اوست

اس غزل کے شعر چہارم کی ترکیب محتاج تنبیہ ہے اس لیے لکھتا ہوں۔ خال مشکین اپنے مابعد کی صفت سے مل کر مبتدا ہے اور مصرعہ ثانی اُس کی خبر ہے اور با او میں ضمیر اور راجع ہے طرف مبتدا کے۔ اور اس غزل کو ظاہر سے منصرف کرنا میرے نزدیک تکلف ہے ظاہر یہی ہے کہ یہ مضمون شاعرانہ ہے اور محبوب ظاہری کے باب میں ہے جو رنگ میں ملیح ہوگا اس میں اہل نظر کا ذوق مختلف ہوتا ہے بہرحال حاصل یہ ہے کہ میرا محبوب ملیح کہ تمام عالم کی شیرینی وحلاوت اُس میں مجتمع ہے (یہ مبالغہ ہے) اُس کے پاس یہ چیزیں ہیں چشم میگون۔ لب خنداں۔ دل خورم (یعنی لوازم محبوبیت) اور وہ میرا محبوب اور محبوبوں سے وہ نسبت رکھتا ہے جو سلیمان علیہ السلام دوسرے سلاطین سے نسبت رکھتے ہیں میرے محبوب کی چونکہ صورت بھی اچھی ہے اور صاحب ہنر یعنی جامع صفات حمیدہ بھی ہے اور اُس کے ساتھ عفیف بھی ہے اس لیے دونوں عالم کے پاکوں کی توجہ اُس کی طرف ہے (یہ مطلب نہیں کہ دنیا والوں کی بھی اور ملکوت والوں کی بھی بلکہ مطلب یہ ہے کہ دنیا ہی میں جو طرح کے ... ہوں موجو... ہیں بعضے وہ جو دنیا دار کہلاتے ہیں اور محرمات سے بچتے ہیں اور بعضے وہ جو دیندار کہلاتے ہیں اور محرمات سے بچتے ہیں۔ پس دونوں عالم والوں سے مراد اہل دنیا و اہل دین رہا یہ کہ جب اُن کی توجہ اہل حسن کی طرف ہوئی تو وہ پاک کہاں رہے سو بات یہ ہے کہ توجہ کے اقسام مختلف ہیں۔ ایک وہ جس میں شائبہ شہوت کا ہو وہ بے شک پاکی کے خلاف ہے اور ایک وہ جس میں شائبہ شہوت کا نہ ہو مگر طبعی امر ہے کہ شے مستحسن سے قلب کو انبساط ہوتا ہے اور شے مستقبح سے انقباض ہوتا ہے خواہ وہ غیر آدمی ہو جیسے صاف کپڑے کو دیکھ کر فرحت ہوتی

ہے اور میلے کپڑے کو دیکھ کر کدورت ہوتی ہے یا آدمی ہو جیسے حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ ایام شیر خوارگی میں بدشکل آدمی کی گود میں نہ جاتے تھے۔ پس اس توجہ سے مراد یہ انبساط ہے اور یہ پاکی کے خلاف نہیں مگر دونوں میں فرق کرنا سخت دشوار ہے بالخصوص اول نظر میں اس لیے عوام کو مطلق نظر و التفات سے روکنا واجب ہوگا۔ اور چونکہ یہ دوسری توجہ شائبہ معصیت وشہوت سے پاک ہے اور مخصوص ہے پاک لوگوں کے ساتھ اس لیے اگر اس استحسان کے ساتھ اُس حسین آدمی میں اخلاق محمودہ اور عفت نہ ہو جن کا نہ ہونا مقتضی ہے پاک لوگوں کے تنفر و انقباض کو اور مانع ہے توجہ سے اس صورت میں وہ استحسان موجب توجہ ان حضرات کا نہ رہے گا بخلاف توجہ شہوانی کے کہ وہ اس صورت میں بھی ہوگی بلکہ زیادہ ہوگی سو فرماتے ہیں کہ چونکہ میرا محبوب جامع حسن صورت وحسن سیرت کا ہے۔ اس لیے پاک لوگوں کو اُس کی طرف دوسری قسم کی توجہ ہے خوب سمجھ لیا جاوے آگے فرماتے ہیں کہ اُس کا وہ خال مشکین جو اس رخسارہ گندم گون پر ہے اُس کی یہ شان ہے کہ جو دانہ آدم علیہ السلام کا رہزن ہوا تھا اُس دانہ کا سرا اُس خال سے ملا ہوا ہے (جس سے اُس کا اس میں یہ اثر آ گیا ہے کہ یہ خال بنی آدم کا رہزن ہو گیا ہے کہ لوگ اُس پر مفتون وشیدا ہوتے ہیں) اور میرے محبوب نے کہیں کے سفر کا ارادہ کیا ہے یارو خدا کے لیے بتلاؤ میں اس دل مجروح کا کیا علاج کروں کہ اس کا مرہم تو (کنایہ دیدار سے ہے) اُس محبوب کے پاس ہے (اور وہ سفر میں جاتا ہے پھر یہ دل بے مرہم رہ جاوے گا) اور یہ باریک مضمون کس سے کہا جا سکتا ہے کہ اُس سنگین دل نے ہم کو قتل کر ڈالا حالانکہ انفاس مسیحائی اُس کے پاس ہیں (جن کا مقتضا احیاء ہے اور اسی لیے اس کو باریک مضمون کہا کہ ظاہر جمع بین الضدین ہے کہ سبب احیاء سبب امانت ہو جاوے) حافظ تمہارے ماننے والوں میں ہے اُس کی خاطر کیا کرو کیونکہ (علاوہ عقیدت مندی کے ایک اور سبب بھی اُس کے اکرام کا ہے وہ یہ کہ) بہت سے بزرگ روحوں کی مہربانی اُس کے حال پر ہے (اگر ان ارواح سے مراد ارواح احیاء ہیں تب تو معنی ظاہر ہیں کہ بہت سے اچھے اچھے لوگ اُس کی بزرگداشت کرتے ہیں وہ ایسا برا آدمی نہیں جس سے تم کو تنفر ہو اور اگر ارواح اموات مراد ہیں تو یہ موقوف ہے اثبات فیضان ارواح پر جو اپنے محل میں ثابت ہے اور غیاث میں روح مکرم جبریل علیہ السلام کو لکھا ہے مگر لفظ بس چونکہ تعدد پر دال ہے معنی یہ ہوں گے کہ

کہ بہت سے جبریل صفت بزرگوں کی عنایت اُس کے حال پر ہے ۔ اور اگر ان اشعار کو محبوب ظاہری سے منصرف کر کے کلام عارفانہ بنایا جاوے تو غایت مافی الباب مرشد کو خطاب ہو سکتا ہے جس میں بعض اشعار بے تکلف درست ہو جاتے ہیں اور بعض کسی قدر تکلف سے جس میں زیادہ تامل کی ضرورت نہیں اسی واسطے انطباق کی تقریر مفصل کی حاجت نہیں سمجھی گئی واللہ اعلم ۔ مثلاً شعر اول میں سیاہ چردہ سے اشارہ ہوگا کہ کمالات اس مرشد کے نظر عوام سے مستتر ہیں جیسا حسن ملیح کا کہ خفی ہوتا ہے بمقابلہ حسن صبیح کے یا اس وجہ سے کہ حسن ملیح بہ نسبت حسن صبیح کے متمکن ہوتا ہے اشارہ ہو مرشد کے صاحب تمکین ہونے کی طرف ۔ اور مثلاً شعر چہارم میں خال مشکیں سے مراد لوازم بشریت جو ناشی ہیں ظلمات ہیولیٰ سے سو بشر کامل میں لوازم بشریت کا خلط صفات ملکوتیہ کے ساتھ عجب لطف دیتا ہے بہ نسبت ملکیت محضہ کے کیونکہ صفات ملکیہ کا ظہور باوجود موانع کے دلیل زیادہ کمال کی ہے ۔

غزل

دارم امید عاطفتے از جناب دوست ۔۔۔ کردم جنایتے و امیدم بعفو اوست

دانم کہ بگذرد ز سر جرم من کہ او ۔۔۔ گرچہ پری وشست ولیکن فرشتہ خوست

یہ دونوں شعر مقام رجا کے ہیں کہ مجھ کو حضرت محبوب حقیقی سے امید رحمت کی ہے میں نے گناہ تو کیا ہے لیکن اُس کے عفو کی امید ہے میں جانتا ہوں کہ وہ میرے جرم سے درگذر فرمائے گا کیونکہ اگرچہ اُس میں صفات جلالیہ و قہریہ بھی ہیں لیکن ساتھ ہی صفات جمالیہ و لطیفہ بھی ہیں (پری چوں از نار باشد کہ مہلک است کنایہ از قہر شد و فرشتہ چوں از نور باشد کہ مربی ست کنایہ از لطف شد) ۔

بے گفتگوی زلف تو دل راہمی برد ۔۔۔ با زلف سرکش تو کرا روی گفتگوست

زلف کنایہ از جذبہ غیبی و گفتگو کنایہ از دعویٰ استحقاق یعنی کوئی شخص اس قابل نہیں کہ استحقاق انجذاب کا دعوے کرے کیونکہ کسی کے پاس ایسا عمل نہیں محض آپ کا فضل ہے کہ جس پر عنایت ہوتی ہے اُس کو منجذب فرما لیتے ہیں دیدیں ۵ من الحدیث قولہ علیہ السلام ما منکم احد یدخل الجنۃ بعملہ قالت عائشۃ رض ولا انت یا رسول اللہ

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ برحمۃ اھ
اور بعض نسخوں میں بار روی دلکش ہے اشارہ ہو گا طرف قرب و مشاہدہ مقصود کے یعنی اگر جذب نہ ہوتا تو مشاہدہ و وصول کا مستحق اور مدعی کون ہو سکتا تھا محض آپ کا جذبہ ہی موصل ہے۔

عمریست تا ز زلف تو بوی شنیدہ ایم ۔۔۔ زاں بوی در مشام دل ما ہنوز بوست

حاصل یہ ہے کہ جب سے ہم عاشق ہوئے ہیں وہ عشق بحالہ باقی ہے اُس میں تغیر و زوال نہیں آیا۔ اشارہ ہے اس مسئلہ کی طرف الفانی لایرد۔

ہیچ است آں دہان کہ ندیدم ازو نشان ۔۔۔ موئیست آں میان وندانم کہ اینچہ موست

دہان و میان کنایہ از صفات ست دہان از صفاتیکہ آثارش در مصنوعات ظاہر ست چنانچہ در حزب اعظم ست اسئالک باسمک الذی وضعتہ علی الارض فاستقرت وعلی السموات فاستقت وعلی الجبال فرست و اسالک باسمک الذی استقربہ عرشک وباسمک الذی وضعتہ علی النہار فاستنار وعلی اللیل فاظلم ومیان از صفاتیکہ آثارش در مصنوعات ظاہر نیست کہ بسیدی ابراہماء وصفات در علم غیب خاص مخزون ومکنون ست چنانچہ در حصن حصین آمدہ۔ اسالک بکل اسم ھولک سمیت بہ نفسک او انزلتہ فی کتابک اوعلمتہ احدا من خلقک او استاثرت بہ فی علم الغیب عندک۔ ولا یرد علی عدم ظہور لبعض الاسماء والصفات مایقال ان الاسماء جمیلۃ یقتضی الظہور فان المراد ہی الاسماء التی ظہرت آثارہا فی الاکوان لان ہذا القول یقال لبیان حکمۃ وجود الاکوان فیختص بالاسماء التی لہا دخل فی ہذا الوجود وہذا الاقتضاء للظہور لیس اضطراریا بل ہو داخل تحت المشیۃ فما اراد اقتضاء اقتضی ومالا فلا فافہم فان المقام مطرح الانظار ومزل الافکار واللہ اعلم بحقایق الاسرار۔ مطلب یہ ہوا کہ صفات حق سبحانہ وتعالے کی کنہ کسی کو مدرک نہیں ہوئی جو کچھ علم ہے بالوجہ ہے یہ مسئلہ تصوف و کلام میں مشترک ہے۔

دارم عجب ز نقش خیالش کہ چوں نرفت ۔۔۔ از دیدہ ام کہ دمبدمش کار شست وشوست

ترجمہ ظاہر ہے اشارہ اس طرف ہے کہ محبت جب دل میں رچ جاتی ہے پھر اس کا زوال نہیں ہوتا جیسا حدیث میں ہے کذلک الایمان اذا خالط بشاشتہ القلوب اور رونے سے جو کچھ جوش میں کمی معلوم ہوتی ہے وہ بعض آثار عارضہ میں ہوتی ہے محبت میں نہیں۔

چنداں گرستیم کہ ہر آنکس کہ بر گذشت ۔۔۔ از دیدہ ام چو دید رواں گفت این چہ جوست

قولہ بر گذشت ای بر من۔ قولہ چو دید روان ای اشک را باقی ظاہر ست۔ اس میں اشارہ ہے بعض الوان محبت کی طرف کیونکہ اہل محبت میں سے کسی پر شوق کا غلبہ ہوتا ہے کسی پر انس کا کسی پر ہیبت کا کسی پر حزن کا عجب نہیں کہ صاحب دیوان پر غلبہ شوق کا ہو جس سے گریہ غالب رہتا ہو۔

ما سر چو گوی بر سر کوی تو باختیم ۔۔۔ واقف نشد کہ کسی کہ چہ گو لیست وانیچہ کوست

اس میں یا تو اس طرف اشارہ ہے کہ بعض الوان محبت کا کسی کو ادراک نہیں ہوتا جیسے اکثر منتہیوں کی حالت ہوتی ہے کہ غایت لطافت وعلو احوال باطنیہ کے سبب عوام سے بھی ممتاز نہیں ہوتے وہذا احد وجوہ قولہم فی تفسیر النہایۃ ہی الرجوع الی البدایۃ۔ اوریا اس طرف اشارہ ہے کہ مطلقاً نسبت بین العبد و بین اللہ کی کنہ دوسرے شخص کو مدرک نہیں ہوتی گو بعض آثار کا بعض کو ادراک ہو جاوے وہذہ النسبتہ ہی الولایۃ التی قیل فیہا

میان عاشق ومعشوق رمزیست ۔۔۔ کراما کاتبین را ہم خبر نیست

حافظ بدست حال پریشان تو ولے ۔۔۔ بر یاد زلف یار پریشانیت نکوست

یعنی گو یہ پریشانی ظاہراً قبیح معلوم ہوتی ہے لیکن اُس کی یاد میں یہ مستحسن ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ سالک قبض سے اور بعض احوال وواردات سے گو بہت تنگ وپریشان ہوتا ہے حتیٰ کہ بعض نے خودکشی تک کر لی ہے لیکن واقع میں وہ اس کے حق میں بہتر ہے یا تو اس لیے کہ انجام اُس کا بسط وجمعیت ہے اور یا اس لیے کہ قطع نظر انجام سے خود وہ اپنی ذات میں بھی اس کے لیے مصلحت ہے کیونکہ خود سالک کو معلوم نہیں ہو سکتا کہ میری تربیت کس طریق سے مناسب ہے حق تعالے حقائق امور پر مطلع ہیں جس طرح اُس کے لیے مصلحت ہوتی

ہے اس کی تربیت فرماتے ہیں شلاً ممکن ہے کہ بسط سے اُس کو عجب ہو جاتا اور قبض سے تذلل وانکسار ہو گا بالکل طبیب و مریض کا سا قصہ ہے۔

غزل

آں شب قدری کہ گویند اہل خلوت امشب ست یارب این تاثیر دولت از کدامی کوکب ست

ظاہراً یہ شعر حالت بسط کا ہے اور گو بسط فی نفسہ مطلوب نہیں لیکن اُس پر مسرت ہونا امر طبعی ہے اور امور طبیعہ کا حالت کمال میں بھی انفکاک نہیں ہوتا۔ اور دوسرے مصرعہ میں کہ بعنوان تعجب ہے اشارہ اس طرف ہو سکتا ہے کہ وارد ات کو اپنا استحقاق اور اپنے اعمال وطاعت کا ثمرہ نہ سمجھے بلکہ اپنے کو اُس کا اہل نہ سمجھ کر خدا تعالےٰ کا فضل جانے جیسا تعجب سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اور نسبت کرنا کوکب کی طرف بناءً علی المشہور شاعری ہے ؎

تا بگیسوی تو دست ناسزایان کم رسد ہر دلے در حلقۂ در ذکر یارب یارب ست

ترجمہ کا حاصل تو یہ ہے کہ اے محبوب تیرے ہر حلقہ زلف میں جو عشاق کے قلوب پھنس رہے ہیں وہ یارب یارب کے ذکر میں اس لیے مشغول ہیں کہ تیرے گیسو تک نا اہلوں کا ہاتھ نہ پہنچے اور اس نام کی برکت سے وہ محفوظ رہے۔ یا یہ کہ مقصود اس یارب سے یہ دعا ہے کہ یارب ناسزایان را دسترس بگیسوی محبوب مباد تو توجیہ اور بھی ظاہر ہے۔ اور اشارہ اس معنی کی طرف ہو سکتا ہے کہ طریق وصول میں جو طالبین کے لیے اسباب ہدایت ہیں وہ معاندین کے لیے سامان ضلالت ہیں کما قال تعالیٰ یضل بہ کثیرا و یہدی بہ کثیرا وقال تعالیٰ فاما الذین امنوا فزادتھم ایمانا وھم یستبشرون واما الذین فی قلوبھم مرض فزادتھم رجسا الی رجسھم۔ تقریر کلام کی یہ ہو گی کہ حق تعالےٰ کے طالبین ومحبین ومومنین جو ذکر و طاعت میں مشغول ہیں معترضین ومعاندین وکفار جو کہ نا اہل ہیں اس کو دیکھ کر سُن کر اور بھی حق سے بعید ہوتے جاتے ہیں پس اس مسببیت کو مبالغۃً بعنوان غائیت بیان کر دیا کیونکہ ظاہر ہے کہ طاعت وایمان کی غایت تو یہ نہیں ہے کہ دوسرے گمراہ ہوں لیکن چونکہ بواسطہ یہ اُس کی طرف مفضی ہو جاتا ہے پس گویا مشابہ اس کے ہو گیا کہ گویا اسی غرض سے طاعت وایمان میں

مشغول ہیں۔ اور اس مسئلہ کے اظہار سے اس تعلیم پر تنبیہ ہوگئی کہ ایمان و طاعت و ذکر وغیرہ کو اپنے علم و استعداد کی طرف منسوب نہ کرے کیونکہ اگر یہ امور علت تامہ ہوتے تو کفار میں معلول کیسے متخلف ہوتا بلکہ محض حق تعالیٰ کی نعمت اور اُس کا فضل سمجھے ؎

کشتۂ چاہِ زنخدان تو ام کز ہر طرف   صد ہزارش گردن جان زیر طوق غبغب ست

صد ہزار مبتدا و شین مضاف الیہ جان راجع بصد ہزار و مابعد او خبر وے یعنی صد ہزار اں مردم چنیں ست کہ گردن جان ایشان زیر طوق غبغب ست۔ مطلب یہ کہ چونکہ لاکھوں تیرے عشق میں گرفتار ہیں میں بھی گرفتار ہوں۔ اگر یہ ترتب محض ذکری باعتبار تقدم و تاخر وجود کے ہے تب تو توجیہ ظاہر ہے اور اگر یہ ترتب علیتہ ہے تو اشارہ اس طرف ہوسکتا ہے کہ عاشق کو دیکھ کر بھی عشق پیدا ہو جاتا ہے اور ایک ترکیب یہ ہوسکتی ہے کہ شین مضاف الیہ غبغب کا ہو راجع بہ زنخدان باضافہ بیانیہ یعنی صد ہزار اں گردن جان زیر طوق غبغب آں چاہ زنخدان ست۔

تاب خوی بر عارضش بین کآفتاب گرم رو   در ہوائے آں عرق تا ہست ہر روزش تب ست

تاب فروغ۔ خوی عرق۔ عارض رخسارہ۔ قاعدہ ہے کہ محبوب کے چہرہ پر پسینہ آنے سے حسن افزوں معلوم ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے مخاطب اُس کے حسن کو دیکھو کہ جب سے آفتاب اس عرق عارض کے عشق میں مبتلا ہوا ہے اُس کو گرمی عشق سے تپ ہوگئی ہے حاصل یہ ہے کہ محبوبان مجازی حسن و جمال میں محبوب حقیقی کے سامنے کالعدم و لاشئے اور اپنی صفت میں اُس کی طرف مفتقر ہیں غرض اس سے یہ ہوسکتی ہے کہ طالب حقیقت کو ماسوی اللہ سے استغنا رچاہیے۔ قال الشیخ الشیرازی۔ بر عاشقان جز خدا ہیچ نیست

اندراں موکب کہ بر پشت صبا بندند زیں   باسلیمان چوں برانم من کہ مورم مرکب ست

ترجمہ لفظی یہ ہے کہ جو جماعت کہ پشت صبا پر زین باندھنے والے یعنی چلنے والے ہیں اُس جماعت میں سلیمان علیہ السلام کی برابری مجھ جیسے شخص سے جس کی سواری ایک مور ضعیف ہے کب ہوسکتی ہے اور مقصود معنوی یہ معلوم ہوتا ہے کہ عشاق گرم رو عالی ہمت کے

مجمع میں عارف کامل کی برابری مجھ کم ہمت کم قوت سے کب ہو سکتی ہے۔ اس میں تعلیم ہے کہ خواہ آدمی کیسا ہی صاحب کمال ہو جاوے مگر کاملین سے بالخصوص مرشد سے اپنے کو ہمیشہ کمتر سمجھے نہ مثل کم ظرفوں کے کہ اپنے کمال کے معتقد ہو کر سب سرمایہ برباد کر لیتے ہیں ۔

شہسوارِ من کہ مہ آئینہ دار روی اوست — تاج خورشید بلندش خاک نعل مرکب ست

شہسوار مع مضاف الیہ وصفت مبتدا و مصرع ثانیہ خبر او۔ و آئینہ دار خادمیکہ خدمت آئینہ سپرد او باشد مثل موترا شان۔ مطلب یہ کہ میرا وہ شہسوار کہ چاند اُس کا خادم اور غلام ہے ایسا ہے کہ تاج خورشید اُس کے نعل مرکب کی خاک ہے۔ اس سے بھی مثل شعر تاب خوی بر عارضش الخ کے وہی محبوب حقیقی کا محتاج الیہ اور محبوبان مجازی کا محتاج ہونا مقصود ہے۔ ۔

آب حیوانش ز منقار بلاغت می چکد — زاغ کلک من بنام ایزد چہ عالی مشرب ست

ش مضاف الیہ بلاغت و راجع بسوی زاغ و در کلام تقدیم و تاخیر ست۔ یعنی زاغ کلک من چہ عالی مشرب ست کہ آب حیوان از منقار بلاغتش میچکد و بنام ایزد برای تعظیم میگویند و تشبیہ کلک بزاغ شاید کہ باعتبار سیاہی باشد۔ ترجمہ لفظی ظاہر ہے۔ مقصود معنوی یہ ہو سکتا ہے کہ میرا قلم نہایت بلند رتبہ ہے کہ اُس سے مضامین حقائق و معارف سرزد ہوتے ہیں۔ اس میں ترغیب و تحسین ہے اس فن شریف کی تاکہ اُس کو حاصل کریں کیونکہ علم ہی زینہ عمل ہے اور صوفی جاہل مسخرہ شیطان ہے۔

من نخواہم کرد ترک لعل یار و جام می — زاہدان معذور داریدم کہ اینم مذہب ست

مطلب یہ کہ مجھ سے طریق عشق ترک نہ ہوگا زاہد لوگ مجھ کو معذور سمجھیں۔ یہ بات مقرر ہے کہ وصول الی اللہ کے طرق حسب اختلاف استعداد مختلف ہیں اُن میں ایک طریق زہد کا ہے ایک طریق غلبہ و شورش عشق کا ہے اس لیے ایک کو دوسرے پر اعتراض کا حق نہیں مگر یہ سب طرق دائرہ شریعت سے خارج نہیں کہ اُس سے خروج ضلالت و خسران ہے ۔

آنکہ ناوک زیر چشمی بر دل حافظ زند　　قوت جان حافظش در خندۂ زیر لب ست

قوت بروزن حوت غذا و شین مضاف الیہ لب۔ حاصل مطلب یہ کہ اگر محبوب کی تجلی جلالی سے میں کشتہ ہو جاتا ہوں جیسا قبض میں تو اُس کی تجلی جمالی سے زندہ بھی ہو جاتا ہوں جیسا بسط میں۔ پس اس میں اشارہ ہو سکتا ہے کہ دونوں حالت میں راضی رہے کہ دونوں میں اُسی کے ساتھ نسبت ہے۔ قال العارف الرومی رح ؎

چونکہ قبض آمد تو دروے بسط بیں　　تازہ باش و چیں میفگن بر جبیں

غزل

سینہ ام ز آتش دل در غم جانانہ بسوخت　　آتشی بود دریں خانہ کہ کاشانہ بسوخت

تنم از واسطۂ دوری دلبر بگداخت　　جانم از آتش ہجر رخ جانانہ بسوخت

ان اشعار میں بعض آثار عشق کے بیان کیے گئے ہیں جو بعض احوال میں بسبب حزن یا شوق یا قبض کے پیش آتے ہیں اور ترجمہ ظاہر ہے ؎

ہر کہ زنجیر سر زلف پری روے تو دید　　شد پریشان و دلش بر من دیوانہ بسوخت

اس میں بیان ہے اس کا کہ جو خود عشق میں مبتلا ہوتا ہے اُس کو دوسرے عشاق کی کیفیت معلوم ہوتی ہے اور جو اس سے بے بہرہ ہیں وہ عشاق پر اعتراض کیا کرتے ہیں۔ اور ترجمہ ظاہر ہے۔

سوز دل بیں کہ ز بس آتش و اشکم دل شمع　　دوش بر من ز سر مہر چو پروانہ بسوخت

آتش سے مراد سوختگی اور اشک سے مراد گریہ۔ اس میں بیان ہے اپنی عاشقی کی شدت تاثیر کا۔ یعنی میری سوختگی و گریہ کی کثرت سے وہ لوگ بھی متاثر ہوئے جو خود دوسروں کے دلربا و محبوب ہیں اور یہ شعر بالا کے معارض نہیں کیونکہ علم بالکنہ عشق کا تو عاشق ہی کو ہوتا ہے اور علم بالوجہ غیر عاشق کو بھی ہو سکتا ہے اور مطلق تاثر و ترحم کے لیے علم بالوجہ

بھی کافی ہے ؎

چوں پیالہ دلم از توبہ کہ کردم بشکست　　چوں صراحی جگرم بے مے و پیمانہ بسوخت

مراد توبہ سے ضبط کرنا اور ظاہر نہ کرنا آثار عشق کا۔ اور مے و پیمانہ سے مراد اسباب عشق جیسے اس کا تذکرہ و چرچا۔ مطلب یہ کہ بعض ناصحین کے کہنے سے جو اسباب ترقی عشق کو ترک کیا اور آثار عشق کے ظاہر ہونے سے اپنے کو ضبط کیا تو میرا دل پیالہ کی طرح پاش پاش اور میرا جگر خشک صراحی کی طرح تفتہ ہوگیا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ بعض احوال میں ضبط مقدور یا مناسب نہیں ہوتا۔ والتفصیل لیس ہذا محلہ۔ اور پیالہ و صراحی کے جمع کا لطف شاعرانہ ظاہر ہے ؎

ماجرا کم کن و باز آ کہ مرا مردم چشم　　خرقہ از سر بدر آورد و بشکرانہ بسوخت

خرقہ از سر بر آوردن کنایہ ہے بے حیا بن جانے سے جس طرح ہمارے محاورہ میں بولتے ہیں کہ فلاں شخص نے تو بالکل کپڑے ہی اتار کر رکھ دیے یا فلاں شخص تو بالکل ننگا ہی ہوگیا یا فلاں شخص نے ایسی حرکت کی کہ دیکھنے والوں کے کپڑے اترے جاتے تھے یعنی ایسا انقباض ہوتا تھا جیسے کپڑے اترنے سے ہوتا ہے اور چونکہ اکثر حیا کی نسبت آنکھ کی طرف ہوتی ہے اس لیے سر بر آوردن کی اسناد مردم چشم کی طرف کی گئی۔ اس میں خطاب ہے ملامت گر کو یعنی تم مجھ سے زیادہ بحث نہ کرو اور اپنی حالت اصلیہ کی طرف کہ سکوت ہے رجوع کرو کیونکہ میں نے تو حیا و شرم کا لباس اتار کر حصول عشق کے شکرانہ میں جلا پھونک دیا ہے تو تمہاری ملامت درباب عشق کے مجھ کو کارگر نہ ہوگی۔ یہاں حیا و شرم سے مراد ننگ و ناموس دینوی ہے جو عشق سے زائل ہوجاتی ہے۔ کما قال الرومی ؎

شاد باش اے عشق خوش سودای ما　　ای طبیب جملہ علت ہاے ما

ای دوای نخوت و ناموس ما　　ای تو افلاطون و جالینوس ما

اور سوختن کو شکرانہ سے مناسبت یہ ہے کہ اکثر عوام عزیزوں کے آنے کے وقت دفع نظر بد کے لیے اسپند وغیرہ جلاتے ہیں سو فرماتے ہیں کہ میں نے حیا و شرم کو اس خوشی میں جلایا اس میں بیان ہے بعض آثار عشق کا یعنی وہ مزیل ننگ و نخوت ہے ؎

آشنائی نہ غریب ست کہ دلسوز من ست　　چوں من از خویش برفتم دل بیگانہ بسوخت

غریب بمعنی عجیب وبعید وتقدیر کلام چنیں ست کہ عجیب وبعید نیست کہ آشنا دل سوز من ست الخ۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی میرا ہم مذاق میرا دل سوز ہو تو تعجب نہیں ہیں تو جب مغلوب عشق ہوا جو لوگ اس مذاق سے اجنبی تھے یعنی عاشق نہ تھے وہ بھی دلسوزی کرنے لگے۔ اس کی شرح میں اس غزل کے شعر سوم وچہارم سے مدد لینا چاہیے ؎

خرقۂ زہد مرا آب خرابات ببرد　　خانۂ عقل مرا آتشِ خمخانہ بسوخت

خرقہ زہد زہد ریائی وآب خرابات شراب مراد عشق۔ ومراد از عقل عقل معاش۔ وآتش خمخانہ شراب کنایہ از عشق۔ ترجمہ اس کا ظاہر ہے اور مطلب مثل شعر ششم اس غزل کے ہے ؎

ترک افسانہ بگو حافظ ومی نوش دمے　　کہ نخوردیم مے وشمع بافسانہ بسوخت

یعنی دنیا کی فضول قیل وقال کو ترک کرو اور محبت الٰہی حاصل کرو کہ اب تک اسی زق زق بق بق میں شمع عمر گداختہ ہو گئی اور محبت الٰہی حاصل نہ کی۔ اس میں ارشاد وتعلیم ہے ترک ماسوی اللہ اور اشتغال باللہ کا اور ترغیب وتحضیض ہے توبہ پر اور بعض نسخوں میں بجائے نخوردیم می کے نخفتیم شب ہے یعنی شب بسبب افسانہ پردازی نخفتیم اے از گفتگوئے بے حاصل نیارمیدیم اے دلرا بترک تعلقات دنیویہ آرام ندادیم وعمررا برباد کردیم

غزل

زاہد ظاہر پرست از حال ما آگاہ نیست　　در حق ما ہر چہ گوید جائے ہیچ اکراہ نیست

ترجمہ ظاہر ہے۔ مقصود تعلیم ہے کہ معترض مدعی سے دلگیر نہ ہونا چاہیے بلکہ اس کے اعتراض کو محمول عدم علم پر کرنا چاہیے راز اس تعلیم میں یہ ہے کہ اعتراض کی طرف ملتفت ہونا اور اس کے جواب میں مشغول ہونا مانع طریق ہے ؎

در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست　　بر صراطِ مستقیم اے دل کسی گمراہ نیست

مطلب یہ ہے کہ جو شخص اعتقاداً و عملاً صراط مستقیم پر ہو کہ وہ امر اختیاری و قصدی ہے پھر حالاً اُس کو خواہ کوئی امر پیش آوے قبض یا بسط - جمعیت یا تشویش - ذوق یا بے ذوقی و غیر ذلک جو کہ امور غیر اختیاریہ ہیں اُن سب میں خیر ہے اور یہ دلیل ضلالت عن الطریق نہیں کیونکہ جن امور کا انسان مکلف نہیں وہ اسباب قرب و بعد و قبول ورد نہیں ہیں اور غیر اختیاری کا مکلف نہیں ہے

عرصۂ شطرنج رنداں را مجال شاہ نیست ۔۔۔ تا چہ بازی رخ نماید بیدقی خواہیم راند

بیدق نام مہرہ شطرنج کہ آنرا پیادہ ہم گویند - وشاہ دادن وشہ دادن مغلوب کردن - و عرصہ شطرنج بساطے کہ برو بازی کنند - مطلب یہ ہے کہ کسی کے انکار و اعتراض و ملامت سے میں بے دل نہ ہوں گا اپنے کام میں لگا رہوں گا اور گو میرا عشق اور طاعت ناتمام اور ادنیٰ درجہ کی ہو جیسا شطرنج میں بیدق مگر میں اُسی پر ثبات و دوام رکھوں گا کچھ تو ثمرہ ظہور کرے ہی گا اور معترضین و معاندین کی مجال نہیں کہ عشاق کو شہ دے سکیں یعنی اُن کو بے دل اور مغلوب کر سکیں - اس حکایت میں تعلیم ہے اہل سلوک کو تحمل و استقلال و صبر اور عدم التفات الی الخلاف اور رجاء حصول مقصود اور اپنے مجاہدہ کو ناتمام اعتقاد کرنے کی - اور لفظ رخ لانے میں جو لطافت شاعری ہے ظاہر ہے

کایں ہمہ زخم نہاں ست و مجال آہ نیست ۔۔۔ ایں چہ استغناست یا رب ایں چہ قادر حاکم ست

اول تین مقدمے سمجھ لیے جاویں پھر شرح شعر کی صاف ہو جاوے گی - اول غلبہ عشق کا مقتضا ہے طلب تعجیل وصول اور اُس میں تاخیر ہونے سے جو کہ مبنی ہے حکمت پر طبعاً وہ دل تنگ ہوتا ہے - دوم عشق میں جس قدر اُس کے آثار سوزش و فریاد کو ضبط کیا جاوے نفع زیادہ ہوتا ہے گو اظہار میں بھی معذور ہے مگر بوجہ انفع ہونے ضبط کے گویا وہ ایک درجہ میں مطلوب اور مامور بہ ہے - سوم شدت ضبط کے بعد بعض اوقات بے تابی بڑھ جاتی ہے ایسی حالت میں اگر کوئی کلمہ بصورت شکوہ نکل جاوے معنیً بے ادبی نہیں وفیہ قال العارف الرومی ؎

گفتگوئے عاشقاں در کارِ رب ۔۔۔ جوشش عشق ست نے ترک ادب

اب مطلب شعر کا سمجھیے فرماتے ہیں کہ یہ کیسا استغناء ہے کہ ہم طلب میں مر رہے ہیں اور محبوب کو جیسا التفات ہماری تمنا ہے کہ جلدی وصال میسر ہو نہیں ہوتا کما بین فی المقدمۃ الاولیٰ اور کیسا زبردست حاکم ہے کہ اندر ہی اندر عشق کے زخم لگ رہے ہیں اور ضبط کی تاکید ہے کما بین فی المقدمۃ الثانیۃ اور استغناء وغیرہ کلمات کا لانا غایت بے تابی سے ہے کما بین فی المقدمۃ الثالثۃ۔ ہکذا ینبغی ان یفہم المقام کما افہمنی العزیز العلام۔ اور بعض نسخوں میں داور حاکم کی جگہ نادر حکمت ہے۔

چیست ایں سقف بلند سادۂ بسیار نقش — زیں معما ہیچ دانا در جہان آگاہ نیست

سقف بلند سے مراد آسمان اور سادہ کہنا بناء علی القول المشہور لاہل الہیئۃ ہے کہ وہ ثوابت کو فلک ثامن پر کہتے ہیں اور سیارات کو دوسرے افلاک پر ایک ایک سیارہ ایک ایک فلک پر جس میں اس آسمان دنیا پر صرف قمر ہے سو اتنے بڑے کرہ میں ایک کوکب کا ہونا عادۃً منافی اس کی سادگی کے نہیں اور بسیار نقش کہنا باعتبار مرئی ہونے کے ہے یعنی دیکھنے میں سب کواکب اسی پر نظر آتے ہیں سو توجیہ کلام کے لیے بناء ضعیف بھی کافی ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حافظ رح قول اہل ہیئت کے معتقد ہوں کیونکہ وہ خود اسی شعر میں تصریحًا آگاہ نیست کا حکم لگا رہے ہیں۔ ترجمہ لفظی تو اس شعر کا ظاہر ہے مگر مقصود مسوق لہ الکلام میں گفتگو ہے۔ مشہور شراح میں یہ ہے کہ جمیع حوادث را بگردش چرخ منسوب دارند چوں بنظر حقیقت دیدہ شود ایں بے چارہ محکوم امر اوست و چوں بمعرفت آں کسے را راہ نیست کہ ایں چہ و نسبت با وچرا پس ایں معمائے ست کہ ہیچ کس را بفہم او رابطہ نیست اھ لیکن احقر کا مذاق اس کو قبول نہیں کرتا کیونکہ یہ قول محض نجومیوں کا ہے کہ سب حوادث آسمان کی طرف منسوب ہیں باقی کوئی دانا اس کا قائل نہیں اور نجومیوں کا حکماء میں شمار نہیں پس یہ کہنا کہ ہیچ دانا در جہاں آگاہ نیست اس صورت میں نہیں بنتا پھر یہ کہ چیست کہنے سے ظاہرًا نفی علم ماہیت کی معلوم ہوتی ہے نہ کہ نسبت حوادث کی پھر جب کوئی دلیل عقلی ان احکام نجومیہ پر قائم نہیں اور اس لیے دلائل عقلیہ میں تعارض نہیں تو اس کا معما کہنا کیا معنی پس احقر کے نزدیک حاصل اس کا یہ ہے کہ طالب حق کو ارشاد فرماتے ہیں کہ علویات کی تحقیق میں سر کھپانا جیسا اکثر

لوگوں کو اسرار ملکوت و لاہوت کی تحقیق کا شوق ہوتا ہے بے کار ہے یہ اسرار تو بہت عالی و غامض ہیں علویات ہیں جو اجسام اور نادی ہیں اُن ہی کی حقیقت عقلاء کو آج تک مدرک نہیں ہوئی، مثلاً آسمان ہی کو کسی نے موجود وہمی کہا کسی نے موجود حقیقی کسی نے سیال کہا کسی نے صلب پس طالب حق کو اپنے کام میں لگنا چاہیے اور جیسے عقول ان احکام فلکیہ میں متحیر و متعارض ہیں اسی طرح مکاشفات اُن اسرار میں متحیر و متعارض ہیں غرض جو چیز ہماری حس اور دلیل عقلی قطعی اور نقل صحیح سے بعید اور بالاتر ہے اُس میں خوض کو ترک کرنا چاہیے من حسن اسلام المراء ترکہ مالا یعنیہ ۔ ولا تقف ما لیس لك به علم کے عموم میں یہ بھی داخل ہیں ؎

صاحب دیوان ما گویا نمی داند حساب — کاندریں طغرا نشان حسبۃً للہ نیست

نشان حسبۃ للہ نشانیست کہ اہل دیوان برائے غربا و مساکین رعایا در دیوان می نویسند۔ و طغرا نشانیکہ بر بالائی دفتر در خط پیچیدہ باشد مراد دفتر اطلاقا للجزء علی الکل۔ شراح نے تو اس کے معنی عجیب و غریب کیے ہیں اے معشوق ما گویا حساب نمی داند کہ در دیوان عشق بر عاشقان بے چارہ ترحم نہ می فرماید۔ اس تقریر کو اگر محبوب مجازی پر چسپاں کیا جاوے تو مضائقہ نہیں لیکن سیاق و سباق سے یہ بعید ہے کہ دونوں میں بیان ہے حقائق تصوف کا۔ اور اگر محبوب حقیقی پر منطبق کیا جاوے تو گو مثل شعر چہارم یہاں بھی توجیہ کا دعویٰ کر سکتے ہیں لیکن اس کے الفاظ اُس سے زیادہ موحش ہیں کہ گنجائش تاویل کی نہیں رکھتے اس لیے احقر کے مذاق میں یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ مراد صاحب دیوان سے محتسب ظاہر پرست ہو جو اہل حال صادق کے عذر کو نہیں جانتا اور اُن پر بھی دار و گیر کرتا ہے کہ احتساب بھی ایک قسم کا حساب ہے مطلب یہ ہوا کہ ہمارے محتسب صاحب کے یہاں تاویل و عذر و ترحم کا باب ہی نہیں ہے سب کو ایک لکڑی ہانکتے ہیں۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اہل عذر کو معذور رکھنا اور اُن کو نشانہ اعتراض نہ بنانا ضروری ہے۔

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو — گیر و دار و حاجب و دربان دریں درگاہ نیست

مطلب یہ کہ جس کا جی چاہے درگاہ حق کی طرف آجاوے اور اُس کی محبت و معرفت اختیار کرے جس کا جی چاہے اعراض کرے یہاں نہ کوئی آتے کو روکے نہ جاتے کو ٹوکے پس گویا

گویا یہ شعر ان آیات کی شرح ہے۔ قال تعالیٰ من جاھد فانما یجاھد لنفسہ ان اللہ لغنی عن العالمین۔ وقال تعالیٰ من عمل صالحا فلنفسہ ومن اساء فعلیھا۔ وقال تعالیٰ ان تکفروا فان اللہ غنی عنکم وقال تعالیٰ من ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا۔ پس اس میں ارشاد ہے کہ کوئی شخص اپنے مجاہدہ پر مغرور نہ ہو حق تعالیٰ کا کوئی نفع و ضرر نہیں ہر شخص اپنے لیے کر رہا ہے ۔

ہر چہ ہست از قامت ناساز بے اندام ماست ورنہ تشریف تو بر بالای کس کوتاہ نیست

بے اندام بے زیب و ناموزوں چہ اندام در لغت بمعنی زیبائی و آراستگی ست شیخ سعدی ؒ گفتہ ۔

سرو را با قامت زیبا کہ ہست پیش اندام تو ہیچ اندام نیست

مطلب شعر کا یہ ہے کہ ہمارا جو کچھ حرمان ہے اپنے اعمال کی کمی سے ہے ورنہ محبوب حقیقی کی طرف سے تو کسی کے لیے بھی دریغ نہیں۔ اس میں ارشاد ہے کہ اپنے اندر کمی پانے سے محبوب حقیقی کا شکوہ دل میں نہ لاوے بلکہ اپنے اعمال کی طرف منسوب کرے بہت سے سالک اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ کسی حالت مقصودہ میں کمی دیکھتے ہیں تنگ ہوتے ہیں اور اپنی اصلاح نہیں کرتے ۔

بر در میخانہ رفتن کار یکرنگان بود خود فروشاں را بکوی می فروشان راہ نیست

بر در میخانہ رفتن شراب نوشیدن مراد حصول دولت عشق۔ ویکرنگان مخلصان۔ وخود فروشان ریاکاران و مقابلہ اش بایکرنگان بایں معنی ست کہ ریاکار دو رنگ باشد معبود خدا را می داند و مقصود خلق را و میفروشان اہل عشق۔ مطلب ظاہر ہے کہ حصول دولت عشق اخلاص پر موقوف ہے ریاکاروں کا وہاں تک گذر نہیں للمنافاۃ بینھما وجہ یہ کہ لوازم عشق سے ہے غیر کو نظر انداز کرنا اور ریا میں خود غیر ہی مطمح نظر ہے۔ اس میں تعلیم ہے اخلاص کی ۔

بندۂ پیر خراباتم کہ لطفش دائم ست ورنہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

زاہد سے مراد وہ شخص جو صرف اصلاح اعمال ظاہری کا طریقہ تبلاتا ہو۔ شیخ سے مراد وہ شخص جو اصلاح اعمال باطنی کا طریقہ بھی بتلاتا ہو مگر نسبت عشقیہ اس پہ غالب نہ ہو۔ اور پیر خرابات سے مراد وہ جو دونوں اصلاحوں کے ساتھ نسبت عشقیہ کا غلبہ بھی رکھتا ہو گو تمکین کی وجہ سے ظاہری حالت اُس کی شیخ بالمعنی المذکور کے ہمرنگ ہو گئی ہو۔ اب سمجھنا چاہیے کہ جس پر غلبہ عشق کا نہ ہو گا اُس کی نظر دوسرے کے عیوب پہ زیادہ پڑے گی اور جس پر غلبہ عشق کا ہو گا اُس کی نظر بوجہ نیستی و پستی کے اپنے عیوب پر زیادہ پڑے گی اس لیے شیخ و زاہد مسترشدین سے اُن کی تقصیرات پر کبھی دل سے بھی لطف کم کر دیتے ہیں اور پیر خرابات گو مسترشدین کی مصلحت کے لیے ظاہراً بے لطفی کرتے ہیں لیکن دل سے چونکہ اُس حالت میں بھی وہ اُن کو اپنے سے اچھا سمجھتے ہیں اس لیے باطنی لطف میں کمی نہیں کرتے ؎

حافظ ار بر صدر نہ نشیند ز عالی ہمتی ست ‏ عاشق دردی کش اندر بند مال و جاہ نیست

حاصل یہ کہ بعض اہل عشق کا مذاق یہی ہے کہ وہ مشیخت وارشاد کا کام نہیں کرتے آزادی و یکسوئی و بے تعلقی اُن کا مقتضائے طبعی ہے کیونکہ مخالطت کا اُن کو تحمل نہیں ہوتا سو اُن حضرات کی نسبت یہ نہ سمجھا جاوے کہ اُن میں کچھ نقصان ہے بلکہ وجہ اس کی یہی ہے کہ وہ غیر محبوب کی طرف اصلاً التفات نہیں کرنا چاہتے اسی کو عالی ہمتی کہا ہے ورنہ اس سے زیادہ عالی ہمتی اُن اہل عشق کو ہے جن کو التفات الی الحق مانع نہیں ہوتا التفات الی الخلق سے اور وہ باوجود فنائے اتم و عشق اکمل کے پھر خلق کو نفع پہنچاتے ہیں اور اُن کی مخالطت پر صبر کرتے ہیں قال علیہ السلام المومن الذی یخالط الناس ویصبر علی اذاھم خیر من المؤمن الذی لا یخالط الناس ولا یصبر علی اذاھم۔ آگے تعریف ہے شیخان مزوّر پر نہ کہ شیخان صادق پر یعنی عشاق کو مکار پیروں کی طرح جاہ و مال کی طلب و حرص نہیں ہوتی مطلب یہ کہ مشیخت کی دو وجہ ہیں مشیخت کاذبہ کی تو حرص جاہ و مال اور مشیخت صادقہ کی تحمل مخالطت جو حضرات ان دونوں سے مبرا ہیں لامحالہ وہ مشیخت کو نہیں لیتے۔ غزل ؎

(ادریس ۱۰)

آں پیک نامہ بر کہ رسید از دیار دوست ‏ آورد حرز جان ز خط مشکبار دوست

خوش مید ہد نشان جلال و جمال یار ‏ خوش میکند حکایت عز و وقار دوست

جان دادمش بمژدہ وخجلت ہمے برم زیں نقد کم عیار کہ کردم نثار دوست

شراح کے نزدیک اس میں قرآن مجید کے نزول کا بیان ہے اور احقر کے مذاق میں مراد اس سے واردات علمیہ حقایق و معارف کا انکشاف ہے جو بذریعہ الہام ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اُن میں اعظم العلوم صفات آلہیہ کے اسرار ہیں اور تیسرے شعر میں اُس پر اظہار مسرت ہے کہ لوازم شکر سے ہے اور شعر اول کے مصرعہ ثانیہ میں کلمہ ز بیانیہ ہے ۔

سیر سپہر و دورِ قمر را چہ اختیار درگردشند بر حسب اختیار دوست

مطلب ظاہر ہے کہ ابطال ہے مذہب اہل نجوم کا اور تعلیم ہے تکمیل توحید کی ۔

شکر خدا کہ از مددِ بختِ کارساز برحسب مدعاست ہمہ کاروبار دوست

کاروبار دوست یعنی معاملہ کو از جانب دوست با عاشق بیش آید مطلب یہ کہ آج کل محبوب حقیقی کا معاملہ ہمارے حسب خواہش ہو رہا ہے خدا کا شکر ہے۔ شرح اس کی یہ ہے کہ ہر چند کہ محبوب حقیقی کی طرف سے جو معاملہ جس میں مکلف کا اختیار نہ ہو پیش آوے سب خیر و مصلحت ہے لیکن پھر بھی ہر انسان کی طبیعت جس طرز خاص پر مجبول اور پیدا ہوئی ہے اُس کا اقتضاء ایک خاص معاملہ ہوتا ہے جس کی خواہش طبعی طور پر ہوا کرتی ہے گو عارف اُس کو دفع اور مغلوب کر دیتا ہے لیکن تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اگر خواہش کی موافق حالت وارد ہو جاتی ہے تو مسرت اُس سے ضرور زیادہ ہوتی ہے اور گو وہ حالت بالخصوص مقصود نہ ہو مگر چونکہ محمود تو ہے ہی اس لیے مورد شکر بھی ہے اس میں ارشاد ہے کہ اگر کوئی حالت محمود و موافق مذاق طبیعت کے ہو تو اُس پر زیادہ شکر کرنا چاہیے کہ مراد طبعی کا پورا ہونا خود فی نفسہ ایک نعمت ہے ۔

گر باد فتنہ ہر دو جہان را بہم زند ما و چراغ وچشم و رہِ انتظار دوست

مقصود بیان کرنا ہے اپنی پختگی عشق کا کہ خواہ کچھ ہی حوادث واقع ہوں مگر ہم عشق سے اعراض نہ کریں گے اور اگر شبہ ہو کہ فتنہ کا اثر عالم دنیا پر پہنچتا ہے مگر آخرت تک تو نہیں پہنچتا پھر

ہر دو جہان کے کیا معنی جواب یہ ہے کہ یا تو دونوں عالم سے مراد بر و بحر ہے کما قال تعالیٰ ظہر الفساد فی البر و البحر اور یا ظاہر و باطن ہے کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ من الفتن ما ظہر منہا و ما بطن۔ اور اگر دنیا و آخرت ہی مراد ہوں تو مقصود مبالغہ ہے جس کی تقریر یہ ہوگی کہ اگر حوادث و آفات بمنزلۂ نزول نمایند کو نین را بہم زنند الخ۔ اور انتظار و اشتیاق کے لیے یہ سامان عادۃً لازم ہے۔ منتظر۔ چراغ۔ چشم۔ راہ اس لیے یہ مجموعہ کنایہ اُس سے ہوگیا۔ اس میں تعلیم ہے استقامت علی الصراط کی خواہ کیسے ہی مزاحمات پیش آویں ؎

کحل الجواہری بمن آرای نسیم صبح — زاں خاک نیک بخت کہ شد رہ گذار دوست

مقصود بیان اشتیاق ہے۔ ترجمہ لفظی ظاہر ہے اور کلام مبنی ہے تمثیل پر یعنی جس طرح دوست مجازی کے چلے ہوئے رستہ کی خاک کو عاشق کحل الجواہر سمجھتا ہے کہ اُس کو دوست سے تلبس ہے اور وہ اُس کی یادگار ہے اسی طرح میں اُن کلمات حقایق و معارف کا مشتاق ہوں جو محبوب حقیقی کو یاد دلاویں اور اُن الطاف غیبیہ کا محتاج ہوں جن کو محبوب حقیقی کے ساتھ تلبس مصدریت و مبدائت ہو۔ اس میں اشارہ ہے کہ محبوب کے ذکر اور اُس کے تعلق کا جو حصّہ بھی میسر ہو اُس کو نعمت سمجھے۔ بعضے نادان ان نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں اور اپنے کو خدا جانے کن کن ثمرات کا مستحق سمجھتے ہیں ؎

مائیم و آستانۂ عشق و سر نیاز — تا خواب خوش کرا بود اندر کنار دوست

دریں بیت باید دید قبل مصرعہ ثانیہ محذوف ست۔ مطلب یہ کہ محبوب کے در کو پکڑ رکھا ہے دیکھیے کس کو وصل میسر ہوتا ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ نہ دعوئے ہے نہ استحقاق ہے نہ کسی کا مجاہدہ اور طلب علت تامہ وصول کی ہے مدار کار مشیّت اور فضل پر ہے اس لیے آس لگائے بیٹھے ہیں دیکھیے ہماری قسمت میں ہے یا نہیں۔ اس میں تعلیم ہے خوف و رجا و قطع دعویٰ و زعم استحقاق کی ؎

دشمن بقصد حافظ اگر دم زند چہ باک — منت خدای را کہ نیم شرمسار دوست

حاصل یہ ہے کہ گو شیطان میری رہزنی کا قصد کر رہا ہے مگر مجھ کو اندیشہ نہیں کیونکہ خدا کا احسان ہے کہ میں اُس کی اطاعت و موافقت نہیں کرتا کہ دوست سے شرمندہ ہونا پڑتا بلکہ خدا نے اس سے مجھ کو بچا رکھا ہے اور اس پر میں شکر و منت بجا لاتا ہوں جب مجھ پر محبوب کا فضل ہے تو دشمن کیا کر سکتا ہے اور یہ دعوے تزکیہ کا نہیں بلکہ تحدث بالنعمۃ ہے کما یدل علیہ قولہ منت الخ وھذا ھوالذی قال تعالیٰ انہ لیس لہ سلطان علی الذین امنوا و علی ربھم یتوکلون انما سلطانہ علی الذین یتولونہ الایہ - اور یہ مطلب نہیں کہ مجھ سے کوئی معصیت صادر نہیں ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ معاصی خاص جن میں حب غیر اللہ غالب ہو جو کہ محبوب سے زیادہ شرمساری کا موجب ہیں اور زیادہ منافی محبت ہیں اور زیادہ مقصود شیطانی ہیں اُن سے بچا ہوا ہوں۔ غزل ؎

زلفت ہزار دل بیکے تار مو بہ بست راہ ہزار چارہ گر از چارہ سو بہ بست

یعنی آپ کے جذبہ عشق نے ہزاروں کو مقید کر رکھا ہے اور بڑے بڑے عقلاء چارہ ساز کو یعنی جو قبل عشق عقلاء تھے یا جو عقلاء کہ عشاق کا علاج و تدبیر کرنا چاہتے ہیں بیچارہ اور عاجز کر دیا ہے۔ اس میں بیان کرنا ہے آثار عشق کا ؎

تا عاشقان ببوی نسیمش دہند جان بکشود نافۂ و در ہر آرزو بہ بست

مصرعہ اولے علت و مصرعہ ثانیہ معلل۔ و نافہ تجلی اجمالی کہ اول بر دل سالک نازل می شود و مراد از آرزو تجلی تفصیلی۔ و بوی نسیم کنایہ از ذوق و مشاہدات۔ یعنی سلوک میں من وجہ تجلی و ظہور مرتبہ اجمال میں اور من وجہ استتار مرتبہ تفصیل میں واقع ہوتا ہے پس ایسی مثال ہے کہ جیسے نافہ تو کھول دیا تا کہ عشاق اُس کے رائحہ نسیم پر جان دے دیں اور طلب میں لگ جاویں پھر آرزوی حصول و وصول تام کا باب مسدود کر دیا کیونکہ عالم دنیا کے قویٰ اُس کے متحمل نہیں البتہ آخرت میں ایسی استعداد ہو جاوے گی۔ اس میں ارشاد ہے کہ یہاں انکشاف تام کی تمنا کرنا ہوس و اضاعت وقت ہے۔

شیدا از اں شدم کہ نگارم چو ماہ نو ابرو نمود و جلوہ گری کرد و رو بہ بست

روبہ بست ای در نقاب کنایہ از اختفاء و استتار - یعنی جس طرح ماہ نو اول کچھ ظاہر ہوتا ہے کیونکہ وہ پورا چاند نہیں ہوتا جتنا ظاہر ہوتا ہے اور تھوڑی دیر جلوہ کر کے مستتر ہو جاتا ہے اسی طرح میرے محبوب نے کیا کہ تجلی کر کے مستتر ہو گیا اس لیے میں زیادہ والہ و شیدا ہو گیا یہ شعر یا تو ہم مضمون شعر بالا کا ہے اور یا دونوں میں یہ فرق ہے کہ شعر بالا میں اُس استتار کا ذکر ہے جو عین حالت تجلی میں ہوتا ہے یعنی تجلی تام نہیں ہوتی اور اس شعر میں اُس استتار کا ذکر ہے جس میں وہ تجلی اجمالی بھی نہیں رہتی اور یہ از قبیل قبض ہے جس میں بہت سی حکمتیں ہیں - پس اس تقریر پر اس میں تعلیم ہے کہ یہ استتار بھی لوازم عادیہ سلوک سے ہے اس سے پریشان و متوحش نہ ہونا چاہیے ؎

ساقی بچند رنگ می اندر پیالہ ریخت　　　　این نقشہا نگر کہ چہ خوش در کدو بہ بست

اول شراب کدو میں رکھی ہوتی ہے اُس سے پیالہ میں ڈالی جاتی ہے اسی طرح محبت آلہی اول قلب حقیقی میں ودیعت رکھی جاتی ہے پھر اُس سے قلب صنوبری میں القاء و افاضہ ہوتا ہے پس کدو سے مراد قلب حقیقی اور پیالہ سے مراد قلب صنوبری - اور در کدو بہ بست کے یہ معنی نہیں کہ خود کدو کو منقش کر دیا جیسا بعض شراح نے سمجھا ہے بلکہ محل نقش تو وہی شراب ہے اور کدو ظرف نقش ہے یعنی کدو کے اندر شراب کو مختلف الوان سے موصوف کر دیا - اس میں بیان ہے الوان و آثار عشق کے مختلف ہونے کا یا تو باعتبار مختلف اشخاص کے کہ کسی میں محبت کا ایک طور ظاہر ہوتا ہے کسی میں دوسرا مثلاً انس و شوق و ہیبت یہ تینوں الوان محبت ہی کے ہیں ہر شخص میں اُس کی استعداد کے موافق ایک ایک لون سے اُس کا ظہور ہوتا ہے اور یا باعتبار ایک ہی شخص کے مختلف اوقات کے اعتبار سے پس اُس میں دونوں تقریروں پر ایک ایک امر کی تعلیم ہے - ایک یہ کہ جس میں ایک لون غالب ہو وہ دوسرے لون والے کو خالی نہ سمجھے - دوسرے یہ کہ اگر ایک کیفیت مغلوب یا زائل ہو کر دوسری کیفیت غالب یا حادث ہو جاوے گو وہ پہلی کیفیت اس کو پسند تھی تو دوسری سے دل تنگ نہ ہو اور سلب حال پر محمول نہ کرے ان دونوں غلطیوں میں بکثرت لوگ مبتلا ہیں ؎

یارب چہ سحر کرد صراحی کہ خون خشم　　　　با نغمہای قلقلش اندر گلو بہ بست

سحر تصرف عجیب - نغمہ آواز - قلقل آواز ریختن شراب از صراحی و ضمیر شیبن راجع بصراحی - صراحی سے شراب لے کر پیتے ہیں اسی طرح مرشد سے فیوض کو اخذ کرتے ہیں پس یہ کنایہ ہوا مرشد سے - اس میں بیان ہے مرشد کے اکمال تربیت اور اُس کی قوت تکمیل کا کہ مرشد کی کس غضب کی تربیت و تکمیل ہے کہ جو مسترشد عشق میں ہر وقت روتا تھا اور چشم سے خون برساتا تھا۔ آج اُس کو وہ تمکین حاصل ہوئی ہے کہ باوجودیکہ مرشد اُس کو قل قل کہہ رہا ہے یعنی ضبط پر مجبور نہیں کرتا - کیونکہ صاحب تمکین کو بمقتضائے وقت اظہار احوال و اسرار دونوں مضر نہیں مگر اُس کا خون چشم ایسا بند ہوا ہے کہ نکلتا نہیں مراد خون چشم سے آثار ہیں عشق کے اور چونکہ رونے کے ضبط کرنے کا اثر گلو میں ہوتا ہے کہ گلا رکنے لگتا ہے اس لیے در گلو کہا گیا مطلب یہ کہ اب وہ آثار گریہ و زاری و سوزش و نالہ ظاہر ہی نہیں ہوتے - اس میں اشارہ ہے کہ اہل تمکین مالک الاحوال ہوتے ہیں مملوک الاحوال نہیں ہوتے الا نادرا - اور یارب کا کلمہ تعجب ہے اس میں اشارہ ہے کہ یہی حالت تمکین کی عالی و عظیم الشان ہے - وللقائلین اقوال تشفی ہے

دانا چو دید بازی ایں چرخ حقہ باز ہنگامہ باز چید و در گفتگو بہ بست

غالباً اس میں بیان ہے اہل خلوت کے تقلیل کلام کا - چرخ حقہ باز سے مراد مجاز اہل زمانہ ہیں کیونکہ بقول حکماء زمانہ متعلق ہے چرخ سے کہ اُس کی مقدار حرکت ہے پھر اہل کا لفظ مقدر کر لیا جاوے گا - مطلب یہ کہ چونکہ اہل زمانہ کی غرض پرستی و تخالف ظاہر و باطن کا تجربہ کر لیا اور معلوم ہوا کہ ان کو کہنا سننا لاحاصل و غیر مفید ہے اس لیے ان حکماء نے ان سے کلام کی تقلیل کر دی اور اپنے وقت کو اس سے زیادہ اہم و انفع کام میں مشغول کیا اور امر و نہی کا وجوب مقید ہے رجاء قبول کے ساتھ اس لیے یہ حضرات تارک واجب نہیں چنانچہ جہاں امید قبول ہوتی ہے وہاں سکوت نہیں کرتے ہے

مطرب چہ نغمہ ساخت کہ در پردہ سماع بر اہل وجد و حال در ہای و ہو بہ بست

یہ بھی ہم مضمون ہے شعر بالا بے سابق والے شعر کا اور در پردہ سماع سے اشارہ ہے کہ اہل تمکین کو بھی ایک گونہ جوش رہتا ہے مگر وہ خود اُس پر غالب رہتے ہیں ہے

حافظ ہر آنکہ عشق نورزید و وصل خواست
احرام طوف کعبۂ دل بے وضو بہ بست

مطلب ظاہر ہے کہ بلا طلب کے وصول نہیں ہوتا قال تعالیٰ انلزمکموھا وانتم لہا کارھون وقال تعالیٰ ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین بلا طلب کے وصول کی تمنا رکھنا ایسا ہے کہ جیسے بے وضو طواف کرنا کہ باطل محض ہے اور یہ تشبیہ اُس قول پر ہے جس میں وضو نفس صحت طواف کی شرط ہے غالباً حافظ رح کا یہی مذہب ہے۔

غزل ۵

مرحبا اے پیک مشتاقان بدہ پیغام دوست
تا کنم جان از سر رغبت فدائے نام دوست

پیک مشتاقان سے مراد وارد قلبی ہے وارد کی تمنا اور اُس کے ورود پر مسرت ظاہر کرتے ہیں اور چونکہ وارد سے انکشاف ہوتا ہے بعض اسرار آلہیہ کا اُس کو پیغام دوست سے تعبیر کیا اور چونکہ ان امور سے محبوب کی محبت میں ترقی ہوتی ہے اس لیے مصرعہ ثانیہ کے مضمون کو اُس پر مرتب فرمایا ۵

والہ و شیدا است دائم ہمچو بلبل در قفس
طوطی طبعم ز شوق شکر و بادام دوست

اس میں کیفیت شوقیہ کا بیان ہے جو بعض اوقات و احوال میں سالک پر غلبہ کرتی ہے یعنی میری طبیعت کہ مشابہ طوطی کے ہے محبوب حقیقی کے لذت قرب و وصال کے کہ مشابہ شکر و بادام کے ہے، شوق میں اس طرح شیدا و بے تاب ہے جس طرح قفس میں بلبل کہ کب رہائی ہو کہ گلشن قرب تک پہنچوں۔ پس اس شعر کا حاصل قریب قریب شعر مثنوی کے ہے۔

بشنو از نے چوں حکایت میکند
وز جدائیہا شکایت میکند

کز نیستان تا مرا ببریدہ اند
از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند ۵

زلف او دام ست و خالش دانۂ آں دام و من
بر امید دانۂ افتادم اندر دام دوست

مقصود کو قرب و وصال ہے دانہ سے تشبیہ دی اور چونکہ قرب و وصال کا متعلق بفتح اللام محبوب ہے اس لیے اُس کو دلیعنی اُس قرب و وصال کو، خال کہہ دیا اور طریق کو کہ عشق اور طلب ہے

دام سے تشبیہ دی اور چونکہ وہ ثمرہ اور اثر ہے جذبہ غیبی کا کما قال تعالیٰ یحبھم ویحبونہ اور جذب محبوب کی صفت ہے اس لیے اُس کو زلف کہہ دیا مطلب ظاہر ہے کہ امید وصل پر گرفتار عشق ہوگیا۔ اس میں بیان واقع کا بھی ہے اور طالبین کو ترغیب بھی ہے کہ طلب میں سرگرم رہو کہ اس سے امید وصال کی ہے ۵

ہر کہ چوں من در ازل یک جرعہ خورد از جام دوست | سر ز مستی بر نگیرد تا بہ صبح روز حشر

اس میں بیان ہے کہ عشق بعد حصول کے زائل نہیں ہوتا اور ازل سے مراد مرتبہ اعیان ثابتہ کا ہے اور اُس کا ازلی ہونا ظاہر ہے۔ اور صبح روز حشر سے مراد مجاز ابد ہے اور ترجمہ ظاہر ہے ۵

من نوشتم نامۂ از شرح حال خود ولی | درد سر باشد نمودن بیش ازیں ابرام دوست

ابرام اصرار و مبالغہ و بستوہ آوردن کنایہ از ناخوش کردن۔ و درد سر کنایہ از ایذا رسانیدن بالمعنی الذی فی قولہ تعالیٰ یوذون اللّٰہ وتقدیر عبارت چنیں ست کہ بیش ازیں ابرام دوست نمودن اورا درد سر دادن ست۔ حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات بعض احوال کے اظہار میں ایک گونہ شکوہ یا جزع و فزع یا سوءِ ادب و گستاخی کی نوبت آجاتی ہے اور اُس وقت ایسا غلبہ ہوتا نہیں کہ شرعاً معذور ہو اور یہ امر حضرت حق تعالےٰ کے نزدیک نامرضی ہے اس لیے کہتے ہیں کہ میں اب زیادہ اظہار حال یا شوق کی جرأت نہیں کرتا اس میں اسی کی تعلیم بھی ہے ۵

میل من سوی وصال و قصد او سوی فراق | ترک کام خود گرفتم تا برآید کام دوست

یہاں فراق و وصال سے مراد صورت فراق و وصال ہے ورنہ فراق حقیقی پر رضا اور وصال حقیقی کا ترک کسی طرح جائز ہی نہیں بلکہ بعض حالتیں قبض و انقطاع وارد ات کی ایسی پیش آتی ہیں کہ اُس کو سالک غیر عارف فراق سمجھتا ہے اور وصال کو اُس کی ضد میں منحصر سمجھتا ہے مگر بعد حصول معرفت کے اُسی فراق کو اُس وصال پر ترجیح دیتا ہے یہ شعر گویا اس شعر عربی کا ترجمہ ہے ۵

اریدو وصالہ و یرید ہجری | فاترک ما ارید لما یرید ۵

گر دہد دستم کشم در دیدہ ہمچوں توتیا　　خاک راہ کاں مشرف گردد از اقدام دوست

قدم افتادن محبوب توجہ وتقدم وتقرب او وخاک راہ محل آں توجہ کہ قلب محب باشد فھو کما فی الحدیث من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا الحدیث وکما فی الحدیث کما اظن ولکن ینظر الے قلوبکم مطلب یہ کہ جس محب پر محبوب کی توجہ ہے اُس کی ظاہری پستی وخاکساری مانع خدمت دنیاز مندی نہ ہونا چاہیے بلکہ اُس کو غنیمت اور عزیز سمجھ کر اُس کو ذریعہ تقرب بنانا چاہیے اور اُس کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھنا چاہیے۔

حافظ اندر درد او می سوز و با درماں مساز　　زانکہ درمانی ندارد درد بے آرام دوست

اشارہ اس طرف ہے کہ محبت وطلب میں پورا سکون وقرار قلب کو نصیب نہیں ہوتا جیسا بعضے مبتدیان یا متوسطان سلوک اس کی تمنا کیا کرتے ہیں اور حقیقت میں یہ ایک گونہ آرام وعافیت طلبی ہے جو خدا طلبی کے رنگ میں متخیل ہوتی ہے پس تصریح فرمادی کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا اس کی استدعا ہی عبث بلکہ مضر باطن ہے کہ اصل کام میں اس مشغولی کی وجہ سے کمی ہونے لگتی ہے۔

غزل

آں ترک پری چہرہ کہ دوش از بر ما رفت　　آیا چہ خطا دید کہ از راہ خطا رفت

یہ قبض کے وقت کا شعر معلوم ہوتا ہے بلکہ تمام غزل اسی مضمون کی ہے۔ ترک پری چہرہ کنایہ ہے تجلیات وواردات سے۔ اور خطا بمعنی گناہ بھی آتا ہے اور ایک شہر بھی ہے جہاں کے محبوب مشہور ومعروف ہیں پس ظاہر یہ ہے کہ اول بمعنی گناہ ہے اور دوسرا بمعنی شہر چونکہ وہ شیراز سے کسی قدر دور ہے تو کنایہ مطلق بعد سے ہوگیا اور یہ بھی احتمال مرجوح ہے کہ دونوں بمعنی گناہ ہوں اور از راہ بمعنی از سبب کے ہو بہرحال اس میں اشارہ اس طرف ہوگیا کہ قبض کے اسباب میں سے ایک سبب صدور معصیت بھی ہے والیہ الاشارۃ فی قولہ تعالیٰ کلا بل ران علیٰ قلوبھم ما کانوا یکسبون اور اُس کا تدارک عذر وتوبہ سے ہے۔

تا رفت مرا از نظران نور جہان بیں ۔ کس واقف ما نیست کہ از دیدہ چہا رفت

نور جہان بین نور چشم ہوتا ہے مقصود تشبیہ دینا محبوب کو مجموعہ موصوف و صفت کے ساتھ ہے نہ کہ صرف نور کے ساتھ تشبیہ دینا پھر مشبہ کو جہان بین کہنا کیونکہ اُس کو جہان بین کہنے سے کوئی فائدہ نہیں ۔ محبوب کو نور جہان بین یا ایک نسخہ پر چشم جہاں بین ۔ کہنا اس بنا پر ہے کہ اُس سے عاشق کی آنکھیں منور رہتی ہیں ۔ یہ بھی اشارہ ہے قبض کی طرف یعنی جب سے محبوب سے بعد ہوا ہے کسی کو خبر نہیں کہ آنکھ سے کیسے آنسو رواں ہوئے ۔ یا یہ کہا جاوے کہ آنکھ میں سے کیا چیز رخصت ہوگئی یعنی روشنی ۔ اس میں بیان ہے قبض پر حزن کا اگر وہ قبض عصیاں سے ہے تب تو حزن عقلی بھی ہے اور اگر اور سبب ہے تو حزن طبعی ہے ورنہ عقل کامل تو اُس کو مصلحت سمجھتی ہے ؎

بر شمع نرفت از گذر آتش جان سوز ۔ آں دود کہ از سوز جگر بر سر ما رفت

گذر رفتن ورائے و سببے مراد اینجا معنی اخیر ۔ آتش جان سوز عشق کہ سوزندہ جان ست و ہمیں مراد ست از آتش دل کہ در بعض نسخہ ہاست ۔ معنی آنست کہ بسبب آتش عشق دودے کہ از سوز جگر بر سر ما رفت بر شمع ہم نرفتہ یعنی آں قدر سوزش دارم کہ شمع ہم ندارد اس میں بھی حالت قبض کا بیان ہے ۔

دور از رخ تو دمبدم از گوشۂ چشم ۔ سیلاب سرشک آمد و طوفان بلا رفت

اس بعد سے مراد بھی وہی حالت قبض کی ہے معنی آن ست کہ بسبب دوری از رخ تو کہ دائم دمبدم از چشمۂ دیدگان ما سیلاب سرشک روی نمود و طوفان درد و بلا روی داد ؎

از پای فتادیم چو آمد شب ہجراں ۔ در درد بماندیم چو از دست دوا رفت

دوا کنایہ از وصل مراد بسط ۔ یہ بھی حالتِ قبض کا مضمون ہے اور مطلب ظاہر ہے ؎

دل گفت وصالش بدعا باز توان یافت ۔ عمری ست کہ عمرم ہمہ در کار دعا رفت

یعنی دل کہتا ہے کہ اُس کا وصل دعا سے میسر ہو سکتا ہے لیکن مدت ہوئی کہ میری عمر کا تو ایک معتد بہ حصہ دعا ہی میں صرف ہوا مگر وصل میسر نہ ہوا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ بعض لوگ جو نری دعا اور تمنا سے کام نکالنا چاہتے ہیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ جس مقصود کا جو طریق ہے عادۃً اُس کا حصول اُسی سے ہوتا ہے البتہ دعا سے اُس طریق میں برکت و تاثیر ہو جاتی ہے اور جو کام صرف دعا کے متعلق ہے اُس کے لیے البتہ دعا ہی کافی ہے مثلاً قربِ الٰہی کے لیے طریق عادی سعی فی العمل و ترک منہیات ہے جو شخص اوامر و نواہی میں عمر بھر قصداً اختلال رکھے اور نری دعا سے کام نکالنا چاہے تو محض نادان ہے البتہ مجاہدہ کر کے پھر دعا کرے کہ وہ سعی مقبول ہو اور دعا کی یہ ضرورت سمجھے کہ عمل و مجاہدہ علت تامہ نہیں تو یہ دعا البتہ مفید اور بجائے خود ہے ؎

احرام چہ بندیم کہ آں قبلہ نہ اینجاست
در سعی چہ کوشیم کہ از مروہ صفا رفت

چوں طواف کعبہ اصل مقصود ست و سعی متمم آں پس احرام طواف قبلہ کنایہ از عبادات مقصودہ است و سعی کنایہ از عبادات متمم آں و چناں کہ طواف موقوف بر وجود قبلہ است و سعی موقوف بر حضور قلب ست پس حضور قلب باعتبار عبادت مقصودہ مشبہ بقبلہ شدو باعتبار عبادت متممہ مشبہ بمجموعہ صفا و مروہ شدو در قبض حضور قلب خواہ فی الواقع اگر بسبب معصیت باشد یا بزعم سالک اگر بسبب غیر او باشد لامحالہ رو بکمی می آرد پس تضجراً میفرمایند کہ عبادت چہ کنیم کہ شرط کمالش مفقود ست و مقصود آں نیست کہ عبادت عبث است و فقدان صفا را کہ جزو مجموعہ است بادعا شاعرانہ آوردند زیرا کہ صفا بمعنی لغوی ست ؎

دی گفت طبیب از سر حسرت چو مرا دید
ہیہات کہ رنج تو ز قانون شفا رفت

قانون بمعنی قاعدہ و نام کتابے در طب از شیخ ابو علی سینا و ہم چنیں شفا بمعنی صحت و نام کتابے از شیخ مذکور و اینجا قانون بمعنی قاعدہ است و شفا محتمل ہر دو معنی است و لطافت شاعری پوشیدہ نیست یا تو اشارہ اس طرف ہے کہ غیر کاملین حالت قبض کو دیکھ سن کر سالک کو اور بھی پریشان اور ناامید کر دیتے ہیں۔ اور یا اشارہ اس طرف ہے کہ بعض اقسام قبض کا ازالہ اختیار اور تدبیر سے خارج ہے بجز تحمل و استقلال کے کوئی

چارہ نہیں کما قال الشیرازی رح فی موضع آخر ؎

باغباں گر پنج روزے صحبت گل بایدش — بر جفای خار ہجراں صبر بلبل بایدش ؎

ای دوست پیر سیدن حافظ قدمی نہ — زاں پیش کہ گویند کہ از دار فنا رفت

اس میں استدعا ہے بسط کی قبل اس کے کہ حزن قبض میں ہلاک ہونے کی نوبت آجاوے۔

غزل ؎

منم کہ گوشۂ میخانہ خانقاہ من ست — دعاء پیر مغاں ورد صبح گاہ من ست

میخانہ عالم عشق - پیر مغاں مرشد کامل - یعنی اور لوگ تو ریائی خانقاہ و اوراد میں مشغول ہیں اور میرے لیے بجائے خانقاہ کے عالم عشق ہے اور بجائے اوراد کے دعائے و توجہ مرشد ہے اور یا وہی مطلب ہے کہ کسی کے لیے طریق زہاد و ابرار انفع ہے اور کسی کے لیے طریق عشاق حسب اختلاف الاستعداد۔

گرم ترانہ چنگ و صبوح نیست چہ باک — نوای من بسحر آہ عذر خواہ من ست

چنگ و صبوح سے مراد یا تو اعمال ریائی ہیں مطلقاً یا خاص سماع و حال ریائی ہے جس کو اکثر عوام جزو یا لازم درویشی کا سمجھتے ہیں - نوائے سحری اشارہ اس آیت کی طرف ہے کانوا قلیلا من اللیل ما یھجعون و بالاسحار ھم یستغفرون حاصل یہ ہوا کہ طمطراق ظاہری کا فقدان کچھ مضر نہیں میرا تھوڑا سا اخلاص فی العمل اور اعتراف زلل یہ کافی عذر خواہ ہے - اس میں مذمت ہے تصنع و حب شہرۃ کی اور ترغیب ہے اخلاص و انکسار و خمول کی ؎

ز بادشاہ و گدا فارغم بحمد اللہ — گدای خاک در دوست بادشاہ من ست

اشارہ ہے اس طرف کہ طالب حق کو خلق سے مستغنی ہونا چاہیے البتہ اہل اللہ کا خادم رہنا چاہیے ؎

غرض ز مسجد و میخانہ ام وصال شما ست — جز ایں خیال ندارم خدا گواہ من ست

مسجد طریق زہد و میخانہ طریق عشق یعنی جس وقت میں میری جو حالت بھی ہو اُس سب سے مقصود آپ ہی ہیں اشارہ اس طرف ہے کہ سالک کو تلوینات میں مقصود اُسی کو سمجھنا چاہیے کسی خاص لون طالب ہو کہ پریشان نہ ہوے

مرا گدای تو بودن ز سلطنت خوشتر　　　که ذل جور و جفای تو عز و جاه من ست

اشارہ اس طرف ہے کہ طالب حق کو محب جاہ نہ ہونا چاہیے

مگر بہ تیغ اجل خیمہ بر کنم ور نہ　　　رمیدن از در دولت نہ رسم و راہ من ست

یعنی مرجاؤں تو مجبوری ہے ورنہ محبوب سے تو کبھی منہ پھیروں گا نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ مرکر چھوڑ دوں گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ زندگی بھر نہ چھوڑوں گا اور موت کے بعد تو اس کا احتمال ہی نہیں کہ اُس وقت تو حالت خاتمہ اور بھی ممتنع الزوال ہو جاتی ہے۔ اس میں ارشاد ہے استقامت کے لیے گو کیسے ہی شدائد و بلیات کا ہجوم ہوے

ازاں زمان کہ بر آں آستان نہادم روی　　　فراز مسند خورشید تکیہ گاہ من ست

یعنی عزت حقیقیہ تعلق مع اللہ ہی میں ہے قال اللہ تعالیٰ وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ولکن المنافقین لا یعلمون ے

گناہ گر چہ نبود اختیار ما حافظ　　　تو در طریق ادب کوش کایں گناہ من ست

اس میں اعتقاد جبر کا نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ افعال عباد میں گو مرتبہ تحقیق میں دونوں نسبتیں ہیں باعتبار خالقیت کے حق تعالیٰ کے ساتھ اور باعتبار کسب کے عبد کے ساتھ مگر بلا ضرورت تم نسبت اولیٰ کا ذکر مت کرو صرف نسبت ثانیہ کے ذکر پر اکتفا کرو کہ مقتضائے ادب یہی ہے پس نبود اختیار ما سے مراد نفی موثریۂ تامہ اختیار کی ہے نہ کہ نفی نفس اختیار کی۔ غزل

لعل سیراب بخون تشنہ لب یار من ست　　　از پئے دیدن او دادن جان کار من ست

سیراب بجون صفت لعل و موصوف مع الصفۃ مبتدا۔ وتشنہ لب مضاف لبوئے یار اسمضاف مع مضاف الیہ خبر مبتدا۔ مقصود بیان کرنا ہے محبوب کے کامل ہونے کا حسن وجمال میں۔ مطلب یہ کہ لعل جو کہ سرخی میں ایسا سمجھا جاتا ہے کہ گویا خون سے سیراب ہو چکا ہے اور ظاہر ہے کہ سیرابی کے بعد کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں رہتی پس یہ کنایہ ہوا اپنی صفت میں کامل ہونے سے یعنی ایسا کامل کہ اپنی صفت میں بالکل سیراب ہے مگر وہ بھی میرے محبوب کا تشنہ لب اور محتاج ہے حاصل یہ کہ تمام ممکنات اپنے کمالات میں محتاج ہیں واجب الوجود کے اور مصرعہ ثانیہ کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ وہ ایسا کامل ہے اس لیے اُس کی تحصیل لقا کے لیے فنا ہو جانا یہ میری عین سعی ہے۔ پس اس میں ترغیب ہے طالبین کو۔

شرم ازاں چشم سیہ بادش و مژگان دراز ہر کہ دل بردن او دید و در انکار من است

ہر کہ الخ مبتدا موخر و شرم الخ خبر مقدم وضمیر شین در مصرعہ اولیٰ راجع بہ ہر کہ لتقدمہ رتبۃ۔ اس میں بیان ہے معترض کی غلطی کا اور چشم سیاہ و مژگان دراز کنایہ ہے مطلق حسن وجمال سے یعنی جس کو معلوم ہو گیا ہو کہ وہ محبوب ایسا کامل ہے اور ایسے جمال و کمال کا لازمی اثر ہے دلربائی پھر بھی مجھ پہ انکار وطعن کرتا ہو اُس کو شرم کرنا چاہیے۔ اس میں اشارہ ہے کہ طالب کو طلب میں کسی کے اعتراض و انکار کے سبب ننگ وعار نہ چاہیے کیونکہ یہ تو حق پر ہے خجلت و غیرت تو معترض کو چاہیے۔

ساربان رخت بدروازہ مبر کاں سرکوی شاہراہیست کہ منزلگہ دلدار من است

دروازہ پر اسباب اُس وقت لے جاتے ہیں جب سفر چھوڑ کر قیام کا ارادہ ہوتا ہے پس یہ کنایہ ہوا توقف کرنے سے سلوک میں آں ران سرکوی موصوف ہے اور جملہ منزلگہ دلدار من ست اُس کی صفت اور یہ مجموعہ مبتدا اور شاہراہیست اُس کی خبر اور ساربان خطاب ہے اپنے نفس کو کہ وہ مرکب بدن پر سوار ہو کر اس راہ کو قطع کرتا ہے مطلب یہ ہوا کہ اے نفس تو اس سفر سلوک میں توقف کا ارادہ مت کر اور شاہراہ کو کہ محل سفر ہے چھوڑ کر کوئی مقام قیام و توقف کا تجویز مت کر کیونکہ وہ محبوب جس سرکوئے اور محلہ میں رہتا ہے وہ کوئی گھر نہیں ہے بلکہ یہی شاہراہ ہے جس کو تو قطع کرتا آرہا ہے برخلاف دوسرے

محبوبوں کے کہ گھروں میں رہتے ہیں۔ پس وہ اسی شاہراہ پہ ملے گا سفر کے انقطاع سے نہ ملے گا۔ خلاصہ یہ کہ طلب سے تقاعد نہ کرے وہذا کما قیل ؎

اے برادر بے نہایت درگہے ست | ہر چہ بروے میرسی بروی مایست۔ وقیل ؎
اندریں رہ می تراش و می خراش | تا دمی آخر دمی فارغ مباش

ہذا ما ذہب الیہ ذوقی وللشراح والمحشیین اقوال عجیبۃ غریبۃ بعیدۃ غیر قریبۃ۔ وللناس فیما یعشقون مذاہب۔ اور اس میں اشارہ اُس کی لامکانی ہونے کی طرف بھی ہوگیا۔

بندۂ طالع خویشم کہ دریں قحط وفا — عشق آں لولی سرمست خریدار من ست

مطلب اظہار مسرت ہے کہ برخلاف اور محبوبوں کے جن میں وفا کا قحط ہے میرا محبوب کہ فی نفسہ شان استغناء میں ایسا ہے جیسا آن کا مشار الیہ مگر پھر بھی غایت رافت سے میرا خریدار ہے قال اللہ تعالےٰ ان اللہ اشتری من المؤمنین الآیہ وقال علیہ السلام عن اللہ تعالیٰ من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا الحدیث پس اس میں نعمت کا شکر بھی ہے اپنی عدم صلاحیت کا اعتراف بھی ہے طالبین کو ترغیب بھی ہے کہ ایسے محبوب کا طالب ہونا چاہیے۔ اور تشبیہ مذکور فی الشعر کے الفاظ گو موحش ہیں مگر نظر الی المعنی لاسیما بعد انضمام غلبۃ الحال قابل تسامح ہے ؎

طبلہ عطر گل و درج عبیر افشانش — فیض یک شمہ ز بوی خوش عطار من ست

ضمیر شین راجع بگل مراد از گل اہل کمال و مراد از طبلہ عطر و درج عبیر افشاں کمالات آں اہل کمال مطلب یہ کہ میرا محبوب ایسا کامل ہے کہ سب اہل کمالات کے کمالات اُسی کا فیض ہے اس میں بھی ترغیب ہے توجہ الی اللہ واعراض عما سوی اللہ کی ؎

باغباں ہمچو نسیم ز در خویش مراں — کآب گلزار تو از اشک چو گلنار من ست

چو گلنار صفت اشک۔ سہل توجیہ یہ ہے کہ باغبان سے مراد مرشد ہو اور مقصود تعلیم ہو شیوخ کو کہ طالبین کے ساتھ بہت عنف اور بیدماغی نہ چاہیے کہ طالبین کی طلب اور استرشاد سے بھی مرشدین کے کمال میں ترقی ہوتی ہے کما فی الحدیث لان یھدی اللہ بک رجلا

خیرلك من حمر النعم۔ وفی الحدیث من سن سنة حسنة فله اجره واجر من عمل بها الخ۔ وفی الحدیث الدال علی الخیر کفاعله وفی الحدیث او علما ورثه وغیر ذلك۔ اور راندن میں نسیم کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی کہ نسیم باغ سے باہر ہو جاتی ہے گو خوشبودار ہو کر نکلتی ہے مگر وہ خوشبو عارضی ہوتی ہے اس لیے تہی دست ہی سمجھی جاوے گی اس میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ بدوں توجہ مرشدین کے مسترشد بے بہرہ رہتا ہے اور جو تھوڑی بہت مناسبت مقارنت سے ہوتی ہے وہ جلد زائل ہو جاتی ہے ٥

شربت قند و گلاب از لبِ یارم فرمود — نرگس او کہ طبیبِ دل بیمارِ من ست

از لب یار بیان قند و گلاب۔ و نرگس فاعل فرمود۔ مراد از نرگس صفت علیمہ بمناسبت آنکہ نرگس مشابہ چشم باشد و چشم آلہ معائنہ است و ہمیں سان علم آلۂ اطلاع باشد۔ مطلب یہ ہوا کہ میرے محبوب نے میری حالت دیکھ کر میرے لیے علاج اپنا لطف اور رحمت کہ مشابہ قند و گلاب ہے تجویز فرمایا۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ محبوب حقیقی برخلاف دوسرے محبوبوں کے طالبین پر شفیق و رحیم ہے پس ترغیب ہے طلب و مجاہدہ کی ٥

آنکہ در طرزِ غزل نکتہ بحافظ آموخت — یارِ شیریں سخن و نادرہ گفتارِ من ست

ترجمہ تو ظاہر ہے کہ جس شخص نے مجھ کو یہ طرز سخن سکھلایا ہے وہ شخص میرا محبوب ہے جو کہ خود شیریں سخن و نادر گفتار ہے اور اس کا سکھلانا یا حقیقۃً ہے یا مجازاً۔ اول اس طرح کہ اس نے طریقہ بتلایا ہو۔ دوسرا اس طرح کہ اس کے عشق میں احوال مختلفہ پیش آئے اور جوش میں ایسا بولنا آگیا لیکن یار کو شیریں سخن کے ساتھ موصوف کرنا قرینہ مرجح احتمال اول کا ہے اور بلسان حقیقت یہ اشارہ ہو سکتا ہے کہ ممکن کے کمالات مستفاد ہوتے ہیں کمال واجب سے پس تعلیم ہو گئی مسئلہ حقیقت کی۔

غزل ٥

روزگاری ست کہ سودای بتاں دینِ من ست — غم ایں کار نشاطِ دلِ غمگین من ست

جمیعت بتان برای جنسیت ست۔ مطلب ظاہر ہے کہ مدت سے یعنی جب سے نصیب ہوا ہے عاشقی میرا مسلک ہے اور اس مشرب میں جو مجھ کو غم بھی پیش آتا ہے وہ مجھ کو سرور معلوم ہوتا ہے۔ اس میں ترغیب ہے عشق وطلب کی اور اس میں تحمل شدائد کی۔ قال الشیخ ؎

خوشا وقتِ شوریدگانِ غمش ، اگر ریش بینند وگر مرہمش

دما دم شرابِ الم در کشند اگر تلخ بینند دم در کشند

دیدنِ روی ترا دیدۂ جان می باید وین کجا مرتبۂ چشم جہان بین من ست

ترجمہ لفظی تو ظاہر ہے اور مراد معنوی اس سے اشارہ ہو سکتا ہے تحقیق مسئلہ رویت کی طرف یعنی اس آنکھ سے رویت حق تعالےٰ کی نہیں ہو سکتی بلکہ دنیا میں تو محض عقل وبصیرت سے ہو سکتی ہے اور آخرت میں گو چشم سر سے ہوگی مگر اس میں ایک خاص قوت پیدا ہو جاوے گی جو کہ اب نہیں ہے اُسی سے اُس کا تحمل ہو جاوے گا اور حقیقت اُس قوت کی غلبہ روحانیت کا ہے جو کہ تمام جسد کو عام ہوگا اور یہی بناء ہوگی اُس کے بقاء کی پس لفظ دیدۂ جان دونوں صورتوں کو شامل ہے دنیا میں چشم بصیرت کو اور آخرت میں چشم سر کو باعتبار غلبہ روح کے پس جو شخص دنیا میں دعوئے رویت کا چشم سر سے کرتا ہے اُس کی غلطی کی طرف اشارہ ہو گیا۔

تا مرا عشق تو تعلیم سخن گفتن کرد خلق را وردِ زباں مدحت وتحسینِ من ست

ظاہر ہے کہ عشق ومحبت کی باتیں لذت بخش ہوتی ہیں اس لیے ایسی باتوں کا کرنے والا ممدوح ہوتا ہے مقصود یہ ہو سکتا ہے کہ جب باتیں ایسی لذیذ ہیں تو خود عشق کیسا لذیذ ہوگا پس اشارہ ہو گیا اس کی ترغیب وتحصیل کی طرف ؎

دولتِ فقر خدایا بمن ارزانی دار کیں کرامت سبب حشمت وتمکین من ست

پس چاہیے کہ فقر جو سبب عزت حقیقی کا ہے اس کو چھوڑ کر جاہ وہمی میں نہ پڑو ؎

واعظِ شحنہ شناس ایں عظمت گو مفروش زانکہ منزل گہِ سلطان دلِ مسکینِ من ست

مدلول لفظی یہ ہے کہ اے واعظ گو تیری جان پہچان کو توال سے ہے مگر اس بھروسا تو مغرور مت ہو و عظمت فروختن غرور کردن کیونکہ مجھ کو سلطان سے قرب ہے۔ اور مقصود معنوی یہ معلوم ہوتا ہے کہ معترض مدعی کو خطاب ہے کہ گو تیرے پاس آلات تقویت اعتراض کے اور ایذا رسانی کے مجتمع ہیں لیکن مجھ کو حق تعالےٰ کے ساتھ معیت اور نسبت ہے تیری مخالفت سے مجھ کو ضرر نہیں ہوسکتا یا تو ظاہراً بھی نہیں یا صرف باطناً نہیں۔ اس میں تعلیم ہو گی اہل ظاہر کو کہ ناحق اہل باطن کے درپے نہ ہونا چاہیے اور اُن سے تعرض نہ چاہیے۔

یارب ایں کعبۂ مقصود زیا زنگہ کیست　　　کہ مغیلانِ طریقش گل و نسرینِ من ست

مراد از کاف بمعنی کدام در قولہ کیست مزورست زائر نیست۔ و یارب کلمہ الیت کہ ہنگام تحیر گو بند یعنی کعبہ مقصود پر پہنچ کر کس کی زیارت اور جلوہ گری ہو رہی ہے کہ اُس طریق کے شدائد بھی راحت معلوم ہوتے ہیں۔ اس میں ارشاد ہے کہ محبوب حقیقی کی راہ میں شدائد کو راحت سمجھنا چاہیے کہ ع متاع جان جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے ؎

یار ما باش کہ زیب فلک و زینتِ دہر　　　از مہ روی تو و اشک چو پروینِ من ست

مطلب ظاہری تو یہ ہے کہ عالم کی رونق حسن محبوباں و عشق محباں سے ہے اس لیے اے محبوب ہمارا یار بنا رہ کہ مجھ سے اور تجھ سے مل کر رونق اور زینت ہے۔ اور مقصود معنوی یہ ہے کہ محبوب حقیقی سے دعا کرتے ہیں کہ میرے حال پر عنایت و توجہ رکھیے آگے اس توجہ کی حکمت بیان کرتے ہیں کہ جیسا حدیث میں آیا ہے کہ قیامت اُس وقت آوے گی جب روئے زمین پر اللہ اللہ کہنے والا بھی نہ رہے گا اور اللہ اللہ کہنا موقوف ہے توفیق الٰہی پر اور توفیق عطا ہوتی ہے اُسی کو جس پر عنایت و توجہ ہو پس اس عالم کا بقاء موقوف ہوا وجود ذاکرین پر جو کہ کسی درجہ میں محب ہیں اور اُس کے واسطہ سے موقوف ہوا عنایت و توجہ حق پر جس کو روئے محبوب کہہ سکتے ہیں لان التوجہ صرف الوجہ الی شئی پس اگر آپ مجھ پر مثلاً توجہ نہ فرماویں گے اور توفیق ذکر و طاعت کی نہ دیں گے تو ذکر مفقود ہو جاوے گا اور عالم درہم و برہم ہو جاوے گا۔ اور مثلاً اس لیے بڑھا دیا کہ کسی شخص خاص کے ذکر و طاعت پر توقف کا بیان کرنا مقصود نہیں پس اس بنا پر مناسب ہے کہ مطلق طالبین کے لیے دعا کرنا مقصود

ہو اور بیان حکمت سے مقصود تعلیم حکمت نہیں۔ تعالیٰ اللہ عن ذلک علوًا کبیرا بلکہ موکد کرنا ہے مضمون دعا کو جیسا حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں غلبۂ مومنین کے لیے جب دعا فرمائی تو اس کی وجہ میں یہ فرمایا اللھم انک ان لم تشا لم تعبد بعد اور فرمایا اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ لم تعبد او نحو ذلک خوب سمجھ لو۔ اور لفظ اس کے جو کسی درجہ میں موہم و موحش ہیں مقام ادلال پر محمول کر لینے سے اس ایہام و ایحاش کا تدارک ہو سکتا ہے۔

حافظ از حشمت پرویز دگر قصہ مخوان — کہ لبش جرعہ کش خسرو شیریں من ست

یعنی اہل دنیا کی حشمت و شوکت کو کیا بیان کرتے ہو اُن کی عزت اہل اللہ کی عزت کے سامنے ادنیٰ درجہ کی ہے کالمحتاج بالنسبۃ الی المحتاج الیہ۔ اور خسروؔ اور پرویز ایک ہی شخص ہے اور خسرو شیریں یا تو موصوف و صفت ہے پس شیریں بمعنی لغوی ہوگا یا مضاف و مضاف الیہ ہے پس شیریں سے مراد محبوب حقیقی ہوگا اور خسرو سے مراد دونوں صورت میں اللہ والے ہیں جو شیریں بھی ہیں اور ایک حقیقی شیریں کے ساتھ منتسب بھی ہیں۔

غزل

اے شاہد قدسی کہ کشد بند نقابت — وی مرغ بہشتی کہ دہد دانہ و آبت

اس غزل کے اکثر اشعار میں تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ناصحانہ خطاب کسی ایسے شخص کو ہے جو ان سے چھوٹا ہے اور ان کا محبوب ہے جیسا مشہور ہے کہ اپنی بیوی کو فہمائش کرتے ہیں جو آزردہ ہو کر میکہ میں چلی گئی تھی پھر بعد اس فہمائش کے وہ آ گئی مگر شعر ثانی کو ظاہر الفاظ کے اعتبار سے اس فہمائش سے خارج کہنا چاہیے۔ یا اور کوئی مسترشد مخاطب ہو جو طریق رشد سے منحرف ہو اور حافظ رح براہ شفقت اس کا راہ پر لانا چاہتے ہوں بہر حال اس میں اشارہ ہوگا کہ مرشد کو استغناء میں غلو نہ چاہیے جہاں ارشاد نافع ہونے کی امید ہو دلجوئی سے گو وہ نیازمندی کے مرتبہ میں پہنچ جاوے کام لینا چاہیے اور بعض اشعار دوسرے مضامین کے بھی ہیں پس اس شعر اول میں اپنے کسی عزیز کو بعنوان خاص خطاب ہے یعنی اُس کی روح کو کہ حقیقت انسانیہ ہے خطاب فرماتے ہیں کہ اے عالم قدس (یعنی عالم ارواح

کے شاہد یعنی محبوب کیونکہ حقیقت انسانیہ بوجہ مقصود اعظم بالخلق ہونے کے فی نفسہ احب الخلق ہے یا احب الی الخلق ہے۔ یا شاہد بمعنی حاضر لیا جاوے کیونکہ روح ظاہر ہے کہ عالم ارواح میں حاضر تھی۔ اسی طرح مرغ بہشتی بھی اُسی کو کہا خواہ باعتبار مبداء کے پس بہشت سے مراد عالم قدس ہوگا یا اس اعتبار سے کہ آدم علیہ السلام بہشت میں رہے تھے اور سب ذریت اُن کے وجود میں مندرج تھیں اور خواہ باعتبار معاد کے کہ حدیث سے مومنین کی ارواح کا قنادیل عرش میں رہنا اور جنت میں جہاں چاہیں کھاتے پیتے پھرنا ثابت ہے رواہ السیوطی فی شرح الصدور اور اصل صفت روح کی ایمان ہی ہے اگر عوارض نہ ہوں تو مومن ہی رہے اس لیے اس عنوان سے خطاب مطلق روح کو بھی صحیح ہو سکتا ہے۔ پس اس عنوانات سے خطاب فرماتے ہیں کہ تو جو قید جسم میں مقید ہو کر اپنے مقر اصلی سے جدا ہو گیا ہے اور یہ جسم بمنزلہ حجاب و نقاب کے ہو گیا ہے اور اُس کی تقیید مثل بند کے ہو گئی ہے تو یہ تو سوچ کہ تیرے اس بند نقاب کو کون کھولے گا اور اس قید سے کون رہائی دے گا اور بعد رہائی کے آب و دانہ یعنی نعمتیں عالم آخرت کی تجھ کو کون دے گا اور ظاہر ہے کہ وہ رہائی دینے والا اور آب و دانہ دینے والا حق تعالیٰ ہی ہے پس مطلب یہ ہوا کہ جب وہ ایسا منعم و محسن ہے تو تجھ کو چاہیے کہ اُس کی اطاعت و ذکر میں مشغول ہو اور خلاف رشد کام کرنے سے باز رہے۔ وہو یقارب قول الجامی رح ؎

تو ئی آں دست پرور مرغ گستاخ	کہ بودت آشیان بیروں ازیں کاخ
چرا زاں آشیان بیگانہ گشتی	چو دونان چغد ایں ویرانہ گشتی

ھذا ما القی فی قلبی وللاخرین اقوال اخر لا تشفی ولا تکفی واللہ اعلم۔

خوابم بشد از دیدہ دریں فکر جگر سوز — کاغوش کہ شد منزل آسایش و خوابت

یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ غایت شفقت سے اُس عزیز کو فرماتے ہیں کہ اس فکر میں میری راحت جاتی رہی کہ اپنے محبوب حقیقی سے بعد اختیار کر کے کس کا قرب اختیار کیا ہے مطلب یہ کہ شیطان کا قرب اختیار کیا ہے جو کہ عدو مبین ہے وھذا کقول السعدی ع ببیں کہ از کہ گسستی و با کہ پیوستی ؛ اور اس توجیہ پر زوجہ کا بھی مخاطب ہونا بلا غبار ہو سکتا ہے اور آغوش مضاف ہے کلمہ کاف کی طرف جو بمعنی کدام ہے ؎

درویش نمی پرسی و ترسم کہ نباشد　　اندیشۂ آمرزش و پروای ثوابت

اس میں بھی اسی عزیز کو نصیحت ہے کہ تم غیر جنس کی صحبت میں پڑکر درویشوں سے جو تمہارے ناصح ہیں بفحوائے الحق مر بھاگنے لگے ہو مجھ کو یہ خوف ہے کہ کبھی غفلت بڑھتے بڑھتے نوبت یہاں تک نہ پہنچ جاوے کہ مغفرت اور ثواب سے بھی استغنا ہو جاوے۔ یعنی فکر آخرت دل سے نکل جاوے اس میں اشارہ اُس مسئلہ کی طرف ہے جو اہل طریق نے فرمایا ہے کہ اس راہ کی لغزش کے سات درجے ہیں۔ اعراض۔ حجاب۔ تفاصل۔ سلب مزید۔ سلب قدیم۔ تسلی۔ عداوت اول اعراض ہوتا ہے اگر معذرت و توبہ نہ کی حجاب ہو گیا اگر پھر بھی اصرار رہا تفاصل ہو گیا اگر اب بھی استغفار نہ کیا تو عبادت میں جو ایک زائد کیفیت ذوق و شوق کی تھی وہ سلب ہو گئی یہ سلب مزید ہے اگر اب بھی اپنی بے ہودگی نہ چھوڑی تو جو راحت و حلاوت کہ زیادتی کے قبل اصل عبادت میں تھی وہ بھی سلب ہو گئی اُس کو سلب قدیم کہتے ہیں اگر اس پر بھی توبہ میں تقصیر کی تو جدائی کو دل گوارہ کرنے لگا یہ تسلی ہے اگر اب بھی وہی غفلت رہی تو محبت مبدل بعداوت ہو گئی نعوذ باللہ منہا کذا فی فوائد الفواد اور شعر ہذا میں غالباً مرتبہ تسلی کا مراد ہے۔

راہ دل عشاق زد آں چشم خماری　　پیداست ازیں شیوہ کہ مست است شرابت

مراد از مست کنندہ مبالغۃً مست گفتہ کما قال الشاعر۔ تحیۃ بینہم ضرب وجیع۔ راہ زدن بے قرار ساختن و جمعیت عشاق برائے جنس ست مراد ذات خود۔ اُس عزیز کو فرماتے ہیں کہ میں تیری جدائی میں بے قرار ہوں بے شک تیری شراب یعنی آنکھیں کہ پر خمار ہیں مست کنندہ ہیں۔ اشارہ اس طرف ہے کہ بعض اوقات اپنی محبت کا ظاہر کر دینا مخاطب کو متوجہ کر دیتا ہے سو اگر نصیحت میں اس کی ضرورت ہو تو ایسا کیا جاوے رہا یہ کہ اہل حقیقت کو مجازی محبت کب ہوتی ہے جواب اس کا اس ردیف التاء کی غزل نہم آں سیہ چردہ کہ شیرینی عالم با اوست الخ کی شرح دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔

تیرے کہ زدی بر دلم از غمزہ خطا رفت　　تا باز چہ اندیشہ کند رای صوابت

یعنی تو نے جو مجھ سے جدائی اختیار کر کے یہ سمجھا تھا کہ یہ مسخر محبت ہے میری محبت میں اپنے طریق رشد کو چھوڑ دے گا وہ خیال تو غلط نکلا اور نشانہ خالی گیا اب دیکھیں کہ آیندہ کے لیے کیا تجویز کیا جاتا ہے اور صواب کہنا تالیف قلب کے لیے ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ محبت حق تعالیٰ کی سب محبوبوں کی محبت پر غالب رہنا چاہیے اور یہی غلبہ دلیل ہے اس کی کہ یہ شخص محب حق تعالیٰ ہی کا ہے اور دوسروں پر محض رحمت ہے اکابر پر یہی خیال کرنا چاہیے ؎

ہر نالہ و فریاد کہ کردم نہ شنیدی　　پیداست نگارا کہ بلندست جنابت

اس میں بھی اُس عزیز محبوب کو خطاب ہے کہ میں نے تیری نصیحت میں کتنا شور و غل مچایا اگر تو نے ایک نہ سنی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی شان بڑی عالی ہوگئی ہے کہ کسی کی سماعت ہی نہیں ہوتی۔ یہ بطور عتاب کے کہا گیا جیسے اس طرح کے موقع پر بولا کرتے ہیں کہ اب تو آپ کا دماغ آسمان پر پہنچ گیا ہے کسی کی رسائی ہی نہیں ہوتی ؎

اے قصر دل افروز کہ منزل گہ انسی　　یارب نکناد آفتِ ایام خرابت

اس میں اُس عزیز محبوب کو دعا ہے اس طور سے کہ اُس کے گھر کو دعا دیتے ہیں جس طرح اس شعر عربی میں ؎

ان المروۃ والسماحۃ الذی　　فی قبۃ ضربت علی ابن الحشرج

یعنی اے قصر دل افروز جو کہ منزل گاہ انس ہے خدا کرے آفت زمانہ تجھ کو ویران نہ کرے یعنی ہمیشہ آباد رہے اور اس میں اُس عزیز کو یہ دعا ہے کہ خدا اُس کی اصلاح کرے کیونکہ گھر کی حقیقی آبادی یہی ہے کہ اُس کا بسنے والا صالح الاحوال ہو ورنہ معنیً وہ ویران ہے جیسا حدیث میں ہے مساجد ھم عامرۃ وھی خراب۔ خوب سمجھ لو ؎

دور ست سر آب دریں بادیہ ہشدار　　تا غول بیابان نفریبد بسرابت

یہ دوسرے مضمون کا شعر ہے اس میں سالک کو تنبیہ ہے کہ ابتدائی یا توسط کی کیفیات پر مغرور نہ ہو جاوے اور اپنے کو کامل اور واصل نہ سمجھ جاوے کیونکہ وہ امور مقصود نہیں

ہوتے گو مشابہ مقصود کے ہوں جس طرح سراب کہ مشابہ آب کے ہوتا ہے آب نہیں ہوتا پس فرماتے ہیں کہ پانی کا کنارہ ابھی دور ہے ہوشیار رہنا کبھی شیطان تجھ کو سراب سے دھوکا نہ دے۔ اور ممکن ہے کہ اُسی عزیز کو خطاب ہو شاید کسی قرینہ سے معلوم ہوا ہو کہ وہ کمال کے زعم میں ہادی اور مصلح سے اپنے کو مستغنی سمجھنے لگا ہے اور اسی لیے اُس نے بے اعتنائی کی ہو اس وجہ سے اُس کو یہ نصیحت کی ہو۔

تا در رہِ پیری بچہ آئین روی اے دل — باری بغلط صرف شد ایام شبابت

اس میں نصیحت ہے اپنے نفس کو یا دوسرے شخص کو بطرز قولہ تعالیٰ ومالی لا اعبد الذی فطرنی۔ اور ترغیب ہے تدارک ایام گذشتہ کی۔

حافظ نہ غلامیست کہ از خواجہ گریزد — لطفے کن و باز آ کہ خرابم ز عتابت

یا تو اس میں خطاب ہے محبوب حقیقی کو جیسا غلام اور خواجہ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے یعنی میں اب اس در پر آپڑا ہوں ٹلنے والا نہیں میرے حال پر کرم فرمائیے میں آپ کے عتاب سے جس کی علامت قبض کی نوع خاص ہے پریشان ہوں اُس کو دور کیجیے۔ اور یا اُسی عزیز کو خطاب ہے اور خواجہ اور غلام غایت ملاطفت و انکسار سے کہہ دیا واللہ اعلم۔

غزل ۲

باغ مرا چہ حاجت سرو و صنوبر ست — شمشاد سایہ پرور ما از کہ کمتر ست

سرو صنوبر قسمی از سرو و شمشاد قسمی از سرو۔ سایہ پرور ناز پرورده۔ اقرب یہ ہے کہ اس میں جواب ہے اُس شخص کا جو ان کو کسی دوسرے مرشد کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ ہمارا مرشد کس سے کم ہے جو ہم کو دوسرے کی حاجت ہو۔ اس میں اشارہ ہوگا مسئلہ وحدت مطلب کی طرف اور سایہ پرور سے ممکن ہے کہ اشارہ ہو مرشد کے صاحب تمکین ہونے کی طرف کیونکہ تمکین میں سکون ہوتا ہے بخلاف دھوپ کے کہ اُس میں تیزی و حرارت ہوتی ہے اور ترکیب ان کی کمتر ست گو موضوع ہے نفی کمی کے لیے مگر عرفاً مستعمل ہے اثبات زیادت کے لیے جیسے قرآن مجید میں ترکیب ومن اظلم موضوع ہے نفی زیادت کے لیے مگر مستعمل ہے اثبات کمی

کے لیے یعنی اس مذکور سے اور سب ظالم کم ہیں۔

اے نازنین پسر تو چہ مذہب گرفتۂ　　کت خون ما حلال تر از شیر مادرست

اگر اس کو شاعرانہ مضمون کہا جاوے تو محبوب مجازی پر محمول کرنے سے بے تکلف معنی درست ہو جاویں گے اور اگر صوفیانہ مضمون کہا جاوے تو بہتر ہے کہ اس کا مخاطب ناصح کو کہا جاوے جس طرح اوپر کے شعر میں بھی ناصح ہی مخاطب تھا اور نازنین پسر بطور استہزا کے کہا گیا تقریر یہ ہوگی کہ میاں صاحبزادے تم نے ہماری جان کیوں کھا رکھی ہے اور ہمارے خون کے کیوں پیاسے ہو رہے ہو اور کیوں ہمارے پیچھے پڑے ہو ہم راہ محبت میں تمہاری نہ سنیں گے اور اپنے پیر کو نہ چھوڑنا بھی اس عموم میں داخل ہے۔

چوں نقش غم ز دور بہ بینی شراب خواہ　　تشخیص کردہ ایم و مداوا مقررست

یعنی جب غم و الم کے آثار معلوم ہونے لگیں گو پاس نہ آئے ہوں اور پاس آنے پر تو بدرجہ اولیٰ اُس وقت شراب عشق سے اُس کا علاج کرو کہ یہی تدبیر متعین ہے ہم تشخیص کر چکے ہیں۔ غم و الم سے مراد دنیوی غموم بھی ہو سکتے ہیں اور وساوس و خطرات بھی اور ترک دنیا کے ساتھ توجہ الی اللہ اور ذکر و فکر دونوں کا علاج مجرب ہے۔

یک قصہ بیش نیست غم عشق وایں عجب　　از ہر کسے کہ می شنوم نامکرر است

یعنی غم عشق کا ہے تو ایک قصہ مگر جس سے سنا جاوے جدید مضمون معلوم ہوتا ہے وجہ یہ کہ عشق میں ہر ایک کو جدا حالات پیش آتے ہیں چنانچہ مشاہد ہے۔ اور اس میں تعلیم ہے اس کی کہ ایک حال والے کو دوسرے حال والے پر انکار نہ چاہیے۔

از آستان پیر مغان سر چرا کشم　　دولت دریں سرا و کشایش دریں درست

یعنی مرشد سے کیوں اعراض کروں جب کہ دولت و کشود باطنی کا مدار وہی ہے۔ یہ بھی شعر اول سے متقارب المعنی ہے۔

دی وعدہ داد وصلم و در سر شراب داشت　　امروز تا چہ گوید و بازش چہ در سر است

اس کو محبوب حقیقی کے معاملہ پر محمول کرنا بعید بلکہ ممتنع ہے کہ اس میں صریح احتمال بدا اور خلف وعدہ کا مذکور ہے گو شراح نے اس کو اختیار کیا ہے چنانچہ کہا ہے درمیثاق معشوق حقیقی مارا وعدہ وصل داد درحالیکہ عشق داشت چنانچہ درحدیث قدسی آمدہ کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف امروز معلوم نیست کہ ارادہ او چیست آیا مارا بدیدار خود فائز میگرداند یا نہ چراکہ سعادت وشقاوت باختیار اوست سبحانہ واہل سعادت فائز بدیدار و اہل شقاوت محروم ازاں معلوم نیست کہ مارا امروز ای دریں نشاۃ عنصریہ از اہل سعادت میکند یا از اہل شقاوت فافہم اھ اس لیے سہل یہ ہے کہ محبوب مجازی کی شکایت پر محمول کر لیا جاوے یعنی اول تو مجھ سے وعدہ وصل کر لیا تھا خدا جانے اُس وقت کس نشہ میں تھا مگر اُس کا اعتبار نہیں آج کیا دماغ میں سمایا ہوا ہو اور ایفا کرے یا نہ کرے اور کیا کہہ اُٹھے اور ممکن ہے کہ جس ناصح کو اوپر کے اشعار میں خطاب ہے وہ کسی شیخ دنیادار کی طرف بلاتا ہو اس لیے اس شعر میں ایسے دنیاداروں کی مذمت کرتے ہوں کہ یہ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے کسی مطلب یعنی مال وجاہ وغیرہ کا نشہ دماغ میں سماتا ہے تو جھوٹے جھوٹے وعدے تعلیم و تلقین وتکمیل وتربیت کے کرتے ہیں مگر وہاں تو کچھ ہے ہی نہیں اس لیے اپنا مطلب نکال کر آرے بلے تبلاتے ہیں اور لطف و دلجوئی کے خیالات کو بدل ڈالتے ہیں ؎

ما آبروی فقر وقناعت نمے بریم با بادشہ بگوی کہ روزی مقدرست

مطلب ظاہر ہے اس میں تعلیم ہے قناعت وتوکل کی۔ بدرالشروح میں منقول ہے درلطائف الطواف آوردہ کہ بادشاہ آں عصر حافظ را طلب کرد حضرت ہمیں بیت نوشتہ فرستاد وخود نرفتند۔ یہ حکایت حافظ رح کی بزرگی کی صاف دلیل ہے ؎

شیراز وآب رکنی وآں باد خوش نسیم عیبش مکن کہ خال رخ ہفت کشورست

آب رکنی رکناباد کہ چشمہ ایست درشیراز مقصود ظاہراً مدح ہے شیراز کی اور بتاویل بعید کہا جا سکتا ہے کہ اشیاء مذکورہ مصرعہ اولے کا مجموعہ اشارہ ہو قالب عنصری کی طرف اس طرح سے کہ شیراز سے خاک اور آب رکنی سے آب اور باد خوش نسیم سے باد اور چونکہ اکثر کا ذکر بجائے کل کے ہے اس لیے نار کا ذکر نہ کرنا مضر نہ ہو۔ مطلب یہ ہوگا کہ اس جسد کی تحقیر

مت کرو کہ ہفت کشور کی یہ زینت ہے کیونکہ عالم لطیف میں روح انسانی اور عالم کثیف میں جسد انسانی اشرف المخلوقات و مقصود اعظم ہے اس لیے ارشاد ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم اور ارشاد ہے صورکم فاحسن صورکم یہ تو شرف باعتبار ذات کے ہے اور شرف باعتبار غایت کے ایسی عبادات سے وابستہ ہیں کہ اُن عبادات کا صدور موقوف ہے تعلق جسد پر مثل صوم وصلوٰۃ و نحو ذلک یہ فائدہ بدوں تعلق جسد عنصری کے حاصل نہیں ہو سکتا اس لیے جسد کی حفاظت وصحت کی رعایت خود مسنون ہے کہ ان لجسدك علیك حقا۔ اور مجاہدہ و اتعاب نفس میں بھی مصالح ہیں مگر جب کہ اعتدال کے ساتھ ہو پس اس میں بعض لوگوں کی غلطی کی طرف اشارہ ہو جاوے گا جو مشقت نفس میں غلو کرتے ہیں ؎

فرق ست ز آب خضر کہ ظلمات جای اوست تا آب ما کہ منبعش اللہ اکبر ست

اللہ اکبر چشمہ الیست در شیراز کہ از میان کوہ بر آید ہر کہ آنرا بیند بے اختیار گوید اللہ اکبر۔ اس میں بھی ظاہر امدح ہے شیراز کی مبالغہ کے ساتھ اور یہ بھی احتمال ہے کہ مقصود ترجیح بیان کرنا ہو حیات قلب کی حیات بدن پر اور آب خضر کی اضافہ محض ادنیٰ ملابستہ کے لیے پتہ کے طور پر ہے یہ نہیں کہ اس اضافہ کو مرجوحیت میں کچھ دخل ہو تا کہ ایہام تحقیر کا شبہ ہو چونکہ آب حیات کا لقب آب خضر ہو گیا ہے اس لیے مفہوم لقبی کے طور پر تعبیر کر دیا گیا مفہوم اضافی کے طور پر نہیں کیا گیا اور حیات قلب کو آب سے تعبیر کرنا مجازاً ہے کہ جعلنا من الماء کل شئی حی اور اللہ اکبر میں توریہ ہو گا یعنی ذکر اللہ سے جو حیات حاصل ہوتی ہے۔ اور ظلمات جای اوست میں اشارہ لطیفہ ہے کہ حیات دنیا کی کتنی ہی طویل ہو بدوں ذکر اللہ کے مجموعہ کدورات و ظلمات ہے ؎

در کوی ما شکستہ دلی میخرند و بس بازار خود فروشی ازاں سوی دیگر ست

اس میں عجز و نیاز کا اسباب قرب میں سے اور خود نمائی و تکبر کا اسباب بعد میں سے ہونا مذکور ہے اور یہ ظاہر و معلوم ہے ؎

حافظ چہ طرفہ شاخ نباتی ست کلک تو کش میوہ دلپذیر تر از شہد و شکر ست

اس میں بیان ہے مضامین عشقیہ کے لذت وحلاوت کا کہ حافظ کے قلم سے جو مضامین نکلتے ہیں تو اُن کی کلک گویا شاخ نبات ہے۔

غزل

شگفتہ شد گل حمرا وگشت بلبل مست — صلائے سرخوشی اے صوفیان بادہ پرست

چونکہ عرفاً گل حمرا کی شگفتگی کا اور بلبل کی مستی کا وقت بادہ نوشی کا موقع ہوتا ہے اس لیے حاصل شعر کا یہ ہے کہ جب انسان کو صحت و فراغ اور اسباب عمل میسر ہوں تو غنیمت سمجھے اور وقت کو ضائع نہ کرے بلکہ اُس کو مجاہدہ و ذکر میں مشغول کرے جیسا حدیث میں ہے اغتنم خمسا قبل خمس صحتك قبل سقمك و فراغك قبل شغلك و شبابك قبل هرمك وغناك قبل فقرك وحياتك قبل موتك پس تشبیہ مفرد بالمفرد کے تکلف کی حاجت نہیں۔

اساس توبہ کہ در محکمی چو سنگ نمود — ببیں کہ جام زجاجی چہ گونہ اش بشکست

یہ توبہ معاصی سے نہیں ہے بلکہ توبہ اظہار احوال سے ہے اور عہد اور عزم ہے کتمان کا مطلب یہ کہ جب غلبہ وارد کا ہوتا ہے وہ عہد ٹوٹ جاتا ہے اور یہ حال توسط سلوک میں ہوتا ہے۔

بیار بادہ کہ در بارگاہ استغنا — چہ پاسبان وچہ سلطان چہ ہوشیار چہ مست

اس میں تقویت ہے رجاء کی اور ازالہ ہے یاس کا یعنی حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کے لیے امور مذکورہ فی الشعر میں سے نہ کوئی امر شرط ہے نہ مانع جیسا سلاطین دنیا کے دربار میں ایسے امور پر نظر ہوتی ہے بلکہ بوجہ استغناء کے اُس درگاہ میں سب برابر ہیں غریب امیر اور عاقل اور کم عقل۔

ازیں رباط دو در چوں ضرورت است رحیل — رواق طاق معیشت چہ سر بلند وچہ پست

اس میں تعلیم ہے زہد کی کہ دنیا کے مال وجاہ میں زیادہ منہمک مت ہو گذر ہر طرح ہو جاتی ہے رواق محل طاق ایوان کذا فی البدر۔

مقام عیش میسر نمی شود بے رنج　　　بلا بحکم بلی بستہ اند روز الست

اس میں ترغیب و تقویت ہمت ہے مجاہدہ و تحمل شدائد سلوک پر یعنی جب یوم میثاق میں الست کے جواب میں بلیٰ کہا تھا جس میں اقرار تھا الوہیت کا تو ابتلاء و امتحان تو اس کے ساتھ ہی وابستہ ہوگیا تھا کیونکہ حکمت امتحان کی یہی ہے کہ یہ شخص اُس اقرار پر قائم رہتا ہے یا نہیں۔

بہ ہست و نیست مرنجان ضمیر و خوش میباش　　　کہ نیست است سرانجام ہر کمال کہ ہست

مصرعہ اول میں ہست و نیست سے مراد مطلق وجود و عدم نہیں بلکہ مرغوبات دنیویہ کا وجود و عدم اور یہی مراد ہے مصرعہ ثانیہ میں۔ مطلب یہ کہ مال و جاہ وغیرہ کی فکر میں مت پڑو کہ اگر ان میں کمال بھی حاصل ہوگیا پھر اُس کا انجام زوال ہی ہے یہ بھی تعلیم ہے زہد کی۔

شکوہ آصفی و اسپ باد و منطق طیر　　　بباد رفت و ازاں خواجہ ہیچ طرف نہ بست

طرف بستن فائدہ حاصل کردن۔ آصف نام وزیر سلیمان علیہ السلام اما اینجا مراد سلیمان علیہ السلام مجازاً و مراد بخواجہ نیز سلیمان علیہ السلام۔ یعنی اُن کے پاس حشمت کا کس قدر سامان تھا مگر بالذات وہ اُن کے لیے نافع نہ ہوا اور بالغیر بوجہ تلبس ذکر و طاعت و آلۂ سعی و عمل و دعوت الی اللہ تعالےٰ ہونے کے نافع ہونا حقیقت میں ذکر و طاعت وغیرہ کا نافع ہونا ہے۔ پس گویا یہ شعر متقارب المعنی ہے شعر اول کا۔

ببال و پر مرو از رہ کہ تیر پرتابی　　　ہوا گرفت زمانے و لے بخاک نشست

پرتاب مقدار تیر انداختن۔ اس میں بھی نصیحت ہے کہ دنیا کے مال و جاہ و اسباب عیش پر مغرور مت ہو کہ یہ چند روزہ ہے جس طرح تیر پرتابی تھوڑی دیر ہوا میں رہتا ہے پھر آخر خاک میں مل جاؤ گے جس طرح وہ تیر خاک میں گر پڑتا ہے۔

زبان کلک تو حافظ چہ شکر آں گوید　　　کہ تحفۂ سخنت می برند دست بدست

اپنی ذات کو خطاب کرتے ہیں کہ اے حافظ تیرا قلم محبوب کی اس نعمت قبول کا کیا شکریہ ادا کر

سکتا ہے کہ اُس کلک کے تراوش دیدہ مضامین کو لوگ ہاتھوں ہاتھ لے جاتے ہیں۔ اس میں تعلیم ہے کہ عبد کو چاہیے کہ کسی کمال کو اپنی طرف حقیقتاً منسوب نہ سمجھے بلکہ سب کو اُس کی عطا جانے وما بکم من نعمۃ فمن اللہ۔

غزل ؎

زلف آشفتہ و خوی کردہ و خنداں لب مست — پیرہن چاک و غزلخوان و صراحی در دست
نرگسش عربدہ جوی و لبش افسوس کناں — نیم شب مست بہ بالین من آمد بہ نشست
سر فرا گوش من آورد بآواز حزیں — گفت کای عاشق شوریدۂ من خوابت ہست
عاشقی را کہ چنیں بادۂ شبگیر دہند — کافر عشق بود گر نہ بود بادہ پرست

خوی کردہ عرقناک۔ پیرہن چاک بے باک۔ افسوس کناں تمسخر کناں مراد خنداں۔ یہ سب اشعار قطعہ بند ہیں اور مراد ان حالتوں سے سامان و لوازم وضع محبوبی ہے اسی طرح آواز حزیں سے مراد آواز نرم کہ معشوقوں کی آواز ہے۔ پس حاصل یہ ہوا کہ نصف شب کے وقت محبوب حقیقی کی طرف سے قلب پہ یہ وارد آیا کہ ایسے وقت تو سوتا ہے یہ وقت بادۂ شبگیر یعنی ذکر و مشغولی کا ہے جو شخص اس وقت بھی اس کو اختیار نہ کرے وہ راہ محبت کا حق ضائع کرنے والا ہے۔ پس اس میں تعلیم ہے ترک غفلت اور اشتغال مع اللہ کی اُس وقت مبارک میں ؎

برو ای زاہد و بر دُردکشاں خوردہ مگیر — کہ ندادند جز ایں تحفہ بما روز الست

اکثر زاہدان خشک بعض امور پر جو غلبہ عشق میں اہل حال سے صادر ہو جاتے ہیں طعن و اعتراض کرتے ہیں۔ اُس کا جواب دے رہے ہیں اور اس میں ارشاد ہے ترک اعتراض کا اہل حال پر ؎

آنچہ او ریخت بہ پیمانۂ ما نوشیدم — اگر از خمر بہشت ست و گر از بادہ مست

یہ شعر بھی گویا متمم ہے شعر بالا کا اور پیمانہ سے اشارہ مرتبہ استعداد کی طرف ہے اور چونکہ خمر بہشت میں نشہ نہ ہوگا کما قال تعالےٰ لاینزفون اس لیے یہ اشارہ ہے ضبط و اخفا کی طرف جو اہل تمکین کو میسر ہوتا ہے اور بادہ مست سے اشارہ ہے اظہار و جوشش و شورش کی طرف جو کہ لازمہ تلوین ہے یعنی جس مرتبہ میں جیسی استعداد ہے وہی حال پیش آوے گا ہمارا اس میں کیا اختیار ہے پھر اعتراض کیسا۔

خندۂ جام می و زلفِ گرہ گیر نگار　　اے بسا توبہ کہ چون توبہ حافظ بشکست

مذکورات مصرعہ اولی سے مراد سامان مستی ہے اس کا مطلب بھی مثل شعر بالا کے ہے یعنی میں عزم بھی اخفا کا کرتا ہوں مگر جب اسباب مستی مجتمع اور غالب ہوتے ہیں وہ عزم کالعدم ہو جاتا ہے۔

غزل

خدا چو صورت ابروی دلکشای تو بست　　کشادِ کارِ من اندر کرشمہ ہای تو بست

اس کا خطاب مرشد کو ہو سکتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے جب تمہاری ذات کو بنایا (اطلاقا للازم علی الملزوم لان تصویر الحاجبین لازم عادی لجعل الذات) تو میرا کشود کار باطنی تمہارے فیوض کے ساتھ وابستہ کیا کیونکہ پہلے سے مقدر تھا کہ فلاں فلاں شخصوں کو ان سے نفع ہوگا۔

ہزار سرو چمن را بخاک راہ نشاند　　زمانہ تا قصب زرکش قبای تو بست

قصب جامہ باشد کہ از کتان و ابریشم بافند کذا فی الغیاث۔ و فاعل نشاند زمانہ۔ یعنی جب سے زمانہ نے تمہارے بدن پر لباس مشیخت آراستہ کیا ہے ہزاروں سرکشوں کو خاکسار بنا دیا یعنی آپ سے ایسے ایسے لوگوں کی اصلاح ہوئی جن کی اُمید ہی نہ تھی اور ایک نسخہ میں ہزار سرو کی جگہ مراد سرو ہے یعنی مجھ کو بھی اور دوسرے سرکشوں کو بھی الخ۔ اور ایک نسخہ میں زرکش کی جگہ نرگسیں ہے اس کے معنی ایک شارح نے اس طرح لکھے ہیں نوعے از قبا کہ گلہائے نرگس بر و منقش بود۔

مراد مرغ چمن را از دل ببرد آرام   سحرگہ آن کہ دل ہر دو در نوای تو لبست

فاعل ببرد آن کہ مراد عشق - نوا آواز مراد رطب اللسانی وعذب البیانی ونوا نیز بمعنی گرفتاری و قید آمدہ کذا فی الغیاث - بہ معنی سحر گاہ کہ وقت تمہارے جس محبت نے تمہاری گویائی یا تمہاری قید میں میرا اور مرغ چمن یعنی دیگر طالبین کا دل پھنسا دیا اُس نے ہم کو بے چین کر دیا مقصود بیان کرنا بے قراری کا ہے تاکہ مرشد کو توجہ ہو - اور سحر گاہ کی تخصیص اس لیے کہ وہ وقت پھولوں کی شگفتگی کا اور باد صبا کے چلنے کا ہوتا ہے جو کہ پھولوں کی خوشبو کو منتشر کرتی ہے اُس وقت مرغ چمن کی بے چینی اور ولولہ کی زیادتی ہوتی ہے پس یہ کنایہ ہوا وقت ظہور کمالات شیخ سے یعنی جب سے آپ کے کمالات کا ظہور ہوا ہے طالبین کا یہ حال ہے ۔

زکار ما و دل غنچہ بس گرہ بہ کشود   نسیم صبح چو دل در پئے ہوای تو لبست

ہوا محبت - مطلب لفظی تو یہ ہے کہ نسیم صبح نے جو اپنا دل تیری محبت میں لگایا تو اس میں یہ اثر ہو گیا کہ ہماری اور دل غنچہ کی گرہیں کھول دیں یعنی ہم کو شگفتگی ہوئی اور غنچہ بھی کھل گیا اور معنی مقصود یہ ہو سکتے ہیں کہ آپ کے مخصوصین اور فیض یافتوں سے جو آپ کے کمالات وفیوض کی خبر سُنی تو مجھ کو اور دوسرے طالبین کو انشراح ہوا اور تردد جو طلب مرشد میں تھا رفع ہو گیا ۔

مرا بہ بند تو دوران چرخ راضی کرد   ولی چہ سود کہ سررشتہ در رضای تو بست

براہ تواضع اپنی کم ہمتی کا بیان کرتے ہیں کہ گو میری یہ خوش قسمتی ہے کہ آپ کی گرفتاری محبت وعقیدت پر میں راضی ہو گیا اور آپ کو مرشد تجویز کر لیا مگر مجھ کو اس سے پورا نفع اس لیے نہ ہوا کہ اصل مدار نفع تام کا آپ کی رضا پہ ہے اور میں اپنی کم ہمتی سے اس کی تحصیل وتکمیل نہیں کر سکا کیونکہ مرشد کی رضا جب ہوتی ہے کہ جب پورے طور سے مرضیات الٰہیہ کو اختیار اور نامرضیات سے اجتناب کرے اور افسوس مجھ کو اس کی توفیق نہیں ہوئی - اور لبست کا فاعل دوران چرخ ہے باسناد مجازی ۔

چو نافہ بر دل مسکین من گرہ مفگن   کہ عہد با سر زلف گرہ کشای تو لبست

خلاصہ مطلب تو یہ ہے کہ میرے دل کو منقبض اور افسردہ مت کر کیونکہ وہ تجھ پر عاشق ہے اور اپنے عاشق سے ایسا معاملہ نہ کرنا چاہیے۔ اب اس کے ساتھ لطافت شاعری کی غرض سے دل کے انقباض کو گرہ افگندن سے اور اُس کے مقابلہ کے لیے زلف کو گرہ کشائی سے تعبیر کیا اور نافہ کو خود بھی زلف سے مناسبت ہے پھر بستن کا لانا خود لطف کو بڑھاتا ہے کشادن کے مقابلہ میں۔ اور نافہ سے تشبیہ گرہ افگندن میں شاید اس لیے ہو کہ نافہ خشک ہو کر سمٹ جاتا ہے جیسے کوئی چیز بند ہو گئی ہو یا اس لیے ہو کہ اُس میں خون منجمد و منعقد ہو جاتا ہے۔ اور زلف کو گرہ کشا اس لیے کہا کہ اُس کو دیکھ کر عاشق کو انبساط ہوتا ہے۔ اور مرشد کو یہ خطاب اس تقریر سے ہو سکتا ہے کہ آپ اس خادم جاں نثار سے بے توجہی نہ کیجیے۔ ۵

تو خود حیات دگر بودی ای زمان وصال　　خطا نگر کہ دل امید در وفای تو بست

حیات بخش را حیات گفتن و فاعل وصال را زمان وصال گفتن مجاز ست و نکتہ در مجاز ثانی آں ست کہ زمانہ در بے وفائی و بدعہدی مشہور ست ہم چناں محبوب را فرض کردہ کہ وعدہ وصل کردہ خلاف نمودہ پس گویا فاعل وصال نیست بلکہ زمان وصال ست۔ اگر محبوب مجازی مخاطب ہو تو معنی ظاہر ہیں اور اگر مرشد کو خطاب ہو تو کہا جاوے گا کہ مرشد کی ظاہری کم توجہی جو کسی مصلحت سے ہو گی مسترشد اُس کی مصلحت نہیں جانتا اس لیے تنگ ہو کر غلبہ حال میں کہتا ہے کہ بس آپ سے اوروں ہی کو نفع ہے ہماری حماقت ہوئی جو آپ سے امید توجہ رکھی اور ایسی تنگی و مغلوبیت میں ایسی بے باکی عفو ہے۔ ۵

هم از نسیم تو روزی کشایشی یابد　　چو غنچہ ہر کہ دل خویش در ہوای تو بست

یہ گویا شعر بالا کا تدارک ہے یعنی جو شخص آپ کے در کو محکم پکڑے رہے گا اور اس ظاہری بے التفاتی سے تنگ ہو کر آپ کا دامن نہ چھوڑے گا کسی نہ کسی دن آپ کے الطاف سے اُس کو کشایش باطنی میسر ہو ہی جاوے گی پس گویا اس میں نفس کو تسلی دیتے ہیں۔ اور حاصل تشبیہ کا یہ ہے کہ جیسے غنچہ کہ ہوا کا دامن نہیں چھوڑتا آخر وہ ہوا جب نسیم کی کیفیت سے متصف ہوتی ہے اُس غنچہ کو شگفتہ کر دیتی ہے۔ ۵

ز دست جور تو گفتم ز شہر خواہم رفت　　بخندہ گفت برو حافظا کہ پای تو بست

کہ یعنی کدام مدلول لفظی تو ظاہر ہے۔ مرشد کو خطاب اس طرح ہو سکتا ہے کہ حضرت اگر مجھ سے کچھ کدورت ہو تو فرما دیجیے میں کہیں اور چلا جاؤں چونکہ یہ گمان مسترشد کا غلط تھا اس لیے اُن کو اس کی وہم پرستی پر بجائے برہمی کے ہنسی آگئی اور فرمایا کہ بسم اللہ جائیے آپ کو باندھا کس نے۔ مقصود امر فرمانا نہ تھا بلکہ مسترشد کی غلطی کا اس عنوان لطف آمیز سے ظاہر کرنا کہ محب اس ادا ہی سے سمجھ سکتا ہے کہ مجھ سے ناخوش نہیں ہیں واللہ اعلم فقط۔

غزل ؎

اے ہدہد صبا بسبا میفرستمت ۔۔۔ بنگر کہ از کجا بکجا می فرستمت

احقر کے مذاق میں یہ خطاب ہے روح کو اُس کو محبوب حقیقی کی طرف متوجہ ہونے کی ترغیب دیتے ہیں کہ میں تو تجھ کو دیار محبوب کی طرف متوجہ کرتا ہوں دیکھ تو کہ ادنےٰ سے اعلیٰ کی طرف متوجہ کرتا ہوں اس کے قبول کرنے میں تجھ کو ذرا پس و پیش نہ چاہیے۔ اور صبا سے تشبیہ اس اعتبار سے دی کہ صبا مبلغ ہوتی ہے روائح کی اسی طرح روح عالم قدس کے ساتھ مناسبت پیدا کرکے مورد ہوتی ہے واردات و نفحات غیبیہ کی اور اسی بناپر ہدہد کہا۔ اور اضافت ہدہد کی صبا کی طرف ایسی ہے جیسے لجین الماء میں۔ ؎

حیف ست طائری تو در خاکدان دہر ۔۔۔ زینجا بآشیان وفا میفرستمت

یعنی تو طائر عالم قدس ہو کر اس خاک دان میں پھنس رہا ہے حیف کی بات ہے میں اس عالم پرجفا سے تجھ کو آشیان وفا کی طرف کہ عالم علوی ہے متوجہ کرتا ہوں و کما قال الجامی رح

تو ئی آں دست پرور مرغ گستاخ ۔۔۔ کہ بودت آشیاں بیروں ازیں کاخ
چرا زاں آشیاں بیگانہ گشتی ۔۔۔ چو دو نان چغد ایں ویرانہ گشتی ؎

در راہ عشق مرحلۂ قرب و بعد نیست ۔۔۔ می بینمت عیاں و دعا میفرستمت

می فرستمت یعنی میفرستم نزد تو۔ یہ خطاب ہے محبوب حقیقی کو یعنی آپ کی راہ محبت میں قرب و بعد متعارف نہیں کیونکہ وہ خواص اجسام سے ہے اور آپ اس سے منزہ ہیں ہیں باوجود آپ کے باطن ہونے کے چونکہ آپ ظاہر بھی ہیں اس لیے عیاناً آپ کو دیکھتا ہوں پس ایک بعد

معنوی کہ خفا ہے ذات کا دوسرے قربِ معنوی سے کہ بواسطۂ افعال و مصنوعات کے ظہور ہے صفات کا حاجب اور مانع نہیں اس تجلی افعالی کو عیاں دیدن سے تعبیر کر دیا فلم یبق فیہ اشکال۔ اور اس معائنہ کی حالت میں آپ کے حضور میں دعائیں یعنی اپنی حاجت کے لیے التجائیں پیش کر رہا ہوں کیونکہ حقِ دعا اس غلبۂ استحضار ہی سے میسر ہوتا ہے اور یا دعا سے مراد مطلق ندا، اور یاد اور یا اُس سے مراد مطلق ثنا و انقیاد کما قیل فی تفسیر الدعاء فی السجود الوارد فی الحدیث ع ان الثناء علی الکریم دعاءٌ۔ بہرحال یہ اشکال مندفع ہوگیا جو ظاہر میں متوہم ہوتا ہے کہ محبوب حقیقی کو دعا کی کیا حاجت ہے اور منشاء اس اشکال کا طرف یہ ہوا کہ دعا کو بالمعنی المتعارف لیا اور اُس میں بلا دلیل قید لگائی للمحبوب کی خوب سمجھ لیا جاوے۔ ؎

ہر صبح و شام قافلۂ از دعای خیر　　در صحبت شمال و صبا می فرستمت

شمال بادیکہ از شمال در آید و آں بر قولِ اطباء بادیست موافق مزاج آدمی۔ وصبا بادیکہ از مشرق وزد و آں مشہور ست۔ اگر اس کو مجاز پر محمول نہ کیا جاوے تو احقر کے مذاق میں اقرب یہ ہے کہ شمال و صبا سے مراد ملائکہ ہوں جو حسب حدیث صبح و شام علی سبیل التعاقب آتے جاتے ہیں اور وہ اعمال لے جا کر پیش کرتے ہیں اور دعائیں وہی توجیہات ہوں جو اس سے اوپر کے شعر میں گزرے ہیں اور مقصود اس حکایت سے دوسروں کو ترغیب دینا ہو کثرت طاعت و ذکر کی۔ ؎

در روی خود تفرج صنع خدای کن　　کائینۂ خدای نمامی فرستمت

اس میں خطاب ہے طالب حق کو کہ مصنوعات میں عموماً اور اپنی ذات میں خصوصاً غور و تفکر کرو کہ صانع کی معرفت ہو میں تجھ کو اس آئینہ خدا نما کا پتا تبلاتا ہوں اس پتا تبلانے کو می فرستم سے تعبیر کر دیا قال اللہ تعالےٰ سنریھم اٰیتنا فی الاٰفاق و فی انفسھم اور ذات انسانی کی خصوصیت ہی کی وجہ سے اکابر طرفین نے فرمایا ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ اور اس قول کو مسئلہ وحدۃ الوجود سے کوئی مس نہیں جیسا اکثروں کا مزعوم و موہوم ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ اپنے نفس کے اندر جو تقلبات و تلوینات و تصرفات آلہیہ

عجیب و غریب نظر غائر سے مشاہدہ کیے جاویں جو کہ اور مصنوعات کی تصرفات متعلقہ سے ممتاز ہیں تو زیادہ معرفت صانع کی ہوتی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ پس اس میں تعلیم ہے طریق ترقی معرفت کی۔

تا لشکر غمت نکند ملک دل خراب — جان عزیز خود بفدا میفرستمت

قاعدہ ہے کہ بعض مشقت و مصیبت سے بچنے کے لیے آدمی کچھ فدیہ و معاوضہ خرچ کیا کرتا ہے پس اسی بنا پر محبوب حقیقی سے خطاب کرتے ہیں کہ میں نے اپنی جان عزیز فدیہ میں اس لیے پیش کر دی ہے تاکہ پھر آپ کا لشکر غم میرے ملک دل پر تاخت و تاراج کر کے ویران نہ کرے۔ اور لشکر غم سے مراد بعد و سخط ہے۔ اس میں تنبیہ و تعلیم اس امر کی ہے کہ نفس پروری و خود داری اصل ہے معاصی کی جس پر بعد و سخط مرتب ہوتا ہے اور تفویض و تسلیم سے قرب و رضا حاصل ہوتا ہے قال اللہ تعالےٰ ان اللہ اشتری من المومنین انفسہم الخ پس اپنی جان کو جان نہ سمجھے اور اس کے مشتہیات غیر مشروعہ سے بچے پھر نہ دنیا میں اس کو ضیق و ضنک پیش آتا ہے اور نہ آخرت میں وہ عذاب ہجراں میں مبتلا ہوتا ہے قال اللہ تعالےٰ من عمل صالحا من ذکرا و انثی وھو مؤمن فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ ولنجزینھم الخ۔ وقال تعالیٰ ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیامۃ اعمی۔

ہر دم غمی فرست مراد بگو بناز — کایں تحفہ از برای خدا میفرستمت

اس میں اظہار ہے رضا بالقضا کا یعنی جو امر ناگوار نفس کہ غم سے یہی مراد ہے مجھ کو پیش آوے اے محبوب میں اس پر راضی ہوں اور جب آپ کی رضا اس میں پاؤں تو اس میں طلب مزید کرتا ہوں آپ اور بھیجیے اور اس میں تعلیم ہے طالب کو کہ سلوک کے تشویشات و صعوبات مثل قبض وغیرہ سے دلگیر او رتنگ نہ ہونا چاہیے بلکہ چونکہ اس میں مصلحتیں ہوتی ہیں اس کو تحفہ سمجھنا چاہیے۔

اے غائب از نظر کہ شدی ہمنشیں دل — میگویمت دعا و ثنا می فرستمت

غائب از نظر ہونا محبوب حقیقی کا ظاہر ہے قال الرومی رح ع عشق من پیدا و معشوقم نہاں۔
اور ہمنشیں دل گویا اس حدیث کا ترجمہ ہے انا جلیس من ذکرنی اور دعا کی وہی توجیہ ہے
جو غزل کے شعر ثالث کی شرح میں گزری اب معنی شعر کے بالکل ظاہر غیر محتاج
الی البیان ہیں ۔

تا مطربان ز شوق منت آگہی دہند ۔ قول و غزل بساز و نوا میفرستمت

مصرعۂ اولے علت ہے اور مصرعۂ ثانیہ معلول پس ترتیب کلام میں اول موخر ہے اور ثانی مقدم۔
نوا آسرود۔ یعنی اشعار خود موافق ساز و نوا مراد ایں کلمات دلکش و سخنان خوش کہ در رشتہ
نظم می آید میفرستمت تا مطربان پیش تو سرایند و شوق من بر تو اظہار کنند۔ احقر کے مذاق میں
اس کی سہل توجیہ یہ ہے کہ محبوب حقیقی کے اشتیاق اور مدح میں جو کلام منظوم کہا جاوے
ظاہر ہے کہ وہ منظوم ہی کے لباس میں وہاں پیش ہو گا کیونکہ اقوال بعینہا پیش ہوتے ہیں
قال تعالے ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید اور ساز و نوا سے مجازاً محض اس کی
منظومیت مراد لی جاوے اور پیش کرنے والے جو ملائکہ ہیں چونکہ اس وقت وہ کلام منظوم
کے حاکی ہیں اس لیے گو لفظاً بے ادبی ہے مگر نظراً الی المقصود ان کو مطرب سے تعبیر کر دیا۔
اور آگہی دہند کے معنی خبر دا حکایت کنند لیے جاویں سو اس پر یہ اشکال لازم نہیں آتا کہ حق
تعالے تو پہلے ہی آگاہ ہیں اور ایسے مضامین خود حدیثوں میں آئے ہیں مثلاً مجالس ذکر
سے جب ملائکہ لوٹ کر جاتے ہیں تو حق تعالے پوچھتے ہیں کہ تبلاؤ میرے بندے کیا کر رہے
ہیں اور پھر وہ عرض کرتے ہیں الخ اس میں بھی تعلیم و ترغیب ہے ذکر الٰہی کی اور بشارت
ہے اس کے مقبول اور معروض ہونے کی نظم ہو یا نثر ہو خلوص سے ہو حدود کے اندر ہو
وحد النظم اوسع من النثر لاسیما لاہل الحال والشوق واللہ تعالیٰ اعلم ۔

ساقی بیا کہ ہاتف غیبم بمژدہ گفت ۔ با درد صبر کن کہ دوامی فرستمت

قاعدہ ہے کہ خوشی کے وقت ساقی کو بلاتے ہیں اور بادہ نوشی کیا کرتے ہیں پس یا تو ساقی بیا
محض اظہار فرح و بشاشت ہے جیسے یا بشری اور یا مراد اس سے مرشد ہے اور حاصل یہ ہے
کہ مجھ کو ہاتف کے ذریعہ سے محبوب حقیقی کی جانب سے یہ بشارت ملی ہے جو حاصل ہے

ان مع العسر یسرا کا چونکہ واردات دقیقہ کی تحقیق و تعبیر اور واردات صریحہ غیر محتاج الی التحقیق کی پوری شرح اور تفصیل میں مرشد ہی کی حاجت ہے اور یہ وارد صریح تھا اس لیے مرشد سے درخواست ہے کہ ذرا ادھر متوجہ ہو جیسے یہی معنی ہیں بیا کے اور اس کی زیادہ تفصیل کر دیجیے کہ مسرت افزوں ہو اور کمال نعمت پر خوب شکر ادا کروں۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ ان مع العسر یسرا اور اشارہ اس طرف ہے کہ واشکروا نعمۃ اللہ ہ

حافظ سرود مجلس ما ذکر خیر تست — تعجیل کن کہ اسپ و قبا میفرستمت

اس میں خطاب ہے محبوب سے محب کی طرف خواہ منتقل ہو خواہ تتمہ ہو مقولہ گفت شعر سابق کا اور سرود مجلس ما ذکر الخ حاصل ہے اس حدیث کا من ذکرنی فی ملأ ذکرتہ فی ملأ خیر منھم۔ اور اسپ و قبا بھیجنا کنایہ ہے بلانے سے کیونکہ جس کو بلاتے ہیں دربار ی لباس پہننے کے لیے اور اسپ قطع مسافت کے لیے بھیج دیتے ہیں حاصل یہ کہ محبوب نے فرمایا کہ چونکہ تو ہمارے ذکر و طاعت میں رہتا ہے ہماری مجلس میں بھی تیرا ذکر رہتا ہے اب ہم جلد تجھ کو مرتبۂ قرب و وصال تک پہنچانے والے ہیں اور یہی ہے بلانا تو بھی جلدی جلدی اس مرتبہ کی استعداد حاصل کر لے یعنی خوب ذکر و طاعت کر کہ استعداد میں قوت ہو جاوے اور اس مرتبہ کی فعلیت میسر ہو۔ اس میں ترغیب کے لیے اشارہ اس طرف ہے کہ طاعت و مجاہدہ پر یہ ثمرات مرتب ہوتے ہیں۔

غزل - در خطاب مرشد کہ دہم بے توجہی او منتشر شدن راد دست داد۔۱۲

اے غائب از نظر بخدا می سپارمت — جانم بسوختی و بدل دوست دارمت

تا دامن کفن نکشم زیر پائے خاک — باور مکن کہ دست ز دامن بدارمت

گر بایدم شدن سوی ہاروت بابلی — صد گونہ ساحری بکنم تا بیارمت

محراب ابروان بنما تا سحر گہے — دستِ دعا بر آرم و در گردن آرمت

خواہم کہ پیش میرمت اے بیوفا طبیب — بیمار باز پرس کہ در انتظارمت

صد جوئے آب بستہ ام از دیدہ ہر کنار / بر بوی تخم مہر کہ در دل بکارمت

میگریم و مرادم ازیں چشم اشکبار / تخم محبت است کہ در دل بکارمت

خونم بریز و از غم ہجرم خلاص کن / منت پذیر غمزۂ خنجر گزارمت

گر دیدہ و دلم کند آہنگ دیگرے / آتش زنم در آں دل و دیدہ برآرمت

بارم دہ از کرم بر خود تا بسوز دل / در پات دمبدم گہر از دیدہ بارمت

حافظ شراب و شاہد و رندی نہ وضع تست / فی الجملہ می کنی و فرو می گذارمت

اگر اس غزل کا مضمون شاعرانہ ہو تو مخاطب محبوب مجازی ہوگا اور کوئی شعر محتاج توجیہ نہ ہوگا اور اگر مضمون محققانہ ہو تو مرشد کو مخاطب قرار دینا سہل ہے۔ مسترشد کو مرشد کی کچھ بے توجہی کا شبہ ہوگیا ہے گو وہ شبہ غلط ہی ہو کیونکہ بعض اوقات جس توجہ کو وہ مطلوب سمجھتا ہے وہ ضروری نہیں ہوتی اور مسترشد و لولہ طلب میں تنگ ہو کر مرشد کی نسبت شکایت آمیز الفاظ کہنے لگتا ہے۔ اس تقدیر پر تاریخی شبہ اس قدر وارد ہوتا ہے کہ حافظؒ کے کوئی مرشد بطریق متعارف نہ تھے صرف مشہور ہے کہ حضرت نجم الدین کبریؒ کے نظر کردہ تھے پھر اس احتمال کی گنجائش کہاں ہے اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ اوروں کا حال بیان کر رہے ہیں جو احیانا پیش آتا ہے اور یہ ذرا بعید ہے کیونکہ اہل حال کو دوسرے کے حال بیان کرنے کی فرصت کہاں وہ اپنے ہی واردات اکثر بیان کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ممکن ہے کہ جن کے نظر کردہ تھے اُن ہی کی توجہ باطنی دور سے کبھی کم کبھی زیادہ ہوتی ہو مثل اشراقیین کے اور شاید غائب از نظر اس طرف اشارہ ہو واللہ اعلم۔ پس فرماتے ہیں کہ گو آپ میری نظر سے غائب اور دور ہیں خواہ ظاہراً بھی خواہ باطناً کہ کنایہ ہے بے توجہی سے میں آپ کو خدا تعالےٰ کے سپرد کرتا ہوں اور گو آپ نے میری جان کو فراق یا بے توجہی سے سوختہ کر دیا مگر میں آپ کو دل سے چاہتا ہوں اور محبت بھی اس درجہ کی ہے کہ مرتے دم تک اس محبت کو نہ چھوڑوں گا اور آپ کے متوجہ اور راضی کرنے کی جہاں تک بن سکے گا ہر طرح کی تدبیریں کروں گا حتےٰ کہ فرضاً اگر ہاروت کے پاس بابل میں جاکر سحر

سیکھنا پڑے میں یہ بھی کروں گا (مقصود مبالغہ ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ اگر مرشد کی طرف سے کچھ بے اعتنائی و بے توجہی پیش آوے مسترشد کو چاہیے کہ اُس کی محبت و اطاعت میں کمی نہ کرے) آگے توجہ کی درخواست ہے کہ آبرو جو مشابہ محراب کے ہے وہ دکھلا دیجیے، یعنی میری طرف التفات کیجیے تاکہ کسی سحرگاہ کو تو یہ بات میسر ہو کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر آپ کی گردن میں ڈال لوں یعنی ثمرات توجہ سے متمتع ہوں (اور اس عنوان سے تعبیر کرنا بمناسبت محراب کے ہے) اور میری تو یہ خواہش ہے کہ آپ کے سامنے مرجاؤں یعنی آپ پر فدا ہو جاؤں پس میں ایسا عاشق ہوں تو ایسے عاشق کو بیماری میں تو پوچھ لیجیے کہ میں آپ کے انتظار میں ہوں مقصود وہی ہے کہ امراض باطنی میں مبتلا ہوں ذرا توجہ کیجیے اور طبیب کہا بوجہ حذاقت فی التکمیل کے اور بے وفا بوجہ بے توجہی کے آگے اپنی بے قراری کا طلب توجہ میں بیان ہے کہ میں نے تمام اطراف و نواحی میں (کنار طرف) سینکڑوں ندیاں اشک چشم کی قائم کر رکھی ہیں صرف اسی امید پر کہ آپ کے دل میں ترحم پیدا ہو (کنار کی مناسبت جوی سے اور اُس کی رعایت سے مہر کو تخم سے تعبیر کرنا ظاہر اللطافۃ ہے۔ اس سے اگلے شعر کا بھی بعینہٖ یہی مطلب ہے گویا شعر ثانی بمنزلۂ تفسیر شعر اوّل کے ہے) آگے اس ہجر سے نجات پانے کی ایک تدبیر تجویز کرتے ہیں کہ میرا بالکل ہی کام تمام کر دیا جاوے تاکہ اس ہجر سے نجات ہو میں ایسے غمزہ قتالہ کا جو خنجر کی طرح پار ہو جاوے ممنون ہوں گا۔ یہ یا تو محض اظہار تضجر ہے یا اشارہ اس طرف ہے کہ مجھ کو مقام فنا تک پہنچا دیجیے پھر ہجر سے اس لیے نجات ہو جاوے گی کہ فراق فراق ہی معلوم نہ ہوگا کیونکہ جس کو فراق و بے توجہی سمجھ رہے ہیں وہ واقع میں تو فراق ہے نہیں بلکہ عین حکمت ہے صرف اس شخص کے اقتضائے طبع کے خلاف ہے سو غلبۂ فنا سے مقتضیات طبع خود مغلوب ہو جاویں گے اس لیے وہ فراق فراق نہ معلوم ہوگا آگے توحید مطلب کا بیان ہے کہ باوجود آپ کی اس بے توجہی کے مجھ کو دوسری طرف التفات نہیں حتیٰ کہ اگر قلب یا چشم کسی طرف التفات کرے تو اُس قلب اور چشم کو آگ لگا دوں اور خاکستر کر کے آپ کے سامنے نکال کر لا رکھوں آگے درخواست ہے کہ مجھ کو اتنا بار تو دے دیجیے کہ آپ کے سامنے اپنے سوز و گریہ کو دل کھول کر ظاہر کر لوں کہ یہ موجب ترحم ہونے کے علاوہ کسی قدر سرمایہ تسلی بھی ہے اور مقطع کا شعر ممکن ہے کہ ساری غزل کے جواب میں بلسان مرشد ہو جس میں بے توجہی و عتاب کی

علت اور پھر معذرت پر عفو کی بشارت بھی ہے اول کا بیان مصرعہ اول میں اور ثانی کا بیان مصرعہ ثانی میں ہے۔ یعنی اے حافظ تم بعض امور مثل اظہار سکر و شطح خلاف وضع درویشی کے کرتے ہو اس لیے معتوب کیے جاتے ہو کہ اصلاح ہو جاوے۔ آگے کہتے ہیں کہ خیر چونکہ گاہ گاہ ایسا ہو جاتا ہے اس لیے چھوڑے دیتا ہوں اور معاف کیے دیتا ہوں فی الجملہ میں اشارہ اس طرف ہے کہ حتی الامکان ضبط کرنا ضروری ہے اور مغلوبیت میں معذوری ہے اور ممکن ہے کہ حافظ درجہ نفس لوامہ میں یہ خطاب اپنے ہی کو کرتے ہوں اور فرو میگذارمت کا مطلب یہ ہوگا کہ ارتکاب معاصی میں جو سزا سالک اپنے نفس کو دیتا ہے وہ نہیں دیتا ہوں بوجہ عذر کے۔ اس میں اشارہ اس تعلیم کی طرف ہو جاوے گا کہ اگر عذر قوی نہ ہو تو شطحیات پر سالک کو چاہیے کہ نفس پر عقوبت کرے ۔

غزل

بجان خواجہ و حق قدیم و عہد درست — کہ مونس دم صبحم دعای دولت تست

یہاں خواجہ سے مراد خود مخاطب ہی ہے جیسے محاورات میں کہا جاتا ہے کہ سرکار کے سر کی قسم اب اس کی توجیہ کی حاجت نہ رہی کہ غیر اللہ کی قسم کیوں کھائی۔ اور جان سے مراد صفت حیوۃ ہے پس بجان خواجہ ترجمہ ہو العمر اللہ و حیوۃ اللہ کا اور حقوق الٰہیہ کا قدیم ہونا ظاہر ہے اور عہد درست سے مراد میثاق ربوبیۃ لینا بہتر ہے جو الست بربکم الآیہ میں مذکور ہے۔ یعنی میں کلام کو قسم سے مؤکد کر کے کہتا ہوں کہ صبح ہی اٹھتے آپ کی عظمت کا ذکر کرتا ہوں دعا سے مراد ثنا ہونا پہلے مع توجیہ گذر چکا ہے ۔

سرشک من کہ ز طوفان نوح دست ببرد — ز لوح سینہ نیارست نقش مہر تو شست

قاعدہ ہے کہ پانی سے نقش خام دھل جاتا ہے اسی طرح آنسوؤں سے دل کا غبار نکل کر کیفیت قلبیہ ضعیف ہو جاتی ہے خصوص جب کثرت سے ہوں مگر کہتے ہیں کہ محبوب کا نقش محبت اس درجہ راسخ ہے کہ باوجود ان مقتضیات ضعف کے اس میں ضعف نہیں ہوا اور ز طوفان نوح دست ببرد یہ مبالغہ شاعرانہ ہے اور حقیقت پر بھی اس اعتبار سے محمول کر سکتے ہیں کہ طوفان نوح تو موقوف ہو گیا تھا اور گریہ محبت جب تک جان میں جان ہے ختم ہی نہیں ہوتا

پس خاص لاتقف عند حد ہونے کی حیثیت سے یہ اُس سے فائق ہے۔ ؎

بکن معاملہ وایں دل شکستہ بخر   کہ باشکستگی ارزد بصد ہزار درست

درست صند شکستہ واشرفی ہر دو معنی صحیح می تواند شد۔ مطلب یہ کہ گو یہ دل شکستہ ہے مگر باوجود شکستگی کے بڑا قیمتی ہے کہ لاکھوں درست چیزوں کی یا لاکھوں اشرفیوں کی برابر ہے اس واسطے اس دل شکستہ کو خرید لو چونکہ حدیث میں ہے انا عند المنکسرۃ قلوبھم اس لیے اگر خطاب محبوب حقیقی کو ہو تو بطور دعا کے کہتے ہیں کہ میرا قلب ایسا ہی ہے جو آپ کی پسند کے لائق ہے اس لیے آپ حسب وعدہ اس کو لے لیجیے کقول اللہ تعالیٰ ان اللہ اشتری الخ اور وعدہ کی بنا پر دعا کرنا قرآن میں بھی وارد ہے ربنا واٰتنا ما وعدتنا الخ اور اس میں اپنی مدح و قابلیت مقبولیت کا دعوے لازم نہیں آتا بلکہ اظہار ہے امتثال و انقیاد کا کہ آپ کے امر کے موافق شکستہ کر لیا ہے اب آپ قبول فرمائیے کقولہ تعالیٰ ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان ان اٰمنوا بربکم فاٰمنا ربنا فاغفر لنا ذنوبنا الخ۔

شدم ز عشق تو شیدای کوہ و دشت و ہنوز   نمی کنی بترحم نطاق سلسلہ سُست

نطاق کمر بند و گھنڈی کذا فی البدر۔ مطلب ظاہر ہے کہ اب تک باوجودیکہ میں نے بہت ہی مصیبتیں عشق کی اٹھائیں مگر تو نے رحم نہ کیا اور زنجیر کا بند ڈھیلا نہ کیا۔ اگر محبوب حقیقی مخاطب ہو تو مقصود شکایت نہ ہوگی بلکہ محض تضجر اپنے عجز کی وجہ سے اور ترحم سے مراد مطلق ترحم نہ ہوگا بلکہ ترحم خاص ہوگا جو صاحب قبض کو حالت قبض میں مطلوب ہوتا ہے جس کا حاصل بسط ہے گو عند اللہ اس کی مصلحت کے اعتبار سے حالت موجودہ ہی ترحم ہو وھذہ الارادۃ للترحم الخاص کارادتہ فی قولہ تعالیٰ۔ ولو فضل اللہ علیکم ورحمتہ لاتبعتم الشیطان الا قلیلا فافھم۔

ملامتم بخرابی مکن کہ مرشد عشق   حوالتم بخرابات کرد روز نخست

مرشد بمعنی ہادی مراد اللہ تعالیٰ۔ یعنی یوم المقادیر میں یا اعیان ثابتہ میں میری استعداد کے

اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے میری تربیت کے لیے کیفیت عشقیہ تجویز فرمائی ہے جس کے لیے خرابی بمعنی وارفتگی و شورش لازم ہے پس اے وہ شخص جو یہ مذاق نہیں رکھتا تو اس پر مجھ کو ملامت مت کرے۔

دلا طمع مبر از لطف بے نہایت دوست　　چو لاف عشق زدی سر بباز چابک و چست

یعنی جب طریق عشق میں قدم رکھا ہے تو سر بازی و جاں نثاری سے اندیشہ مت کرو اور اس کے صلہ میں لطف غیر متناہی کے امیدوار رہو کہ فنا کے بعد بقا موعود لازم ہے۔

زبان مور بر آصف دراز گشت ازاں　　کہ خواجہ خاتم جم یاوہ کرد و باز نجست

بعض نسخوں میں یہ شعر نہیں ہے اور نہ ہونا ہی زیادہ مناسب ہے کیونکہ توجیہ اس کی محتاج تکلف بعید ہے کیونکہ ظاہر عنوان اس کا موہم ہے کہ کسی قصہ کی طرف اشارہ ہو جس میں آصف نے سلیمان علیہ السلام کی انگشتری گم کر دی ہو مگر کوئی قصہ اس کا منقول نہیں البتہ اس اشارہ سے قطع نظر کر کے اگر مور سے مراد مطلق شخص ضعیف لیا جاوے اور آصف سے مراد خلیفۃ اللہ انسان اور جم سے مراد مستخلف یعنی حق تعالیٰ اور انگشتری سے مراد قلب جو ودیعت ہے حق تعالیٰ کی انسان کے پاس اور محل ہے تجلی اسمائے الٰہیہ کا کہ ہر اسم اُن میں اعظم ہے۔ اور یاوہ کردن سے مراد اضاعۃ حق لیا جاوے تو معنی یہ ہوں گے کہ بعضے مخلوق جو کہ باعتبار نوع کے رتبہ میں انسان سے مفضول ہیں جیسے ملائکہ یا آسمان و زمین جو کہ اعمال سیئہ انسانیہ کی گواہی دیں گے اور بعضے ملامت بھی کریں گے سو ان مفضولوں کی ملامت وغیرہ اس افضل المخلوقات پر محض اس لیے کہ اس نے قلب کی استعداد ضائع کر دی اور اُس سے کام نہ لیا ورنہ مفضول کی کیا مجال تھی افضل پر اطاعت لسان کی اور نوع کی قید اس لیے لگائی کہ باعتبار شخصیت کے تو اکثر ملائکہ اکثر انسانوں سے افضل ہیں۔

بصدق کوش کہ خورشید زاید از نفست　　کہ از دروغ سیہ روی گشت صبح نخست

اس میں حسن التعلیل کے طور پر استدلال ہے اس پر کہ صدق کا خاصہ ہے نور کا پیدا ہونا مثال

اس کی صبح صادق دیکھ لو اور کذب کا خاصا ہے ظلمت کا پیدا ہونا مثال اس کی صبح اولین یعنی صبح کاذب ہے۔ اور مراد صدق سے صدق معاملہ مع اللہ ہے اور کذب سے مراد سوء معاملہ مع اللہ ہے

مرنج حافظ و از دلبراں وفا مجوی　　گناہ باغ چہ باشد چو ایں گیاہ نرست

دلبران سے مراد دلبران مجازی اس میں قطع تعلق عما سوی اللہ کے لیے ارشاد ہے خواہ تعلق حب کا ہو یا تعلق رنج کا اور دوسرا مصرعہ مرنج کی دلیل ہے۔ مصرعہ اول کا خلاصا تعلیم ہے رضا و زہد کی اور مصرعہ ثانیہ تعلیم ہے ایک مسئلہ حقیقت کی۔ حاصل یہ ہوا کہ ماسوی اللہ سے کوئی تعلق نہ رکھو نہ تو وفا کی توقع و طمع کرو اور نہ اس توقع کے خلاف ہونے سے رنج کرو غرض ادھر التفات ہی نہ کرو اور یہ سمجھو کہ ان کی استعداد مقدر کا یہی مقتضا ہے سو استعداد پر نظر کر کے ان کے گنہ گار ہونے پر بھی نظر مت کرو اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی باغ میں گھاس نہ جمے تو باغ کی کیا خطا اس سرزمین کی استعداد ہی ایسی ہوگی اس کا یہ مطلب نہیں کہ ترک وفای واجب میں جو کہ فعل مکتسب ہے گناہ نہیں ہوتا بلکہ مقصود یہ ہے کہ جس مرتبہ میں ان کو گناہ ہوتا ہے تم اس پر خیال ہی نہ کرو کیونکہ سالک مغلوب المحبت و مشغول الذکر کو اس پر خیال کرنا اپنے کام سے معطل ہو جانا ہے اور وہ مرتبہ جس میں گناہ کا حکم کیا جاتا ہے مرتبہ شریعت کا ہے سو دوسرے کی مذمت یا اصلاح کے لیے اس پر نظر کرم کرنا کام اہل فتوے و مشائخ کا ہے نہ کہ ذاکرین تارکین کا بلکہ اس شخص کو چاہیے کہ نظر حقیقت پر کر کے اس فعل کو مقدر سمجھ کر اس سے بے التفات ہو جاوے جیسا فرمایا گیا ہے۔ از خدا دان خلاف دشمن و دوست۔ اور کہا گیا ہے

چوں بہ بے رنگی رسی کاں داشتی　　موسیٰ و فرعون و دارند آشتی

اور بعضے نسخوں میں مصرعہ ثانی اس طرح ہے۔ گیاہ باغ چہ باشد الخ اس میں اقناط کلی ہے یعنی جب دلبران مجازی میں عہد کر کے بھی وفا نہیں جو کہ امر واجب تھا تو ان سے ابتداءً لطف و کرم کی کیا توقع ہے جو کہ محض مندوب ہے کیونکہ تارک واجب سے فعل مندوب کی جو کہ اس سے بھی اشق ہو کیا امید ہے اور اس کی مثال میں فرماتے ہیں کہ جب اس سرزمین کی ایسی استعداد خراب ہے کہ اس میں معمولی گیاہ بھی نہیں جمتی تو گیاہ باغ

جینے کی کیا توقع ہے کہ اس کے لیے تو زیادہ لطافت کی ضرورت ہے۔ گیاہ باغ سے مراد پھول پھلواری اور ترکاری جو عمدہ زمین میں لگائی جاتی ہے کیونکہ معمولی گھاس تو ویسے بھی جم آتی ہے جب زمین ایسی شور ہو کہ اس کے قابل بھی نہ ہو .... تو گل و لالہ کے قابل تو کب ہو گی ۔

غزل

خلوت گزیدہ را بہ تماشا چہ حاجت است ۔۔۔ چوں کوی دوست ہست بصحرا چہ حاجت است

ترجمہ ظاہر ہے اور مقصود اس سے ارشاد ہے تارکان تعلق کو کہ التفات الی الکثرۃ نہ چاہیے اور اس بے التفاتی کے لیے اس کی ضرورت نہیں کہ بستی چھوڑ کر جنگل میں جا کر رہے بلکہ محض توجہ الی الحق بلا شرکت کافی ہے گو ظاہراً جماعت میں ہو جس کو خلوت در انجمن کہتے ہیں تنبیہ البتہ اگر کسی کو بدون اختلاط ترک کیے ہوئے تشتت رفع نہ ہو تو اس کے لیے اس کے اہتمام کی بھی ضرورت ہے ۔

جانا بحاجتے کہ ترا ہست با خدای ۔۔۔ آخر دمے بپرس کہ مارا چہ حاجت است

ترجمہ ظاہر ہے۔ ممکن ہے کہ مخاطب اس کا مرشد ہو یعنی گو آپ صاحب کمال ہیں مگر حق تعالیٰ سے تو آپ کو بھی ہر وقت احتیاج ہے اس پر نظر کر کے میری احتیاج کا بھی لحاظ اور اس کا تفقد ضروری ہے۔ یہ خطاب ایسے وقت ہو سکتا ہے جب مسترشد کو مرشد کے استغناء کا وہم غالب ہو جاوے اور اسی غلبہ کی بنا پر یہ بے باکی کا عنوان بھی معاف ہے ۔

اے بادشاہ حسن خدا را بسوختیم ۔۔۔ آخر سوال کن کہ گدا را چہ حاجت است

اسہل و اقرب یہ ہے کہ یہ بھی خطاب مرشد کو ہو اور حسن سے مراد حسن باطنی ہو۔ یعنی ہیں آپ کے استغناء سے سوختہ ہو گیا اب تو تفقد احتیاج ضروری ہے ۔

ارباب حاجتیم و زبان سوال نیست ۔۔۔ در حضرت کریم تمنا چہ حاجت است

اس میں اشارہ ہے اس حال کی طرف جس کے غلبہ میں دعا متروک ہو جاتی ہے اور حاصل

اُس کا دو امر کا غلبہ ہے۔ ایک حق تعالیٰ کی صفت علمیہ کے انکشاف و استحضار کا کہ اُس کے اقتضاء سے اظہار حاجت بے سود نظر آتا ہے۔ دوسرے اپنی ناکارگی و نااہلی کے مشاہدہ کا اُس کے اقتضاء سے زبان کھولتے ہوئے شرم آتی ہے کما قیل ؎ احب مناجاۃ الحبیب باوجہ ولکن لسان المذنبین کلیل۔ زبان سوال نیست بمعنی زبان لائق سوال نیست اشارہ ہے امر ثانی کی طرف اور مصرعہ ثانیہ اشارہ ہے امر اول کی طرف اور یہ حال گو محمود ہے لیکن کمال مقصود یہ ہے کہ اسپر بھی دعا کرے اور راز اُس کا یہ ہوتا ہے کہ صاحب کمال کی نظر میں ان دونوں امروں کے ساتھ ایک تیسرا امر یہ بھی ہوتا ہے کہ باوجود اس کے حق تعالیٰ کا امر ہے دعا کے لیے اگر حکمت بھی اُس کی منکشف نہ ہو تب بھی غلبہ انقیاد و اطاعت یہی دعا کے لیے اگر حکمت بھی منکشف ہو جاوے تو اور بصیرت بڑھ جاتی ہے اور وہ حکمت اظہار انکسار و افتقار ہے جو کہ عبدیت کا شعبہ عظیمہ ہے چنانچہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا مسلک دعا ہی رہا ہے اور حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو جواب حسبی عن سوالی علمہ بحالی مشہور ہے یا تو وہ روایت تاریخیہ ثابت نہیں اور یا بعد فرض ثبوت یوں کہا جاوے کہ اُس وقت آپ کو بالتخصیص کسی حکمت کی وجہ سے اسی کا امر جزئی ہوا ہو گا پس نصًّا یہ اُس سے مستثنیٰ ہو گیا ولا کلام فی المخصوص نصًّا۔

جام جہان نماست ضمیر منیر دوست — اظہار احتیاج خود آنجا چہ حاجت ست

اس میں بھی باختلاف عنوان وہی مضمون ہے جو اس سے پہلے والے شعر میں گذرا اور جام جہان نما تعبیر ہے صفت علمیہ سے۔ ؎

آن شد کہ بار منت ملاح بردمی — گوہر چو دست داد بدریا چہ حاجت ست

شراح نے غضب کیا ہے کہ ملاح سے مراد مرشد لیا ہے اور تقریر کی ہے کہ بعد وصول الی اللہ کے مرشد کی احتیاج نہیں رہتی اور گو یہ امر بتفصیل و شرح خاص صحیح ہے لیکن اُس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ ادب مرشد کی پھر بھی حاجت رہتی ہے ورنہ سب حال و کمال سلب ہو جاتا ہے اور ادب کے اقتضاء سے مسترشد باوجود استغناء کے دعوئے استغناء کا نہیں کر سکتا کہ یہ دعوئے سخت بے ادبی ہے پھر بے ادبی کے ساتھ خود وہ گوہر بھی فوت

ہوجاوے گا تو کلام بے معنی ہوجاوے گا اس لیے احقر کے مذاق میں مراد دریا سے علوم استدلالیہ ہیں جن میں خوض کر کے گوہر حقیقت تک رسائی ہوتی ہے اور ملاح سے مراد اہل استدلال ہیں مطلب صاف ہے کہ جب حقیقۃ مطلوبہ ذوقاً و مشاہدۃً حاصل ہوگئی اب استدلال و اہل استدلال کی کوئی حاجت نہیں رہی۔ فافہم حق الفہم۔

ای مدعی برو کہ مرا با تو کار نیست — احباب حاضرند باعدا چہ حاجت ست

اس میں تعلیم ہے اعراض عن المخاصمۃ کی اور ترک صحبت ناجنس کی اور اکتفاء علی صحبۃ الاخوان کی چنانچہ ظاہر ہے۔

محتاج جنگ نیست گرت قصدِ خون ماست — چوں رخت از آنِ تست بیغما چہ حاجت ست

ضمیر در نیست راجع بہ جان گرفتن کہ مفہوم ست از قول او گرت قصدِ خون ماست یعنی جو متاع کا مالک ہو اُس کو لوٹ مار کی کیا ضرورت ہے وہ ویسے بھی تو لے سکتا ہے تو اگر میری جان لینا ہے تو جنگ اور تکلیف دینے کی کیا حاجت ہے جان لے لیجیے۔ سالک پر جو تجلی جلالی ہوتی ہے بعض اوقات اُس سے تنگ ہوجاتا ہے تو ایسے کلام کا صدور طبعاً مستبعد نہیں گو یہ حقیقت کے اس لیے خلاف ہے کہ ممکن ہے کہ کوئی خاص مصلحت اسی خاص تجلی میں ہو مگر غلبہ حال کی وجہ سے اس کلام میں معذور ہوگا۔

ای عاشق گدا چو لب روح بخش یار — میداندت وظیفہ تقاضا چہ حاجت ست

اس میں بیان ہے کرم محبوب کا اور تسلی ہے طالب کی یا اپنے دل کی اور ت مضاف الیہ وظیفہ کا ہے یعنی تیرا روزینہ معمولہ محبوب کو معلوم ہے تقاضا کی ضرورت نہیں اور داند کی اسناد لب کی طرف یا تو اس لیے ہے کہ وہ روزینہ خود لب میں ہے مثلاً بوسہ بمعنی لطف اور یا اس لیے کہ روزینہ کے لیے حکم لب ہی سے صادر ہوا کرتا ہے۔ اور اس کا حاصل بھی وہی ہے جو دو شعر بالا کا تھا یعنی ارباب حاجتیم الخ اور جام جہان نما الخ۔

حافظ تو ختم کن کہ ہنر خود عیاں شود — با مدعی نزاع و محابا چہ حاجت ست

اس میں تعلیم ہے اہل حق کو اہل باطل سے گلخپ نہ ہونے کی یعنی تم بات کو ختم کرو مراد بات سے حق بات ہے اس میں اشارہ ہوگیا کہ حق کا اظہار تو کر دیا جاوے مگر اُس کو ظاہر کر کے کلام کو ختم کر دیا جاوے اور ہنر سے مراد اپنا کوئی کمال نہیں بلکہ امر حق مراد ہے حاصل یہ کہ امر حق خود ظاہر ہو جاتا ہے خواہ دنیا ہی میں آثار و برکات سے کما قیل الحق یعلو ولا یُعلی اور یا آخرت میں مرنے کے بعد پس کسی سے نزاع و تکرار کی جب کہ وہ محض بے سود ہے کیا ضرورت ہے۔ ۵

غزل

خوشتر ز عیش و صحبت باغ و بہار چیست
ساقی کجاست گو سبب انتظار چیست

قاعدہ ہے کہ جب عیش ہو اور ہم جنسوں کی صحبت ہو اور باغ میں بیٹھے ہوں اور موسم بہار ہو اُس وقت اہل نشاط شراب پیا کرتے ہیں۔ اور ساقی سے اُس کی درخواست کیا کرتے ہیں پس یہ کلام بطور تمثیل کے ہے کہ جب شراب محبت کا موقع میسر ہے یعنی طالب کو فرصت بھی ہے قوت بھی ہے تو مرشد سے درخواست کرنا چاہیے کہ وہ توجہ و تعلیم طریق محبت و معرفت میں توقف نہ فرماویں اور تقاضا کر کے اُس میں مشغول ہونا چاہیے۔ ۵

معنی آب زندگی و روضۂ ارم
جز طرف جویبار و مئے خوشگوار چیست

یہاں آب زندگی اور روضہ ارم سے مراد بہشت اور اُس کی نعمتیں نہیں کہ اس مراد لینے میں نفی یا تحقیر اُن کی لازم آتی ہے وہما باطلان بلکہ مطلب یہ ہے کہ آب حیات جو مشہور ہے جیسا کہ بعض روایات غیر مرفوعہ سے اُس کا وجود ثابت ہوتا ہے اور اسی طرح روضۂ ارم جو عوام کی زبان زد ہے کہ شداد نے بنایا تھا جس کا کسی دلیل صحیح سے وجود ثابت نہیں یہ دونوں چیزیں زیادہ رغبت کے قابل نہیں بلکہ حقیقی آب حیات اور حقیقی روضہ ارم جو قابل تحصیل ہے مجلس اہل اللہ کی جس کو طرف جویبار کہہ دیا جو موقع ہوتا ہے شراب پینے کا اور محبت آلہیہ ہے جس کو مئے خوش گوار سے تعبیر کر دیا۔ ۵

ہر وقت خوش کہ دست دہد مغتنم شمار
کس را وقوف نیست کہ انجام کار چیست

یعنی ذکر و طاعت کے لیے جو عمر کا حصہ مل جاوے غنیمت سمجھو شاید انجام کار میں یہ فرصت نہ ملے کما فی الحدیث اغتنم خمسا قبل خمس۔ اور انجام سے مراد احتمال سوء خاتمہ نہیں ہے کہ اس صورت میں یہ حکم سابق کی علت نہ بن سکے گا۔

پیوند عمر بستہ بموئے ست ہوشدار　　غم خوار خویش باش غم روزگار چیست

بمو بستہ بودن کنایہ از بے ثباتی۔ مطلب ظاہر ہے کہ دوسروں کی فکر میں کیوں لگے اپنی فکر کرو کہ عمر کا کچھ اعتبار نہیں کبھی یوں ہی ختم نہ ہو جاوے اور دوسروں کی فکر سے جو ممانعت کی اگر مراد اس سے فکر فضول یا فکر معصیت مثل آزار رسانی و غیبت و اعتراض وغیرہ ہے تب تو ظاہر ہے اور اگر فکر راحت رسانی و خیر خواہی ہے تو بھی شاغل غیر صاحب تمکین کو مضر و مشوش قلب ہے البتہ جو فرد اس کی واجب ہے وہ خود شغل موجب قرب ہے اور مستثنیٰ ہے۔

رازِ درونِ پردہ ز رندانِ مست پرس　　ای مدعی نزاع تو با پردہ دار چیست

رازِ درون پردہ راز باطنی۔ و مدعی مراد ظاہر پرست یعنی جو اسرار باطنہ متعلق مشاہدہ ذوق و وجدان کے ہیں اُن کی خبر اہل حال ہی کو ہوتی ہے اہل ظاہر کا انکار کرنا اور اُن سے الجھنا محض لغو حرکت ہے البتہ اگر سمجھ میں نہ آوے نہ تصدیق کرے نہ تکذیب کرے ہاں اگر دلیل شرعی یا دلیل عقلی قطعی کے خلاف ہو تو اعتقاد اُس دلیل کے موافق رکھے اور اہل حال کے کلام کو منصرف عن الظاہر سمجھے گو توجیہ انصراف کی بالتعیین سمجھ میں نہ آوے لیکن اگر وہ شخص خود علامات صدق سے عاری ہے تو اُس پر انکار واجب ہے اور علامات ملفوظات اکابر میں مذکور ہیں۔

مستور و مست ہر دو چو از یک قبیلہ اند　　ما دل بعشوۂ کہ دہیم اختیار چیست

مستور آنکہ بروے سلوک غالب باشد و مست آنکہ برو جذب غالب باشد۔ مطلب یہ کہ دونوں قسم کے شیوخ و عرفاء ایصال الی اللہ میں مشترک ہیں پھر علماً یا عملاً ہم کس کو ترجیح دیں کہ ایک کو افضل سمجھیں یا ایک سے فیوض لیں ہمارا کچھ اختیار نہیں جہاں حق تعالیٰ کو نفع دینا مقصود ہو گا ادھر ہی مناسبت اضطراراً پیدا ہو جاوے گی اور نفع حسب استعداد

حاصل ہو جاوے گا اشارہ اس طرف ہے کہ طالبین کو ان ترجیحات و تفصیلات میں مشغول نہ ہونا چاہیے جیسا اکثر بوالفضول ایسے مباحث میں رہتے ہیں اور کام کچھ بھی نہیں کرتے ۔

سہو و خطای بندہ چو گیرند اعتبار — معنی عفو و رحمت پروردگار چیست

سہو و خطا سے مراد اگر معنی متبادر ہوں تب تو کچھ اشکال ہی نہیں خود نص موجود ہے رفع عن امتی الخطاء والنسیان اور اگر کنایہ مطلق ذنوب سے لیا جاوے تو مراد نفی مطلق اعتبار کی نہیں لانہ خلاف النص بلکہ اعتبار بمعنی موثریت تامہ کی نفی ہے جیسا معتزلہ کا مذہب ہے کہ ذنوب پر تعذیب ضروری ہے اور عفو ممتنع ہے پس اس کا رد مقصود ہے اور اصل فساد ان کے مذہب میں عقل کے حاکم مستقل ماننے سے پیدا ہوا ہے۔ پس اس شعر میں تعلیم ہوگی تصحیح عقاید کی جو کہ شرائط سلوک سے ہے اور ساتھ ہی ساتھ تقویت رجا بھی ہے جو کہ اخلاق مفروضہ و مقامات مہمہ سے ہے ۔

زاہد شراب کوثر و حافظ پیالہ خواست — تا در میانہ خواستۂ کردگار چیست

مطلب یہ نہیں کہ ان میں ایک موصل ہے ایک غیر موصل بلکہ موصل تو دونوں ہیں کیونکہ کوثر سے مراد طریق ابرار اور پیالہ سے مراد طریق عشاق ہے پس مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے مذاق کے موافق ایک طریق وصول کا تجویز کرتا ہے مگر یہ خدا ہی کو معلوم ہے کہ تربیت کس طریق سے مناسب ہوگی ۔

غزل

ماہم ایں ہفتہ شد از شہر و بچشم سالی ست — حال ہجراں تو چہ دانی کہ چہ مشکل حالی ست

اگر عشق حقیقی کے متعلق اس شعر کو کہا جاوے تو محمول ہوگا حالت قبض و استتار تجلیات و انقطاع واردات پر اور شہر کنایہ ہوگا قلب سے اور دانی میں خطاب ہوگا منکر و معترض کو حاصل معنی یہ ہوگا کہ پریشانی ہجر کے غلبہ میں جو کچھ اقوال یا افعال حد عقل سے خارج مجھ سے سرزد ہو گئے منکر کیا اعتراض کرتا ہے اس کو کیا معلوم کہ حالت ہجر کیسی صعب حالت ہے میں چونکہ آج کل مبتلائے ہجر ہوں اس لیے پریشان ہوں منکر پر یہ حالت گزری نہیں وہ

کیا جانے ؎

مردم دیدہ زلطف رخ او در رخ او　　عکس خود دید و گمان کرد کہ مشکیں خالیست

ترجمہ لفظیہ کی تقریر یہ ہے کہ محبوب کا رخ ایسا روشن اور تاباں ہے کہ اُس رخ کی درخشانی اور تابانی کی وجہ سے جو اُس رخ میں پتلی کا عکس پڑا تو اپنا عکس اُس میں دیکھ کر اُس عکس کی نسبت یہ سمجھا کہ یہ اسی رخ پر مشکین خال ہے۔ اور بلسان اشارت مردم دیدہ کنایہ ہے مکاشف سے بمناسبت صفت رویت کے اور رخ سے مراد ذات حق اس لیے کہ رخ ترجمہ ہے وجہ کا اور وجہ کی تفسیر ذات ہے اور ذات کا لطیف وجمیل ہونا ظاہر ہے اور عکس سے مراد وجود ظلی جو ممکنات کو حاصل ہے اور یہ امر معلوم ومسلم ہے کہ مبداء ظہور جمیع اشیاء کا کہ موجود بوجود ظلی ہیں ذات حق ہے اسی مبدائیت وسببیت کی مناسبت سے مجازاً ذات کو محل انعکاس صور قرار دے کر در رخ کہہ دیا کیونکہ آئینہ بھی بعض مراتب خاصا ظہور کا مبداء وسبب ہوتا ہے اور مشکیں خال سے مراد صفات متعلقہ بذات حق ہیں جیسا خال متعلقات خاصا رخ سے ہوتا ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ غلبہ حال یا اثر اشغال سے مکاشف اپنے لطائف روح وغیرہ کے انوار مشاہدہ کرتا ہے اور اُن کو براہ غلط انوار حق سمجھتا ہے اور ہر چند کہ دوسرے مکونات ملکوتیہ کے بارہ میں بھی ایسی غلطی ہوتی ہے لیکن انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے اور اس کی روح و دیگر بعض لطائف کو ذاتاً یا اعتباراً علی اختلاف الاقوال مغائر روح ہیں ذات حق تعالےٰ سے بوجہ تشابہ بعض صفات مثل اطلاق وتجرد وتنزہ عن قید الہیولیٰ کے مناسبت زائد ہے اس لیے ایسی غلطی ان کے بارہ میں زیادہ اور اکثر ہوتی ہے اور اسی لیے مصرعہ ثانیہ میں عکس خود دید میں اس کی تخصیص کی پس وجہ اس غلطی کی بیان فرماتے ہیں کہ ذات حق مبدا ظہور ہے ان مرئیات کا اور اس مبدائیت کے سبب ربط خاص ومناسبت خاصہ ہے درمیان ذات اور ان مرئیات کا اور اس مبدائیت کے سبب ربط خاص ومناسبت خاصہ ہے درمیان ذات اور ان مرئیات کے پس بعض احیان میں اس مناسبت کا انکشاف غالب اور تغائر وتمائز کی جانب مغلوب بوجہ شدت سکر یا قلت علم کے ہو کر ایسی غلطی ہو جاتی ہے کہ اُس کو وجود قدیم سمجھتا ہے اور وہ وجود ظلی ہوتا ہے۔ پس اس میں تنبیہ ہے سالک کی غلطی پر کہ گمراہ نہ ہو جاوے جیسا بایزیدؒ کا قول مشہور ہے کہ لیس

برس تک روح پر دھوکا حق کا رہا ہے

ایکہ انگشت نمائی بکرم در ہمہ شہر — وہ کہ در کار غریباں عجبت اہمالی ست

سہل یہ ہے کہ مرشد کو مخاطب کہا جاوے کسی قرینہ سے اُس پر گمان کم التفاتی کا ہو گیا ہے کما مرفی توجیہ شرح الاشعار العدیدۃ غیر مرۃ۔

ست

میچکد شیر ہنوز از لب ہمچوں شکرش — گرچہ در عشوہ گری ہر مژہ اش قتالی

ترجمہ لفظی کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ فن عشوہ گری میں اُس کی ہر مژہ قتال ہے لیکن ابھی وہ کمسن ہے کہ اُس کے لب سے ہنوز دودھ ٹپک رہا ہے یعنی گویا دودھ بھی نہیں چھٹا خلاصہ یہ کہ کم عمری ہی میں غضب اور ستم ڈھا رہا ہے اور بلسان اشارت مصرع اولیٰ اشارہ ہو سکتا ہے صفات جمال کی طرف اور مصرعہ ثانیہ صفات جلال کی طرف یعنی گو ظاہر ہے مگر لطیف بھی ہے پس سالک کو ظہور صفات جلال کے وقت رجاء منقطع نہ کرنا چاہیے اور یہ تعبیر خاص میچکد شیر الخ اشارہ ہو سکتا ہے شان الآن کما کان کی طرف کہ اُس میں تغیر محال ہے۔

ست

بعد از نیم نبود شائبہ در جوہر فرد — کہ دہاں تو دریں نکتہ خوش استدلالی ست

مدلول لفظی ظاہر ہے کہ دہن کا غایت کوچک ہونا بیان کرتے ہیں کہ منقسم بھی نہیں جس سے جوہر فرد کے وجود پر استدلال ہو سکتا ہے۔ اور بلسان اشارت دہاں سے مراد کلام نفسی ہو سکتی ہے اور حاصل یہ ہو گا کہ جب دلائل حقہ سے وجود کلام نفسی کا جو کہ ایک صفت بسیط غیر متجزیہ ہے ثابت ہے باوجود اس کے وہ مبداء کلام لفظی متجزی کا ہے پس اسی طرح اگر جوہر فرد بسیط مبدأ ہو جاوے جسم مرکب کا تو کیا بعید ہے گو دونوں مبدائیت میں تفاوت ہو کہ ایک جگہ سببیۃ و مسببیۃ کے طور پر ہے اور ایک جگہ جزو اور کل کے طور پر۔ پس یہ استدلال ہے ایک نظیر سے دوسری نظیر پر بطور تمثیل کے اور گو ظاہراً صفت کلام سے اثبات کرتے ہیں جوہر فرد کا مگر قصداً جوہر فرد سے اثبات کرتے ہیں صفت کلام کا مبالغۃً قلب کر دیا کما قالوا فی قولہ تعالیٰ انما البیع مثل الربوا پس مقصود شعر ہذا سے رد ہے

حکماء و معتزلہ پر اور احقاق ہے اہل سنت و جماعت کا اور اس میں تعلیم ہے سالک کی کہ عقائد اہل سنت کے اختیار کرے کہ شرط اول ہے وصول الی المقصود کی۔ واللہ اعلم باسرار عبادہ ؎

مژدہ دادند کہ بر ما گذرے خواہی کرد نیت خیر مگردان کہ مبارک فالیست

مدلول لفظی ظاہر ہے اور بلسان اشارت یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ آثار لطف سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم پر عنایت و رحمت کی جاوے گی تو اس ارادہ کو بدلیے گا نہیں اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ارادہ قدیمہ بدلا جاتا ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ تعلق ارادہ کا کہ حادث ہے مشروط ہوتا ہے بعض شرائط کے ساتھ اور حادث میں تبدیل ممکن ہے مثلاً کسی نے اطاعت کی اس کے ساتھ ارادہ رحمت کا تعلق ہو گیا کسی نے معصیت کی اس کے ساتھ ارادہ غضب کا متعلق ہو گیا اسی طرح عمر بھر ہوتا رہتا ہے پھر خاتمہ ایک پر ہو جاتا ہے تو واقع میں صفت میں تبدیلی نہیں ہوئی بلکہ عبد کی حالت میں ہوئی کہ اس پر فعل حق میں کہ حادث ہے تبدیل ہوئی پس مطلب یہ ہوا کہ ہماری مدد فرما کر ہماری حالت متغیر نہ ہو جس سے آپ اپنا فعل بدل دیں کما قال تعالےٰ ربنا واتنا ما وعدتنا علی رسلك ولا تخزنا یوم القیامہ انك لا تخلف المیعاد ای اجعلنا اھلا لوعدك لا ان خلف الوعد محتمل تعالیٰ عن ذلك ؎

کوہ اندوہ فراقت بچہ حیلت بہ کشد حافظ خستہ کہ از نالہ تنش چوں نالیست

نال انچہ باریشہ از میان قلم وقت تراشیدن بر آید کذا فی الحاشیۃ۔ مقصود بیان کرنا اپنی عجز و درماندگی کا ہے جلب ترحم کے لیے وہذا کقولہ تعالےٰ ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ۔ اور اس میں تعلیم ہے التجا و تضرع و استمداد و استعانت کی اور نہی ہے استبداد و دعوے و وثوق علی العمل والنفس سے۔ فقط۔

غزل ؎

صحن بستاں ذوق بخش و صحبت یاراں خوش ست وقت گل خوش باد کزوی وقت میخواراں خوش ست

از صبا ہر دم مشام جان ما خوش می شود آری آری طیب انفاس ہواداراں خوش ست

یہ اشعار حالت بسط کے معلوم ہوتے ہیں۔ صحن بستان سے مراد قلب کہ منبت و محل واردات کا ہے اور گل سے مراد وارد کہ سبب ہے بسط کا۔ اور یاران سے مراد اپنے ہم مشرب و ہم طریقہ اصحاب جن کی صحبت سے حالت بسط میں بسط کو ترقی ہوتی ہے اور دعا دینا گل کو مجاز ہے طلب ترقی واردات سے۔ اور صبا سے مراد مرشد۔ اور طیب انفاس ہوا داران سے مراد کلمات طیبہ و ملفوظات مشائخ و مربین کے جن سے روح میں فرحت اور وارد میں قوت ہوتی ہے اب سب مطلب ظاہر ہے ۔

ناکشودہ گل نقاب آہنگ رحلت ساز کرد   نالہ کن بلبل کہ گلبانگ دل افگاران خوش ست

یہ شعر قبض بعد البسط پر منطبق ہو سکتا ہے یعنی ابھی بسط اپنے کمال کو بھی نہ پہنچا تھا کہ زوال پذیر ہونے لگا عاشق کو نالہ و زاری کرنا چاہیے کہ خستہ دلوں کی فریاد نافع ہے کہ زاری دلیل شکستگی ہے جو فی نفسہ حالت محمودہ ہے اور نیز بعض اقسام قبض تضرع و التجا سے زائل ہو جاتے ہیں ۔

مرغ شبخواں را بشارت باد کاندر راہ عشق   دوست را با نالہ شبہای بیداران خوش ست

شعر بالا کے مصرعہ ثانیہ کا جو حاصل ہے وہی حاصل ہے اس تمام شعر کا ہے۔ اور مرغ شبخواں سے مراد عاشق شب خیز۔

گرچہ در بازار دہر از خوشدلی جز نام نیست   شیوۂ رندی و خوش باشی عیاران خوش ست

از زبان سوسن ایں آوازہ ام آمد بگوش   کاندریں دیر کہن کار سبکساران خوش ست

حافظا ترک جہاں گفتن طریق خوشدلی ست   تا نہ پنداری کہ احوال جہانداران خوش ست

ان سب اشعار کا حاصل ایک ہی ہے کہ عالم میں اگر کسی کو حیات طیبہ و حلاوت روحانی میسر ہے تو صرف آزاد عشاق کو جو ماسوی اللہ سے قطع تعلق کر چکے ہیں اور اثقال و احمال تعلقات سے سبک ہو چکے ہیں ورنہ امراء وغیرہ کو خوشدلی محض نام ہی کی ہے اور سوسن کی تخصیص اس لیے کہ اس کی شکل زبان کی سی ہوتی ہے اور آزاد کہلاتا ہے ۔

غزل

در دیر مغان آمد یارم قدحے در دست — مست از مئی و میخواراں از نرگس مستش

قدحے در دست کنایہ از ساقی و مفیض بودن۔ و مست از می کنایہ از مستغنی بسبب صفت کبریا و مست بودن میخواران از نرگس مست کنایہ از طریان بے خودی از تجلی ذات غنی او۔ غالباً یہ شعر حالت بسط کا ہے یعنی میرے محبوب نے اس صفت کے ساتھ مجھ پر تجلی فرمائی اور میں اُس وقت محو ہو گیا جیسا کہ میخوار اس حالت میں محو ہو جاتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ وارد جدید جب قلب پر آتا ہے قلب کو ایک گونہ حیرت ہوتی ہے یہ بھی ایک درجہ محویت کا ہے۔ اور مست از می میں اشارہ اس طرف کر دیا کہ تجلی بسط کی احتیاج متجلی کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ تربیت متجلی علیہ کے لیے ہوتی ہے اس میں تعلیم ہے اس مسئلہ کی کہ لطف کا منشاء احتیاج رب نہیں جیسا مخلوق کے لطف کا منشاء یہی ہوتا ہے بلکہ احتیاج عبد ہے۔

از نعل سمند او شکل مہ نو پیدا — وز قد بلند او بالای صنوبر پست

مصرعہ اولیٰ کنایہ ہے اس سے کہ ممکنات اپنے کمالات میں سب محتاج ہیں واجب کے۔ اور مصرعہ ثانیہ کنایہ ہے اس سے کہ سب ممکنات ناقص ہیں بالنسبۃ الی کمالات الواجب کے۔ اور مفردات مثل نعل سمند و قد بلند کا اثبات واجب کے لیے لازم نہیں آتا۔

آخر ز چہ گویم ہست از خود خبرم چوں نیست — از بہر چہ گویم نیست با او نظرم چوں ہست

مصرعہ اولیٰ میں ہست اور نیست کا مرجع خبر ہے۔ اور مصرعہ ثانیہ میں نیست اور ہست کا مرجع نظر ہے اور ہست اول و نیست اول میں اضمار قبل از ذکر اس لیے نہیں کہ وہ چوں کی جزا میں واقع ہوا ہے اور جزا رتبۃً موخر ہے شرط سے پس اضمار بعد الذکر ہوا۔ مطلب یہ کہ مجھ سے اگر التفات بہ نفس خود کا سوال کیا جاوے تو ہست نہیں کہہ سکتا اور اگر التفات بہ محبوب کا سوال کیا جاوے تو نیست نہیں کہہ سکتا۔ اس میں تعلیم ہے کہ محبت کا حق یہ ہے کہ صرف محبوب نظر میں رہ جاوے اور ماسوی

نظر سے نکل جاوے حتیٰ کہ اپنی ذات کی طرف بھی التفات نہ رہے ونعم ماقیل۔ ؎

ہو فنا ذات میں کہ تو نہ رہے ۔۔۔ تری ہستی کی رنگ و بو نہ رہے

اور مصرعہ اولیٰ میں لفظ جز اور مصرعہ ثانیہ میں لفظ نظر تفنن ہے اور ممکن ہے کہ وجہ اس کی یہ ہو کہ خبر تو تصور مع الحکم ہے اور نظر بالمعنی اللغوی تصور ساذج ہے اور علم اول مفصل ہے بہ نسبت علم ثانی کے اور ظاہر ہے کہ اپنا علم تو انسان کو تفصیلاً ہو جاتا ہے اور ذات باری تعالیٰ کا اجمالاً کما قیل ؎

ای برتر از قیاس و گمان و خیال و وہم الخ۔ گو اجمال بمعنی تصور ساذج نہیں بلکہ وہ تصور مع الحکم ہے مگر اس تصور مع الحکم کو نفس اجمال میں تشبیہ تصور ساذج کے ساتھ دے دی گئی اور نظر کہہ دیا اور بعض اوقات اس حکم سے بھی ذہول ہوتا ہے اور ساذج بمعنی تصور لا شرط شئی ہوتا ہے گو ساذج بشرط لاشئی نہیں ہوتا۔ خوب سمجھ لو۔

چوں شمع وجود من شب تا بسحر خود را ۔۔۔ می سوخت چو پروانہ روز ز پا ننشست

شمع وجود مبتدا و می سوخت خبر و مجموعہ شرط و تا روز الخ جزا یعنی جب میرے شمع وجود نے شب میں سحر تک اپنے کو پروانہ کی طرح جلانا شروع کیا تو دن نکلتے تک اس نے تقاعد نہیں کیا۔ حاصل یہ کہ میری ہستی نے فنا و جانفشانی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اس میں اشارہ ہے کہ عاشق کو فنا میں کسل و تردد نہ چاہیے۔ ونعم ماقیل ؎

مترس از محبت کہ خاکت کند ۔۔۔ کہ باقی شوی چوں ہلاکت کند ؎

شمع دل دمسازاں بنشست چو او برخاست ۔۔۔ افغان ز نظر بازاں برخاست چو او بنشست

دمساز موافق و محب۔ اس شعر کی دو توجیہیں ہو سکتی ہیں باعتبار اختلاف معنی برخاست و بنشست کے جو کہ منسوب ہے محبوب کی طرف اگر برخاست کے معنی آہنگ رفتن اور بنشست کے معنی ترک رفتن کے ہوں تب تو معنی یہ ہوں گے کہ جب محبوب نے ارادہ جانے کا کیا تو غایت حزن کی وجہ سے محبوں کا شمع دل گل ہو گیا یعنی ان کے قلوب افسردہ ہو گئے اور جب اس نے بیٹھ جانے کا ارادہ کیا تو غایت شوق سے خوشی کے نعرے مارنے لگے اور اگر برخاست کے معنی بر نظر آمد کے ہوں اور بنشست کے معنی پنہاں شدن کے ہوں کیونکہ کھڑے ہو جانے

سے سب اہل مجلس دیکھنے لگتے ہیں اور بیٹھ جانے سے اہل مجلس کی نظر سے خفا ہو جاتا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ جب محبوب نمودار ہوا تو عشاق اُس کے غلبۂ آثار دیدار سے محو ہو گئے اور جب وہ پنہاں ہو گیا تو درد ہجر سے شورش و نالہ میں مبتلا ہو گئے مجموعہ توجیہین کے اعتبار سے تجلی و استتار کے آثار مختلفہ کا بیان ہو جاوے گا علیٰ اختلاف احوال الطالبین یعنی کبھی تجلّی وظہور سے شوق اور استتار و غیبت سے حزن ہوتا ہے وہذا حاصل التوجیہ الاول اور کبھی ظہور وتجلی سے محویت و سکر اور استتار و غیبت سے اضطراب اور بے تابی و آہ نالہ ہوتا ہے فافہم حق الفہم ۔

گر غالیہ خوشبو شد در گیسوی او آویخت　　　　ور وسمہ کمان کش شد با ابروی او پیوست

غالیہ خوشبوی مرکب کہ در گیسو مالند۔ و وسمہ نیل کہ بر جبین متصل با ابرو کشند و مراد از غالیہ و وسمہ یا معنی حقیقی ست کہ از اعیان ست و یا معنی مجازی از اسلام و کفر از اعراض ست و آویختن و پیوستن عبارت از ارتباط۔ و گیسو و ابرو کنایہ از صفات مختلفہ محبوب۔ مطلب یہ کہ جتنے اعیان و اعراض ہیں سب کو محبوب کے صفات مختلفہ سے ارتباط ہے کہ صفات ظاہر اور علل اور مکونات مظاہر اور معلولات ہیں۔ اس میں تعلیم ہے توحید افعالی کی ۔

(۱۰) باز آی کہ باز آید عمر شدۂ حافظ　　　　ہر چند کہ ناید باز تیرے کہ بشد از شست

اس میں التجا و طلب ہے توجہ و لطف محبوب کی کہ اس سے توفیق اعمال و مجاہدہ کی ہو گی جس سے عمر ضائع شدہ در حرمان کا تدارک ہو جاوے گا گو وقت گزشتہ ہاتھ نہیں آیا کہ اُسی کی بعینہ اصلاح ہو سکے لیکن عمر آیندہ کی اصلاح عمر گزشتہ کے فساد کا حسب وعدہ صادقہ رافع و مکفر ہو جاتا ہے۔ اس میں تعلیم ہے توبہ کی اور اس کی کہ اس کی توفیق بھی حق تعالیٰ ہی سے چاہے اپنے عزم و سعی پر اعتماد نہ کرے ۔

غزل

گل در بر و می در کف و معشوقہ بکام ست　　　　سلطان جہانم بہ چنیں روز غلام ست

یہ شعر حالت بسط کا ہے یعنی گل مقصود آغوش میں ہے اور نشاط و انبساط دستیاب ہے اور

محبوب کا معاملہ حسب مراد ہے پس دنیا کے سلاطین بھی ایسے وقت میں ہمارے سامنے مثل غلام کے ہیچ و ناچیز ہیں کہ یہ دولت اُن کو بھی میسر نہیں ہے

گو شمع میارید دریں بزم کہ امشب
در مجلس ما ماہ رخ دوست تمام ست

یعنی جب ہماری مجلس قلب میں محبوب کی تجلیات تمام و کمال کے ساتھ ہیں تو ہم کو اس ظاہری شمع و زینت کی ضرورت نہیں۔ اشارہ اس طرف ہے کہ تنویر قلب کی کوشش چاہیئے تزئین ظاہری میں منہمک نہ ہو ے

در مذہب ما بادہ حلال ست ولیکن
بے روی تو ای سرو گل اندام حرام ست

بادہ سے مراد شورش و مستی و وجد کہ غلبہ حال سے ہو اور مذہب ما کی تخصیص اس لیے کہ اہل ظاہر تو علی الاطلاق اس کو بوجہ عدم وجہ ان کے ریاء و ناجائز جانتے ہیں پس ارشاد ہے کہ یہ حالت ہمارے نزدیک حلال تو ہے مگر جب ہے کہ منشاء اس کا غلبہ حال ہو ورنہ اگر خالی ریاء ہے تو ہمارے نزدیک بھی حرام ہے ۔ ے

گوشم ہمہ بر قول نے و نغمۂ چنگ ست
چشم ہمہ بر لعل لب و گردش جام ست

قول نے و نغمۂ چنگ کنایہ از سخنان عشق۔ و لعل لب و گردش جام کنایہ از تجلیات کہ بستی آرد یعنی میرا تمام تر مقصود و منتہای مرام محبت الٰہی ہے خواہ اُس کے مناشی ہوں جیسے سخنان عشق یا اُس سے ناشی ہوں ے

در مجلس ما عطر میامیز کہ جان را
ہر لحظہ ز گیسوی تو خوشبوی مشام ست

از چاشنی قند مگو ہیچ و ز شکر
زاں رو کہ مرا بالب شیریں تو کام ست

ان دونوں شعر کا وہی حاصل ہے جو اس غزل کے شعر دوم کا حاصل ہے اور ان دونوں شعر میں صنعت التفات ہے کیونکہ میامیز اور مگو کا مخاطب اور ہے اور گیسوی تو اور لب شیریں تو میں خطاب محبوب کو ہے چنانچہ بعض نسخوں میں بجائے میامیز کے میارید اس التفات کا مؤید ہے

تا گنج غمت در دل ویرانہ مقیم ست — پیوستہ مرا کنج خرابات مقام ست

گنج غم مراد عشق و کنج خرابات مقام محو و فنای صفات بشریہ و معنی ظاہر ست۔ اس میں اشارہ اس طرف ہو سکتا ہے کہ محو و فنا لوازم عشق سے ہے اگر یہ لازم متحقق نہ ہو تو حصول عشق کے زعم میں نہ رہے کہ وہ خیال محض ہے ؎

از ننگ چہ گوئی کہ مرا نام ز ننگ ست — وز نام چہ پرسی کہ مرا ننگ ز نام ست

حاصل مطلب ظاہر ہے کہ مجھ کو ننگ سے فخر و رفعت ہے اور فخر و رفعت سے ننگ ہے۔ اس شعر کا مضمون گویا متفرع ہے شعر سابق کے مضمون پر اور اُس کلیہ کی ایک جزئی ہے یعنی عشق میں نخوت و ناموس کا فنا ہو جانا چاہیے کما قال الرومی رح ؎

ای دوای نخوت و ناموس ما ؁ وی تو افلاطون و جالینوس ما ؎

می خوارہ و سرگشتہ و رندیم و نظر باز — وان کس کہ چو ما نیست درین شہر کدام ست

اس کی ایک توجیہ تو ظاہر یہ ہے کہ گو ہماری حالت قابل ملامت ہے مگر اوروں کو بھی ہے اتنا فرق ہے کہ ہم میں ریا نہیں اور لوگ ریا سے اپنے کو صالح بنلائے ہوئے ہیں اور بہ اعتبار اکثر کے کہا اور واقعی یہی قصہ مشاہد ہے اور اس میں اشارہ اس طرف ہو گا کہ اپنے عیب کو دیکھنا چاہیے دوسرے کے عیوب پر نظر نہ چاہیے۔ اور ایک توجیہ غامض یہ ہے کہ اگر ہم عاشق ہیں تو کیا ہوا شہر میں ایک بھی اس سے بچا ہوا نہیں ہے گو بواسطہ کسی مخلوق کے سہی اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ جو شخص جس چیز کا محب ہے آدمی کا یا جانور کا یا سیم و زر کا وہ کسی کمال کی وجہ سے ہے اور وہ کمال مستفاد ہے کمال حق سے پس محبوب بالذات حق تعالےٰ ہی ہے گو محب کو بھی اس کی خبر نہ ہو جیسے عاشق دیوار تاباں حقیقت میں عاشق آفتاب کا ہے گو اُس کو اس کی خبر بھی نہ ہو۔ پس اس میں اشارہ ہو گا محبوب حقیقی کے منتہائے کمالات ہونے کی طرف اور جاننا چاہیے کہ ایسے بے خبر محب مقبول نہیں کیونکہ اُن کا قبلہ توجہ تو مخلوق ہی ہے پس نفس وجود تعلق کافی نہیں و لو اضطراراً بلکہ اُس کے ساتھ قصد تعلق بھی ضروری ہے اختیاراً ؎

با محتسبم عیب مگوئید کہ او نیز — پیوستہ چو ما در طلب عیش مدام ست

مدام شراب۔ یعنی محتسب سے میری کیا شکایت کرتے ہو وہ بھی ہماری ہی طرح مبتلائے میخواری و عشق ہے اس کا مفہوم بھی شعر بالا کے مفہوم کلی کا ایک جزئیہ ہے جای المعنیین اخذت۔

حافظ منشین بی مئی و معشوقہ زمانی — کایام گل و یاسمن و عید صیام ست

عید صیام عید الفطر۔ چونکہ اجتماع اشیاءِ مذکورۂ مصرعۂ ثانیہ عادۃً موقع ہے منادمت و مصاحبت محبوب کا اس لیے حاصل معنی بطور کنایہ کے یہ ہوا کہ آبِ حیات و صحت و شباب و فراغ کلاً یا بعضاً کو مغتنم سمجھو اور ذکر و محبت کا ذخیرہ جمع کر لو۔

غزل

اگر بلطف بخوانی مزید الطاف ست — دگر بہ قہر برانی درون ما صاف ست

ترجمہ ظاہر ہے۔ مقصود یہ ہے کہ عبد کا کسی حالت میں کوئی استحقاق نہیں جیسا معتزلہ کا مذہب ہے پس لطف و لبسط پر شکر اور ہجر و قبض پر تفویض محض چاہیے۔

بیان وصف تو گفتن نہ حد امکان ست — چرا کہ وصف تو بیرون ز حد اوصاف ست

یہ شعر حاصل مضمون لا احصی ثناء علیک کا ہے جیسا شعر اول میں عبد کے حق کی نفی تھی اس میں حق تعالیٰ کے حقوق کا غیر متناہی ہونا بیان کیا گیا ہے تا کہ ہر واحد سے بالخصوص مجموعہ امرین سے حق تعالیٰ کا وفور عطا اور بندہ کا قصور و خطا ثابت ہو جاوے اور اس کا استغفار عین وظیفہ سالک ہے۔

جو ہمرو سرکشی ای یار سنگدل با ما — چہ چشم ہاست کہ بر روی ما ز اطراف ست

بعض نسخوں میں یہ شعر نہیں ہے اور غالباً نہ ہونا راجح ہے کیونکہ کوئی اچھی توجیہ اس کی نہیں بنتی نیز محبوب حقیقی کو خطاب ہو نہیں سکتا اور محبوب مجازی کا خطاب محبوب حقیقی کے خطابات میں متخلل ہونا بدنما معلوم ہوتا ہے اور ہونے کی تقدیر پر اس کی توجیہ میں شفا نہیں ہوئی یہ خیال میں آتا ہے کہ محبوب مجازی کی شکایت ہے کہ تو تو ہم سے سرکشی کر رہا ہے اور دوسرے لوگ ہماری طرف کس درجہ متوجہ ہیں پس تجھ کو بھی ہم پر توجہ چاہیے۔ ولعل اللہ یحدث

بعد ذلک امرا۔

زچشم عشق تواں دید روی شاہد ما　　　که نور چهرهٔ خوباں زقاف تا قاف ست

مطلب یہ کہ میرے محبوب کا حسن ایسا ہے کہ دوسرے محبوبوں کا حسن اُسی سے مستفاد ہے گویا وہ اُن کے چہرہ کا نور ہے یعنی اُن کے چہرہ میں جو نور ہے وہ اصلی نہیں ما بالعرض ہے اور اس ما بالعرض کا ما بالذات حسن محبوب حقیقی ہے پس کمال حسن تو ایسا ہے لیکن مجوبوں کو جو ادراک نہیں تو وجہ اس کی یہ ہے کہ اُس کے لیے عشق و طلب شرط ہے اور اُن میں شرط فائت ہے۔ ؎

زمصحف رخ دلدار آیتے برخواں　　　نه ایں مقام مقالات کشف کشاف ست

ایں مقام سے مراد مقام عشق یعنی مباحث و کتب سے کام نہیں چلتا بلکہ مطالعہ و مشاہدہ محبوب کا لازم ہے اور اس سے عبثیت علوم ظاہرہ کی لازم نہیں آتی بلکہ مقصود اُن کی عدم کفایت کا بیان ہے جیسے کہا گیا ہے ۔ در کنز و ہدایہ نتواں یافت خدا را۔ اور کشف بمعنی شرح ہے اور لطافت اس میں یہ ہے کہ کشف ایک حاشیہ بھی ہے کشاف کا۔ اور بعض نسخوں میں مصرعۂ ثانیہ اس طرح ہے۔ کہ آں بیان مقامات کشف و کشاف ست۔ اور معنی یہ ہوں گے کہ وہ مصحف رخ دلدار خود ہی بیان مقامات کشف و کشاف کا ہے یعنی جملہ ازاں حاصل ست حاجت بکشف و کشاف ندارد اس کا حاصل بھی وہی ہے کہ اس مقام میں اس کی حاجت نہیں مطلق احتیاج کی نفی نہیں جیسے وضو نماز کے قبل ضروری ہے مگر عین نماز کے اندر کوئی وضو کرنے لگے ظاہر ہے کہ نماز نہ ہو گی۔

عدو که منطق حافظ طمع کند در شعر　　　هماں حدیث همای و طریق خطاف ست

یعنی میرا مخالف جو طمع کرتا ہے کہ نظم میں حافظ کی سی گویائی و فصاحت حاصل کر لوں اس کی ایسی مثال ہے جیسے خطاف کہ ایک پرندہ بے قدر و منزلت سیاہ رنگ ادنیٰ درجہ کا ہے اور اُس کو وطواط بھی کہتے ہیں ہما کی مساوات کا دعوے کرنے لگے جو اعلیٰ درجہ کا پرندہ ہے مطلب یہ ہے کہ ناقصوں کو کاملین کی مساوات کا دم مارنا نہ چاہیے کہ رہزن سلوک ہے۔

غزل

مارا ز خیال تو چہ پروای شراب ست — خم گو سر خود گیر کہ خم خانہ خراب ست

شراب سے مراد ظاہری شراب اور خم سے مراد بھی اُسی کا ظرف۔ اور خم خانہ سے مراد اپنا خم خانہ یعنی وجود سالک کا مطلب یہ کہ اے محبوب آپ کے خیال اور ذکر میں جو مستی نقد وقت ہے اُس سے اس ظاہری شراب کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ یہ حلال اور دائمی اور وہ حرام اور عارضی اے مخاطب اس ظاہری خم سے کہہ دو کہ اپنا رستہ لے ہمارے یہاں اُس کا کچھ کام نہیں کیونکہ ہماری ہستی محبوب کے ذکر و محبت سے فنا ہو چکی ہے جس کا سکر اس سکر خم سے بدرجہا فائق ہے پھر مفضول سے کیا کام رہا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس کو یہ سکر حقیقی حاصل نہ ہو وہ محتاج شراب ظاہری کا ہے اور یہ لازم اس لیے نہیں آتا کہ اس حالت میں مانع شرعی تو موجود ہے اور ایک مانع کا وجود بھی کافی ہے اور حالت سکر حقیقی میں دو مانع ہیں ایک مانع شرعی دوسرا وجود سکر حقیقی کا۔ اور اصل یہ ہے کہ مقصود بیان کرنا اکملیت سکر حقیقی کا ہے بہ نسبت سکر خمری کے تاکہ اُس کی تحصیل کی رغبت ہو پس باعتبار اس مقصود کے اُس لازم کے ورود کا شبہ اور احتمال ہی نہیں۔

گر خمر بہشت ست بریزید کہ بے دوست — ہر شربت عذبم کہ دہی عین عذاب ست

شعر بالا میں محبت و معیت آلہیہ کے مقابلہ میں لذات دنیا کا ہیچ ہونا مذکور تھا اور اس شعر میں بدون اس محبت و معیت کے صورت طاعات دینیہ کا کہ عبادت ریائی ہے ہیچ ہونا مذکور ہے کیونکہ عبادت ریائی میں یہی کمی ہوتی ہے کہ معیت آلہیہ و خلوص نیت نہیں ہوتا اور چونکہ عبادت فی نفسہ سبب ہے خمر بہشت کا اس لیے اُس کو اس عنوان سے تعبیر کیا گیا گو عارض ریا کے سبب یہ سببیت نہیں رہتی ہے۔

افسوس کہ شد دلبر و در دیدۂ گریاں — تحریر خیال خط او نقش بر آب ست

بیدار شو ای دیدہ کہ ایمن نتواں بود — زیں سیل دمادم کہ دریں منزل خواب ست

منزل خواب دنیا کہ محل غفلت ست۔ ذیل دمادم حوادث وکاروبار دنیا کہ در ہدم دین بمنزلہ سیل ست شعر اول حالت قبض کا معلوم ہوتا ہے اور دوسرا شعر عام نصیحت کا کہ اس حالت قبض کے بھی متعلق ہو سکتا ہے اور دوسرے حالات کے بھی۔ مطلب یہ کہ محبوب سے غیبت اور مفارقت ہو گئی مگر خیال اُس کا باقی ہے اور چونکہ خیال کا اثر چشم پر بھی ہوتا ہے اور اُس میں اشک بھرے ہیں اس لیے شاعرانہ لطافت سے تعجباً اُس کو نقش بر آب سے تعبیر فرمایا اور مقصود اس سے اُس کا سرعت زوال بیان کرنا نہیں ہے کما فہموا۔ آگے فرماتے ہیں کہ دنیا میں غفلت موجب خسران و مورث حرمان ہے چنانچہ بعض اوقات اسی غفلت سے معصیت اور معصیت سے قبض ہو جاتا ہے۔

معشوقہ عیاں میگذرد بر تو ولیکن — اغیار ہمی بیند ازاں بستہ نقاب ست

فاعل بیند ضمیر راجع بمعشوقہ و اغیار مفعول بیند یعنی محبوب کی تجلی ظاہر ہے لیکن چونکہ وہ اغیار کو بھی دیکھ رہا ہے اس لیے بطون کا نقاب باندھ رکھا ہے۔ احقر کے مذاق میں اس میں بیان ہے اس کی حکمت کا کہ دنیا میں جو ظہور محض نہیں ہے جیسا آخرت میں ہوگا بلکہ ممزوج بالبطون ہے حاصل حکمت کا یہ ہوا کہ چونکہ دنیا میں کفار بھی ہیں اور اُن کو ابتلاءً مکلف کیا ہے ایمان بالغیب کا پس اگر انکشاف تام ہو جاتا تو ایمان اضطراری ہو جاتا اور وہ خلاف ابتلاء تھا اس لیے انکشاف تام نہیں ہوا اور ہر چند کہ نفس ابتلاء اہل ایمان کے لیے بھی ہے مگر چونکہ وہ قبل مشاہدہ ایمان لا چکے اس لیے اُن کے حق میں یہ ابتلاء نہ رہتا۔ اور اگر کہا جاوے کہ صرف اہل ایمان کے لیے انکشاف تام ہو جاتا سب کے لیے عام نہ ہوتا۔ اس کا جواب دوسرے قاعدہ مستقلہ سے حاصل ہو سکتا ہے وہ یہ کہ عادت الٰہیہ یہی ہے کہ اکثر احکام دنیویہ مشترک رہتے ہیں چنانچہ نزول بلیات وغیرہ میں مشاہد ہے اور اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ آخرت میں باطن کے ساتھ موصوف نہ ہو گا۔ بات یہ ہے کہ وہاں کا بطون صرف مانع درک و احاطۂ حقیقت ہو گا مثل بطون دنیا کے مانع انکشاف و معائنہ ذات نہ ہو گا۔

گل بر رخ رنگین تو تا لطفِ عرق دید — در آتش رشک از غم دل غرق گلاب ست

احقر کے ذوق میں مقصود اس سے محض بیان کرنا ہے کمالات حادث کے بے حقیقت ہونے کا کمالات واجب کے سامنے ترجمہ ظاہر ہے کہ جب سے گل نے محبوب کے رخ پر پسینہ کی لطافت دیکھی ہے غم اور رشک سے عرق ندامت میں ڈوب گیا اُس کے عرق ندامت کو گلاب سے تعبیر کر دیا۔ والبعد الشراح حیث شبھوا مفردات الشعر بمالا یتبادر الی الاذہان ۔

در بزم دل از روی تو صد شمع برافروخت
وین طرفہ کہ بر روی تو صد گونہ حجاب ست

اس کا حاصل یہ ہے کہ محبوب عین تجلی میں مستتر اور عین ظہور میں باطن ہے کہ ہر چند کہ قلب میں صدہا شمع اُس کی تجلیات وظہورات کی روشن ہیں مگر پھر بھی ہزاروں حجاب مانع ہیں زیادہ تفصیل شعر بالا کے قبل کے شعر معشوقہ الخ کی شرح میں لکھی گئی ہے ۔

سبز ست در و دشت بیا تا نگذاریم
دست از سر آبے کہ جہان جملہ سراب ست

گذاشتن ترک کردن۔ و در و دشت ہر دو بمعنی صحرا کنایہ از کائنات۔ یعنی تمام ہستی آیات و دلائل و مبنہات سے پُر اور معمور ہے آؤ تاکہ کنارہ آب سے کہ اُس سے یہ سبزی ہے دست بردار نہ ہوں یعنی بصیرت و فکر سے کام لیں کہ وہی ذریعہ ہے استدلال بالآیات و عبرت و تذکرہ کا۔ آگے اُس کو علت سے موکد کرتے ہیں کہ تمتعات دنیویہ تو محض ہیچ ہیں ان سے دل بستگی مت کرو اور بعض نسخوں میں تا بگذاریم با موحدہ سے ہے معنی یہ ہوں گے کہ آؤ کنارہ آب پر ہاتھ پھیرنا پس اس از کا ترجمہ اس طرح ہوگا کہ کنارۂ آب پر سے ہاتھ کو گزار دیں لیکن غالباً یہ نسخہ غلط ہوگا کہ ارتکاب تکلف بارد کا کرنا پڑتا ہے۔

در کنج دماغم مطلب جای نصیحت
کایں حجرہ پر از زمزمۂ چنگ و رباب ست

مطلب یہ ہے کہ میرا دماغ آثار عشق سے پُر ہے اس میں ترک عشق کی نصیحت کی گنجائش نہیں جیسا کہ خشک مزاج ظاہر پرست عشاق پر ملامت کرتے رہا کرتے ہیں ۔

راہ تو چہ راہ ست کہ از غایت تعظیم
دریای محیط فلکش ہمچو حباب ست

اس میں عظمت طریق وصول کی بیان کرتے ہیں کہ دریائے محیط فلک اُس طریق کا ایک حباب

ہے یعنی فلک کی رفعت اور عظمت بھی اُس کے سامنے ہیچ ہے اور ظاہر بھی ہے کیونکہ فلک کے طے کرنے سے وصول الی الملکوت میسر ہوتا ہے وبس اس طریق کے قطع کرنے سے وصول الی اللہ نصیب ہوتا ہے وشتان بین الملائکۃ ورب الملائکۃ و ماللتراب ورب الارباب۔ شاید مقصود اس سے امر ہو غایت مجاہدہ وسعی کا کہ مقصود عظیم کے لیے سعی بھی عظیم ہی چاہیے پھر خواہ حصول فضل ہی سے ہو جاوے اور یہی ہوتا ہے مگر ارادہ شرط ہے۔

بی روی دل آرای تو ای شمع دل افروز دل رقص کناں بر سر آتش چو کباب ست

یہ شعر حالت قبض پر بہ سہولت منطبق ہو سکتا ہے اور آتش پر کباب کے اُلٹ پلٹ ہونے کو رقص سے تعبیر کیا گیا۔

حافظ چہ شد ار عاشق و رند ست و نظر باز بس طور عجب لازم ایام شباب ست

چہ شد جزا می مقدم وار عاشق الخ شرط موخر و مصرعہ ثانیہ علت جزا ست و عاشق و رند و نظر باز کنایہ از غیر ضابطہ و شباب مراد ابتدائے سلوک یا جوش عشق۔ مطلب یہ کہ حافظ جو غیر ضابطہ ہے جس پر اُس کو ملامت کی جاتی ہے تو تعجب مت کرو کیونکہ ابتداء سلوک یا غلبہ عشق میں یہی طور ہوتا ہے اور اسی حالت میں بہت سے عجب عجب اطوار ہوا کرتے ہیں پھر ملامت نہ کرو۔ اس میں ممکن ہے کہ ارشاد ہو ترک ملامت کا اہل حال پر۔

غزل

کنوں کہ در کف گل جام بادۂ صاف ست بصد ہزار زباں بلبلش در اوصاف ست

بخواہ دفتر اشعار و رہ بصحرا کن چہ وقت مدرسۂ و بحث و کشف کشاف ست

فقیہ مدرسہ دی مست بود و فتویٰ داد کہ می حرام و لی بہ ز مال اوقاف ست

بدُرد و صاف ترا حکم نیست و دم در کش کہ ہر چہ ساقی ما ریخت عین الطاف ست

گل سے مراد مرشد راہ عشق بقرینہ جملہ در کف گل جام بادہ صاف ست + کیونکہ مرشد بھی فیوض عشقیہ کا قاسم اور واسطہ ہوتا ہے۔ اور بلبل سے مراد طالب۔ اور زبان سے مراد زبان حال اور

دفتر اشعار سے مراد لوازم عشق اور صحرا سے مراد جلوہ گاہ وخدمت مرشد کہ مشبہ بگل تھا اور گل صحرا ہیں ہوتا ہے - اور مدرسہ الخ سے مراد خدمت علوم رسمیہ - اور می سے مراد وہ امور جن کو اکثر اہل ظاہر علی الاطلاق حرام کہتے ہیں اور عشاق مغلوب الحال اُن میں مبتلا ہیں مثل شطحیات وسماع وغیر ذلک - اور مال اوقاف میں لقرینہ مقام یہ بھی قید ہے کہ غیر مستحق را حاصل مطلب یہ ہے کہ شیخ وقت فیوض تقسیم کر رہا ہے اور طالب زبان حال سے اُس کے ثنا خوان ہیں - ایسے وقت میں عشق کے لیے آمادہ ہو کر اُس کی خدمت میں پہنچو اور اُس حالت میں علوم رسمیہ کی بحث و درس کا موقع نہیں ہے (کیونکہ اہل خلوت کو برائے چندے دوسرے مشاغل غیر مفروضہ کو موخر کرنا پڑتا ہے) اور عشاق کے گو بعض حالات ظاہراً محل ملامت ہیں مگر انصاف کیا جاوے اور کسی قدر اثر اور مذاق محبت کا ہو تو فقیہ معترض بھی یہی کہے کہ واقعی گو یہ حالات منکر ہیں مگر مال اوقاف کو جو معترضین بلا استحقاق کھا رہے ہیں اُس سے تو یہ حالات اچھے ہیں کیونکہ ان حالات میں بعض امور تو اختلافی منکر ہیں اور مال اوقاف غیر مستحق کے لیے بالاتفاق منکر ہے اور منکر اختلافی اہون و اخف ہے منکر اتفاقی سے اور بعض امور گو اتفاقاً منکر ہیں مگر غلبہ حال اُس میں عذر ہے اور آکلین لغیر حق کے لیے کیا عذر ہے آگے بطور تعلیم فرماتے ہیں کہ جب فیض و تعلیم مرشد سے واردات عشقیہ کا سلسلہ شروع ہو تو ورد وصاف کی تجویز کرنے کا تم کو کوئی حق نہیں یعنی قبض وبسط کی خواہش یا انکار خلاف طریق ہے جو کچھ عطا ہو جاوے وہی تربیت باطنی کے لیے مصلحت اور وہی عین لطف ہے ؎

ببر ز خلق و ز عنقا قیاس کار بگیر کہ صیت گوشہ نشینان ز قاف تا قاف ست

اس میں تعلیم ہے ترک بمعنی تقلیل تعلقات کی اور ترجمہ لفظیہ ظاہر ہے۔

حدیث مدعیاں و خیال ہم کاراں ہماں حکایت زردوز و بوریا باف ست

ہمکاراں عشاق اس کا وہی حاصل ہے جو غزل ہذا کے غزل سابق سے سابق کے مقطع کا حاصل ہے

خموش حافظ و ایں نکتہای چوں زر سرخ نگاہدار کہ قلاب شہر صراف ست

قلاب دغاباز کذا فی الغیاث۔ مطلب یہ کہ جہاں نا اہل کلام کے جانچنے والے ہوں وہاں حقایق و معارف کا اظہار نہ چاہیے کہ مقصود اظہار علم نہیں بلکہ محض افادہ ہے اور وہ مفقود پھر اظہار بے سود۔ اس میں تعلیم ہے کہ حتی الامکان حالات باطنی کا ضبط چاہیے کہ نا اہلوں سے یا متکلم کو ضرر ہوگا یا خود اُن کو انکار کا ضرر ہوگا یا اُن کے انکار سے دوسرے خالی الذہن لوگوں کو مخالفت اہل حال کا ضرر ہوگا۔ یا اُن نا اہل نافہموں میں بعضے معتقد ظاہر پر محمول کرکے اپنا دین خراب کریں گے۔

غزل

اگرچہ بادہ فرح بخش و باد گل بیز ست | بہ بانگ چنگ مخور می کہ محتسب تیز ست
صراحیے و حریفے گرت بدست افتد | بعقل کوش کہ ایام فتنہ انگیز ست
در آستین مرقع پیالہ پنہاں کن | کہ ہمچو چشم صراحی زمانہ خونریز ست
زرنگ بادہ بشوئید خرقہا از اشک | کہ موسم ورع و روزگار پرہیز ست

جیسے بعض اشعار میں احکام سکر کے بیان ہوتے ہیں ان اشعار میں احکام صحو کے بیان کیے ہیں حاصل یہ کہ اگرچہ عشق سے طبیعت کو جوش ہوتا ہے اور واسطہ فیض سے فیض پہنچ رہا ہے جس کا مقتضا تھا اظہار احوال عشق مگر چونکہ محتسب یعنی مانع اظہار کہ صحو ہے تیز یعنی قوی و غالب ہے اس لیے اظہار مت کرو کیونکہ حالت صحو میں ضبط واجب ہے اور ایسی حالت میں اگر صراحی یعنی دل پر عشق اور حریف یعنی محرم راز میسر ہو تب بھی مقتضائے عقل میں کہ اخفاء حال ہے کوشش کرو کیونکہ اہل زمانہ فتنہ انگیز ہیں اور ایسے امور پر فتنہ برپا کرتے ہیں اور لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا یا خود فتنہ میں پڑنا درست نہیں مگر عارض سکر سے اس نہی کا مکلف نہ رہا تھا جب سکر نہ رہا پھر حکم اصلی عود کر آیا پس پیالہ شراب یعنی احوال عشق کو آستین خرقہ میں پوشیدہ رکھو کنایہ ہے اخفاء احوال عشق سے کیونکہ اہل زمانہ خوں ریز ہیں جیسے چشم صراحی خونریز ہوتی ہے اُس کو خونریز اس لیے کہا کہ اُس میں سے شراب نکلتی ہے جس کا رنگ سرخ مثل خون کے ہوتا ہے۔ شاید چشم صراحی اُس کی ٹونٹی کو کہا ہو جس میں سے شراب لیتے ہیں۔ اور اس کے پہلے شعر کے مصرعہ ثانیہ کی جو تقریر تھی وہی اس کے مصرعہ ثانیہ کی

تقریر ہے۔ اور آگے فرماتے ہیں کہ زمانہ سکر میں جو کچھ اظہار اسرار ہو گیا ہے اب اشک ندامت سے سکر کے اُس دھبہ کو خرقہ وجود سے دھونا چاہیے یعنی اُس سے عذر و توبہ چاہیے کیونکہ اب موسم صحو ہے جس میں ورع و تقویٰ واجب ہے اور لوازم تقویٰ سے تلافی ہے مافات کی۔ اور رہا یہ کہ سکر میں تو گناہ ہی نہ ہوا تھا پھر توبہ کی کیا ضرورت ہے اُس کی توجیہ یہ ہے کہ بعض اوقات تو سکر بھی ناقص ہوتا ہے جس میں من کل الوجوہ معذور نہیں ہوتا یعنی اختیار رہتا ہے مگر ناتمام جس میں ضبط متعذر نہیں بلکہ متغیر ہو جاتا ہے تو اُس وقت گناہ لکھا جانا بعید نہیں اور اگر سکر تام بھی ہو تب بھی فی نفسہ تو کلمات غیر مشروعہ قبیح ہیں اُس کا قبح مقتضی معذرت ہے جیسا بلا اختیار کسی بزرگ کو اپنی ٹھوکر لگ جاوے تو اطلاع ہونے پر کس قدر شرماتا ہے اور معذرت کرتا ہے۔ تیسرے اس لیے کہ خلق ضلالت سے محفوظ رہے پس ان اشعار میں دو امر کی تعلیم ہے ایک وجوب ضبط کی حالت صحو میں دوسری تلافی حالت سکر کی جیسا حضرت بایزید بسطامی قدس اللہ سرہ جب صحو میں آتے اور سنتے کہ میں نے حالت سکر میں سبحانی ما اعظم شانی کہا تھا تو فرماتے لو قلت سبحانی ما اعظم شانی فانا مجوسی فاقطع زناری واقول اشہد ان لا الٰہ الا اللہ۔

مجوی عیش خوش از دور واژگوں سپہر   کہ صاف ایں سر خم جملہ درد آمیز ست

واژگوں صفت دور۔ سپہر مضاف الیہ دور واژگوں۔ مطلب یہ کہ اس دنیا میں راحت مت طلب کرو کہ یہاں کی راحت بھی مکدر ہے مقصود تعلیم ہے ترک تعلق و حب دنیا کی۔ تاکہ فکر آخرت میں لگے۔ اور خم سے مراد فلک باعتبار محدب ہونے کے اور نسبت حوادث کی فلک کی طرف یا اُس کو کج رفتار کہنا شاعری ہے۔

سپہر بر شدہ پرویزنے ست خوں افشاں   کہ قطرہ اش سر کسریٰ و تاج پرویز ست

بر شدہ بمعنی بلند شدہ صفت سپہر۔ و پرویزن غربال۔ و کسریٰ و پرویز نام دو بادشاہان یعنی یہ فلک بمنزلہ ایک غربال کے ہے جس میں سے خون ٹپکتا ہے چنانچہ سر کسریٰ اور تاج پرویز بھی اسی کے قطرہ خون ہیں کہ اُن کو خون اور ہلاک کر کے قطرہ قطرہ اور ریزہ ریزہ کر کے چھان ڈالا۔ اور بعض نسخوں میں بجائے قطرہ کے ریزہ ہے بمعنی ریختہ شدہ اس

شعر کا مقصود بھی مثل مقصود شعر بالا ہے۔ ۵

ہرانچہ میرسد از نور فیض سبحانی نصیبۂ دل شخصے کہ شب سحر خیز ست

یہ شعر گویا شعر سابق کا متمم ہے کہ اُس میں تزہید تھی دنیا سے اور اس میں ترغیب ہے امور آخرت کی اور بعض نسخوں میں یہ شعر نہیں ہے اور اسلوب بھی اس کا کلام حافظ کا سا نہیں۔

عراق و پارس گرفتی بشعر خود حافظ بیا کہ نوبتِ بغداد و وقتِ تبریز ست

ترجمہ تو ظاہر ہے۔ مقصود معنوی یہ ہو سکتا ہے کہ شیوخ کو اشاعت طریق و افادہ خلق کی حرص ہونا چاہیے یہ نہیں کہ اگر چند مقامات پر فیض پہنچ گیا تو اُس پر قناعت کریں بلکہ دوسرے مقامات پر توجہ کرنا چاہیے کہ اُن کو بھی ان کے افادات سے بہرہ ہو کہ یہ حضرات ورثہ ہیں انبیاء علیہم السلام کے اور انبیاء علیہم السلام کی یہی سنت ہے۔ ۵

غزل

یارب آں شمع شب فروز کاشانہ کیست جان ما سوخت بپرسید کہ جانانہ کیست

حالیا خانہ برانداز دل و دین من ست تاہم آغوش کہ می باشد و ہمخانہ کیست

بادۂ لعل لبش کز لب ما دور مباد راح روح کہ و پیمان دہ پیمانہ کیست

دولت صحبت آں شمع سعادت پرتو باز پرسید خدارا کہ بپروانہ کیست

مید ہد ہر کسش افسونی و معلوم نشد کہ دل نازک او مائل افسانۂ کیست

یارب آں شاہ وش ماہ رخ زہرہ جبیں دریکتائے کہ و گوہر یکدانۂ کیست

آں مئی لعل کہ ناخوردہ مرا کرد خراب ہمنشین کہ و ہمکاسہ و پیمانہ کیست

گفتم اہ از دل دیوانہ حافظ بے تو زیر لب خندہ زناں گفت کہ دیوانہ کیست

یہ تمام غزل حالت قبض و فراق کی معلوم ہوتی ہے اور بعض اشعار میں لفظ یارب آنے سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ ان میں غیر رب کے معاملہ کا بیان ہوگا کیونکہ یہ یارب ندا کے لیے نہیں ہے بلکہ محض تعجب وحیرت کے لیے ہے اور بجز شعر پنجم و مقطع کے سب اشعار کا ایک ہی مضمون ہے مختلف عنوانات سے کہ ہم سے جدا ہو کر معلوم نہیں کس کے حال پر توجہ کی ہے اور دوسرے کے حال پر توجہ سے تعرض بطور غبطہ کے ہے جو کہ محمود ہے۔ پس فرماتے ہیں کہ خدا جانے وہ محبوب کہ مشابہ شمع شب افروز کے رونق بخشی میں ہے کس کے کاشانہ قلب میں متجلی ہے ہماری جان کو تو فراق میں سوختہ کر دیا۔ تحقیق تو کرو کس کا دوست بنا ہے فی الحال تو میرے خانہ دل ودیں کو ویران کر دیا ہے فراق میں دل کا ویران ہونا تو ظاہر ہے اور دین کی ویرانی یا تو اس طرح ہے کہ فراق میں شکوہ ہوتا ہے اور یہ فی نفسہ مخل دین ہے گو عارض عذر سے مواخذہ نہ ہو اور یا اس لیے کہ قبض میں افسردگی ہوتی ہے اور افسردگی بہت طاعات میں مخل ہوتی ہے۔ معلوم نہیں کس کا ہم آغوش اور ہم خانہ یعنی کس کا مواصل ہے۔ اُس کا بادہ لعل کہ خدا کرے ہم سے بھی اُس کو قرب نصیب ہو معلوم نہیں کس شخص کا راحت روح اور کس کے پیمانہ کا ہم عہد ہو رہا ہے یعنی کس کے پیمانۂ دل سے عہد کیا ہوگا کہ تجھ سے قرب کروں گا۔ اور بادہ اور پیمانہ کی مناسبت کا لطف ظاہر ہے اور اُس شمع سعادت پرتو کی دولت صحبت کی نسبت پوچھو تو کس کے پروانہ دل کے ساتھ واقع ہوتی ہے۔ (پس پروانہ کی یا زائد نہیں کما فہم البعض) اور سعادت پرتو کے معنی یہ ہیں کہ سعادت پرتو وفیض وظل اوست۔ آگے شعر پنجم ہے جو دوسرے مضمون کا ہے یعنی ہر شخص محبوب کی تملق کرتا ہے جس کو مجازاً افسوں کہہ دیا اور یہ بالتعیین معلوم نہ ہوا کہ وہ کس سے خوش ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ طریقہ اُن کی رضا کا کسی کو معلوم نہیں کیونکہ شریعت نے طریق رضا کا خود بتلا دیا ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ یہ پورا یقین نہیں ہوتا کہ ہم اُس طریق پر مستقیم ہیں یا نہیں کیونکہ بہت سے دقائق جو عوائق رضا ہیں خیال میں بھی نہیں آتے۔ اس سے غرض یہ تعلیم ہوگی کہ مجاہدہ وریاضت کر کے مغرور نہ ہو بلکہ لرزاں وترساں رہے۔ آگے پھر عود ہے مضمون سابق کی طرف کہ وہ محبوب کامل الجلال والجمال معلوم نہیں کس کی منزل دل میں دریکتا و گوہر یک دانہ کی طرح تجلی فرما ونور افزا ہے اور معلوم نہیں کہ وہ تجلی جو ابرات سکر میں مثل مے لعل کے تھی اور جس کو میں بخوبی مشاہدہ بھی

نہ کر چکا تھا اور سست و خراب ہوگیا خدا جانے کس کی ہمنشین اور کس کی ہم کاسہ اور ہم پیمانہ یعنی کس کی مواصل ہے۔ آگے مقطع ہے یعنی میں نے بزبان حال یا بلسان قال عرض کیا کہ بدوں آپ کے حافظ کے دل دیوانہ کی حالت قابل افسوس ہے تبسم زیر لبی کر کے فرمایا کہ تو جو دل کو دیوانہ کہتا ہے تو وہ کس کا دیوانہ ہے۔ ضحک اور سوال منافی نہیں ہے اس معاملہ کے صدور عن المحبوب کے کیونکہ ضحک علی مایلیق بہ احادیث سے ثابت ہے اور سوال کچھ استفادہ میں منحصر نہیں کہ محال لازم آوے بلکہ ممکن ہے کہ تہییج شوق کے لیے ہو اور دوسرے اغراض کے لیے سوال ہونا بھی احادیث سے ثابت ہے جیسا حدیث فضل ذکر میں آیا ہے کہ ملائکہ سے سوال فرماتے ہیں کہ میرے بندے کیا کر رہے ہیں الی آخر الحدیث۔ اور مقصود تمام غزل سے اظہار حزن ہے قبض پر جس سے عجز و تضرع معلوم ہوتا ہے جو کہ لازمہ عبدیت ہے اور تعلیم بھی ہے کہ قبض میں خوب تضرع و زاری و عجز و نیاز سے کام لے کر خواہ کوئی سبب ہو مگر زاری ہر حال میں نافع ہے۔

غزل

بنال بلبل اگر با منت سر یاریست — کہ ما دو عاشق زاریم و کار ما زاریست

ترجمہ لفظیہ تو ظاہر ہے اور مقصود اس سے اس امر کا بیان کرنا ہے کہ اصل کام عاشق و طالب کا افتقار اور زاری ہے کما قال الرومیؒ دوست دارد دوست ایں آشفتگی ؛ حتی کہ اگر کوئی اس سے اختلاط کرنا چاہے تو دیکھ لے اگر وہ بھی اسی مذاق کا ہو تو اس سے ارتباط کرے کہ اس سے تقویت حال کی ہوتی ہے ورنہ علیحدہ رہے کہ صحبت ناجنس سے ضرر ہوتا ہے۔

در آں چمن کہ نسیمی دروزہ طرۂ دوست — چہ جائے دم زدن نافہ ہای تاتاریست

ترجمہ لفظیہ ظاہر ہے اور مقصود معنوی یہ ہے کہ تذکرۂ محبوب کے سامنے تمام مفرحات گرد ہیں اس میں تعلیم ہے کہ محب کو دوسری طرف متوجہ نہ ہونا چاہیے۔

بیار بادہ کہ رنگین کنیم جامۂ دلق — کہ مست جام غروریم و نام ہشیاریست

مخاطب کو مشورہ دیتے ہیں کہ شراب محبت الٰہی سے اپنی ہستی کو متصف کرنا چاہیے کیونکہ

ہماری حالت موجودہ واجب الاصلاح ہے اس لیے کہ ہم غرور وغفلت میں مدہوش ہو رہے ہیں اور اُس کا نام ہشیاری وزیرکی رکھا ہے تو اصلاح ضرور ہوئی اور اصلاح کا یہی محبت آلٰہیہ طریقہ ہے۔ اور بعض نسخوں میں جامۂ زرق بمعنی جامہ مکر ہے مراد اس سے وہی ہستی پر غرور ہے۔ ۵

نہ بستہ اند در توبہ حالیا برخیز　　کہ توبہ وقت گل از عاشقی زبیکاری ست

اس میں ترغیب عشق کے ساتھ مخاطب کو ایک شبہ کا کہ عشق سے متعلق ہے جواب دیتے ہیں وہ شبہ غلبۂ ظاہر پرستی سے پیدا ہوتا تھا کہ یہ حالت چونکہ سلف سے منقول نہیں اس لیے بدعت ومعصیت ہوگی۔ جواب علی سبیل التنزل دیتے ہیں کہ اگر یہ فرض بھی کر لیا جاوے تو پھر توبہ کر لیجیو عاشقی سے کیوں توبہ واعراض کرتے ہو کہ ابھی وقت ہے اس کی تحصیل کا کہ صحت وفراغ وقرب مرشد میسر ہے۔ خلاصہ یہ کہ آزمائش ہی کے طور پر اس طریق کو اختیار کر لو کما قال الرومی رح ۔ آزمون رایک زمانی خاک باش ٭ اور تحقیقی جواب میں چونکہ مشاغبہ ہو سکتا تھا اُس کو شاید اس لیے اختیار نہ کیا ہو۔ وہ یہ کہ اس عشق کے متعلق دو امر ہیں مبادی اور آثار مبادی مثل مجاہدات خاصہ واشغال خاصہ فی نفسہ امور مباحہ ہیں اور ذرائع مقصودہ ہونے کی وجہ سے عبادت بالغیر ہیں اور آثار شورش وغیرہ امور وجدانی ہیں جو نہ طاعت ہے نہ معصیت اور خود محبت مامور بہ اور طاعت مقصودہ ہے پس کوئی امر بھی بدعت ومعصیت نہ ہوا۔ ۵

سحر کرشمۂ وصلش بخواب میدیدم　　زہی مراتب خوابی کہ بہ ز بیداری ست

خواب سے مراد منام نہیں ہے بلکہ مقابل یقظہ کے ہے یعنی حالت بین النوم والیقظہ جو احیانا اہل سلوک کو پیش آتی ہے۔ یعنی اُس میں کچھ مشاہدات میسر ہوئے اور ایسا خواب بہت اچھا جو بیداری سے بھی بہتر ہو۔ تنبیہ: یہ حالت مذکورہ از قبیل استغراق ہے اور استغراق میں ترقی ہوتی نہیں اور بیداری میں ترقی ہوتی ہے پھر بیداری سے وہ حالت کیسے افضل ہو سکتی ہے تو اُس کی دو توجیہ ہیں ایک یہ کہ مطلق بیداری مراد نہ ہو بلکہ خاص وہ بیداری جس میں مشغول بہ ترقی نہ ہو پس عدم ترقی میں دونوں برابر پھر مشاہدہ میں وہ حالت فائق

پس وہی افضل ہوئی دوسرے یہ کہ ابتداء میں بعض اوقات بعض ذرائع زیادہ انفع ہوتے ہیں بعض مقاصد سے اُس کی حقیقت یہ ہے کہ مقاصد میں شرائط کمال نہیں ہوتے مثلاً تلاوت بے خشوع اور ایسی حالت مذکورہ سے خشوع پیدا ہوگیا پھر وہ مکمل مقصود کا بھی ہوگیا تو اس اعتبار خاص سے ذریعہ افضل ہوگیا بعض مقاصد سے اور بعض اس لیے کہا کہ مقاصد میں جو فرائض وغیرہ ہیں وہ ہر حالت میں ذرائع سے افضل ہیں۔ اور یہاں سے سمجھ میں آگیا ہوگا کہ بعض مشائخ اذکار و اشغال میں مشغول کر کے تلاوت و نوافل کی تقلیل کرا دیتے ہیں سو حقیقت میں اُن کو ترک کرانا مقاصد کا یا ترجیح دینا ذرائع کو مقصود نہیں بلکہ اُن کا مقصود یہی ہوتا ہے کہ طالب اُن مقاصد کا اہل کامل بن جاوے۔ ؎

خیال زلف تو پختن نہ کار خامان ست　　　　که زیر سلسله رفتن طریق عیاری ست

مقصود بیان کرنا صعوبت عشق کا ہے کہ زلف مشابہ زنجیر کے ہے اور زنجیر کے تحت میں چلنا بڑی ہوشیاری کا کام ہے پس زلف محبوب کا طالب ہونا ہر خام کا کام نہیں اور یہ صعوبت باعتبار آثار عشق کے ہے کہ واردات شاقہ پیش آتے ہیں مثلاً قبض و ہیبت و حیرت و بعض مکاشفات جن میں احتمال اعتقاد امور غیر مشروعہ کا ہوتا ہے جو کہ ہلاکت حقیقیہ کا بھی سبب ہے جیسا دوسری جگہ خود فرمایا ہے ؎

در راه عشق وسوسهٔ اهرمن بسی ست　　　　هشدار و گوش را به پیام سروش دار

پس بڑی ہی احتیاط اور حزم درکار ہے ؎

لطیفه الیست نهانی که عشق ازو خیزد　　　　که نام آں نه لب لعل و خط زنگاری ست

جمال شخص نه چشم ست و زلف و عارض و خال　　　　هزار نکته دریں کار و بار دلداری ست

مطلب یہ کہ جو جمال مدار ہے عشق کا وہ ایک کیفیت خاصہ ہے محبوب میں جو وجداناً مدرک ہوتی ہے یہ خط و خال وغیرہ مدار اُس کا نہیں ہے اسی کو دوسری جگہ فرمایا ہے ؎

شاهد آن نیست که موئے و میانے دارد　　　　بندهٔ طلعت آں باش که آنے دارد

اور اس میں ایک تحقیق عظیم کی طرف بھی اشارہ ہوگیا وہ یہ کہ بعض اہل ظواہر نے محبت الٰہیہ بمعنی میلان قلب و رجحان طبع کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس محبت کا سبب صرف حسن

صورت ہونا ہے اور حق تعالےٰ اس سے منزہ ہے اُس کا جواب اس طرح ہو گیا کہ ہم اس سبب کا انحصار حسن صورت میں تسلیم نہیں کرتے بلکہ سبب اصلی ایک جمال و کمال خاص ہے جو علی وجہ الکمال حضرت حق میں موجود ہے بسط اس بحث کا احیاء العلوم کی کتاب المحبۃ میں ہے جو دیکھنے کے قابل ہے۔

بآستاں تو مشکل تواں رسید آری — عروج برفلک سروری بدشواری ست

ترجمہ لفظیہ ظاہر ہے۔ مقصود عظمت بیان کرنا ہے وصول الی المقصود کی تاکہ نعمت عظمیٰ سمجھ کر اُس کے لیے خوب سعی کی جاوے اور اُس کی علامات ظاہر ہونے کے وقت شکر ادا کیا جاوے۔

روندگان طریقت بہ نیم جو نخرند — قبای اطلس آنکس کہ از ہنر عاری ست

قبائے اطلس سے مراد عبادات ریائیہ اور ہنر سے مراد اخلاص۔ مقصود ظاہر ہے کہ اہل حقیقت کی نظر میں عبادت بے اخلاص کی کچھ وقعت نہیں۔ اس میں تاکید ہے تحصیل اخلاص کی۔

دلش بنالہ میازار و ختم کن حافظ — کہ رستگاری جاوید در کم آزاری ست

آزردن مرادو ناخوش کردن۔ و کم آزاری مراد عدم ازاری۔ مقصود ارشاد ہے کہ عشق میں جو حالات ناگوار پیش آویں اُس سے شکوہ کرنا خلاف مرضی حق ہے جو مخل رستگاری و نجات ہے بلکہ اصطبار ضروری ہے کما قال السعدی رح

خوشا وقت شوریدگان غمش — اگر ریش بینند وگر مرہمش
دمادم شراب الم در کشند — وگر تلخ بینند دم در کشند

البتہ مغلوب الحال اس سے مستثنیٰ اور معذور ہے۔

غزل

اگرچہ عرض ہنر پیش یار بی ادبی ست — زبان خموش ولیکن دہاں پر از عربی ست

عربی مراد سخنان فصیح کہ از صدق حال برخیزد - اس میں ایک حالت خاص کا بیان ہے کہ جوش عشق میں اپنی جان نثاری و خدمت گزاری و وفاداری کے اظہار کا بعض اوقات جوش ہوتا ہے اُس کے بارہ میں کہتے ہیں کہ اگرچہ اپنی خوبی و ہنر کا محبوب کے سامنے پیش کرنا بے ادبی ہے اور اسی لیے زبان خاموش بھی ہے لیکن جوش اس قدر ہے کہ ایسے کلمات منہ تک آجاتے ہیں گو ضبط کیا جاتا ہے اس میں اشارہ اس طرف ہوگیا کہ جوش میں بھی دعویٰ کی کوئی بات نہ ہونا چاہیے کہ خلاف ادب ہے اور طرق العشق کلہا آداب -

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمۂ و ناز — بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

مقصود یہ کہ عجب قحط بصیرت ہے کہ کاملین کے کمالات سے آنکھیں بند کر لی ہیں اور شیخان مزور کو کامل سمجھ رکھا ہے اس میں اشارہ ہے کہ تجویز مرشد میں بصیرت و تحقیق سے کام لینا چاہیے کما قال الرومی رح ؎ پس بہر دستی نباید داد دست

سبب مپرس کہ چرخ از چہ سفلہ پرور شد — کہ کام بخشی اورا بہانہ بے سببی ست

یہ بطور سبب مضمون سابق کے ہے - اور چرخ سے مراد عوام اہل عالم ہیں - مطلب یہ کہ عوام کی توجہ کا سبب کیا پوچھتے ہو اُن کے رتبہ بخشی کے لیے کسی سبب معتد بہ کی تھوڑا ہی ضرورت ہے محض خیال کے پابند ہوتے ہیں جو جی میں آیا کر گزرے تحقیق کی عادت ہی نہیں - پس اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ عوام کے ہجوم سے کسی کے کمال پر استدلال نہ کیا جاوے -

ازیں چمن گل بیخار کس نچیدے آرے — چراغ مصطفوی با شرار بولہبی ست

مقصود یہ ہے کہ کوئی راحت بدوں محنت اور کوئی نفع بدوں تحمل ضرر میسر نہیں حتیٰ کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود اس محبوبیت کے ابولہب کی ایذائیں سہنا پڑیں - پس طریق طلب میں امور شاقہ و صعبہ ظاہرہ یا باطنہ جو خلاف مزاج پیش آویں اُن کا تحمل چاہیے تاکہ دولت مطلوبہ حاصل ہو ؎

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم — زخاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

مقصود یہ ہے کہ ظاہری اسباب کو نہ موثر سمجھے نہ مانع بالکل دارو مدار فضل اور مشیت پر ہے اس میں تعلیم ہے کہ نہ اپنے کمالات پر ناز کرے نہ دوسرے کے نقائص پر اُس کی تحقیر کرے۔ ع تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد ۔

جمال دختر رز نور چشم ماست مگر — کہ در نقاب زجاجی و پردۂ عنبی ست

دختر رز بنت العنب شراب۔ واو چوں از عنب حاصل می شود و در زجاج می ماند بطور حسن التعلیل محبوبیت اور امعلل بدیں علت ساختہ کہ شاید او در نقاب زجاجیہ است کہ از رطوبات سہ گانہ چشم ست کہ مجموعہ آں جلدیہ و زجاجیہ و بیضیہ است و شاید در حجاب عنبی ست کہ از طبقات ہفت گانہ چشم ست کہ مجموعہ آں صلبی و مشیمی و شبکی و عنبی و عنکبوتی و قرنی و ملتحمی ست ازیں رو نور چشم ما باشد۔ و بلسان اشارت مقصود بیان کردن ست عزیز بودن نسبت عشقیہ را کہ در مستی مشابہ شراب ست و چوں حسن التعلیل محض مضمون شاعرانہ می باشد ضرور نیست کہ در واقع چیزے مصداق آں شود بجز تحسین کلام و تشبیہ پس حاصل معنی آں باشد کہ عشق چناں عزیز ست کہ گویا نور چشم ماست کہ در رطوبت خاصہ و طبقہ خاصہ می ماند ۔

دوائے درد خود اکنوں ازاں مفرح جوی — کہ در صراحی چینی و شیشۂ حلبی ست

چوں صراحی چینی و شیشۂ حلبی از انفس ظروف شراب ست کہ در و انفس شراب می ماند پس کنایہ شد از اکمل افراد خمر۔ مراد اس سے بھی وہی عشق ہے جو کامل درجہ کا ہو اور درد سے مراد امراض قلب کما قال الرومی رح ۔

اے دوائے نخوت و ناموس ما — اے تو افلاطون و جالینوس ما

یا درد سے مراد ضلال طلب اور مفرح سے مراد نسبت و تعلیم اور صراحی چینی و حلبی سے مراد کامل یعنی اگر اپنے درد طلب کی دوا کہ عبارت ہے وصول سے چاہتے ہو تو کسی کامل سے فیوض باطنی حاصل کر لو اور اُس کی تلقین کا اتباع کرو ۔

بہ نیم جو نہ خرم طاق خانقاہ و رباط — مرا کہ مصطبہ ایوان و پای خم طنبی ست

مصطبہ میخانہ و طنب خیمہ مشبک دگو یم کہ شاید شامیانہ مراد باشد کہ رفیع ہم ست و درمیان

سقفش وقناتش شباک ہم ست واللہ اعلم وشاید آنرا طبنی ہم گفتہ باشند منسوب الی الطناب بمعنی رسن ، وبنای رفیع کذا فی الغیاث والحاشیۃ والشرح چوں درخانقاہ ورباط اکثر رسوم لایعنی وصورت طاعت بے معنی ماندہ بود لہٰذا کنایہ از عبادت ریائی گشت چناں کہ در مصرع مشہورہ ع چو بصومعہ رسیدم ہمہ یافتم ریائی + ومراد از میخانہ وخم مے طاعت مقرون بالمحبۃ والاخلاص ست - ترجمہ تو یہ ہے کہ خانقاہ ورباط کی محراب میں ایک جو کو بھی نہ خریدوں جب کہ مے خانہ میرا ایوان ہے اور خم شراب کا پانو میری بناء رفیع ہے - مطلب یہ کہ خدا تعالےٰ نے مجھ کو ایوان عشق وسامان عشق عطا فرمایا ہے میری نظر میں عبادت ریائی ایہیچ ہے - مقصود اظہار نفرت ہے ریاء سے ؎

ہزار عقل وادب داشتم من ای خواجہ — کنوں کہ مست وخرابم صلای بے ادبی ست

عقل سے مراد عقل معاش اور ادب سے مراد ادب عرفی ہے یعنی وضعداری وتکلف - مطلب یہ کہ حصول عشق سے پہلے میں بھی عقل معاش اور ادب عرف کا مقید تھا جس کا منشاء حب مال اور جاہ ہے اب تو اس کے ضد کے ساتھ متصف ہو گیا کما قال الرومی رح ؎

ہر کرا جامہ ز عشقی چاک شد — او ز حرص وعیب کلی پاک شد

مقصود بیان کرنا ہے فضل عشق کا ترغیب کے لیے ؎

بیار می کہ چو حافظ مدام استظہار — بگریہ سحری ونیاز نیم شبی ست

استظہار پشتی وقوت - مطلب یہ کہ اے مخاطب شراب محبت حاصل کرو جس کے لوازم میں سے گریہ ونیاز ہے کیونکہ کامیابی میں امداد اسی گریہ ونیاز سے ملتی ہے جس طرح حافظ کو اسی سے امداد ملی - اور بعض نسخوں میں بجائے استظہار کے استغفار ہے یعنی تم جو ظاہری استغفار پر مغرور ہوئے ہو اور عشق ومحبت سے مستغنی ہو تو اصل استغفار تو یہی گریہ ونیاز ہے جو موقوف ہے عشق ومحبت پر جس طرح حافظ بھی اسی استغفار میں مشغول ہے پس اس کو حاصل کرو - اور اگر بیار کا مخاطب ساقی ومرشد ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ فیض عشقی عطا فرمائیے کہ حافظ کو جس طرح استظہار یا استغفار اس سے نصیب ہوا مجھ کو بھی ہو پس حافظ کو ایک دوسرا شخص بطور تجرید کے فرض کر لیا گیا -

غزل

عیب رنداں مکن اے زاہد پاکیزہ سرشت
که گناہ دگرے بر تو نخواہند نوشت

من اگر نیکم اگر بد تو برو خود را باش
ہر کسی آں درود عاقبتِ کار کہ کشت

ہمہ کس طالب یار اند چہ ہشیار و چہ مست
ہمہ جا خانۂ عشق ست چہ مسجد چہ کنشت

سر تسلیم من و خاک در میکدہ ہا
مدعی گر نکند فہم سخن گو سر و خشت

ناامیدم مکن از سابقۂ روز ازل
تو چہ دانی کہ پس پردہ کہ خوب ست و کہ زشت

نہ من از خانۂ تقویٰ بدر افتادم و بس
پدرم نیز بہشت ابد از دست بہشت

بر عمل تکیہ مکن خواجہ کہ در روز ازل
تو چہ دانی قلم صنع بنامت چہ نوشت

گر نہادت ہمہ ایں ست زہی پاک نہاد
در سرشتت ہمہ ایں ست زہی پاک سرشت

باغ فردوس لطیف ست و لیکن زنہار
تو غنیمت شمر ایں سایۂ بید و لب کشت

حافظا روز اجل گر بکف آری جامی
یکسر از کوی خرابات برندت بہ بہشت

اس تمام تر غزل میں خطاب ہے ایسے شخص کو جو ظاہر پر جمود کیے ہو اور اہل باطن کے حال سے بے خبر ہو اور اہل حال کو ظاہر میں نصیحت کرتا ہو مگر اُس نصیحت میں اعتراض اور طعن اور تحقیر اور اپنے ترفع و تقدس کا اظہار ہو پس اس کا مختلف عنوانوں سے جواب دیتے ہیں فرماتے ہیں کہ اے زاہد پاکیزہ سرشت تم ہم رندوں کا عیب مت کیا کرو (پاکیزہ سرشت باعتبار اُس کے زعم کے یا بطور تمسخر کے کہا) دوسرے شخص کا گناہ تمہارے نامہ اعمال میں تو نہ لکھا جاوے گا (یہ جواب علیٰ سبیل التنزل ہے یعنی ہماری حالت اگر تمہارے نزدیک گناہ ہی ہے تو بھی اتنا پیچھے کیوں پڑتے ہو گناہ ہم کو ہو گا تم کو تو نہ ہو گا۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی شخص یہ سمجھ کر نصیحت نہ کیا کرے یہ تو سنت انبیاء علیہم السلام و نصوص کے خلاف ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ جب ناصح مخاطب کو حق پہنچا چکا تو

فرض ادا ہوگیا اب ہر وقت اُس کے درپے ہونا اُس شخص کا کام ہے جو مامور من اللہ ہو یا مامور من السلطان ہو جیسے انبیاء علیہم السلام یا سلاطین وحکام یا امیر البیت وغیرہ کہ یہ مامون ہوتے ہیں فتن باطنی سے ورنہ اکثر ریاء وتفاخر منشاء ہو جاتا ہے پند وموعظت کا۔ اور قرآن مجید میں آیہ یا ایہا الذین آمنوا علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذا اہتدیتم اور حدیث میں ارشاد لایقص الا امیر او مامور او مختال اسی پر محمول ہے البتہ جو مخلص ہو وہ ملحق بالمامورین ہے وقلیلٌ ماہم اور یہاں کلام باعتبار اکثر اور غالب حالت کے ہے) آگے فرماتے ہیں کہ اگر میں نیک ہوں یا بد ہوں تم جاؤ اپنا کام کرو (یعنی اپنا کام چھوڑ کر میرے پیچھے کیوں پڑ گئے یہ بھی اشارہ ہے ایک مفسدہ کی طرف جو ایسے ناصح کو پیش آتا ہے یعنی بعض احوال میں دوسرے کو نصیحت کرنا محض مستحب ہوتا ہے مگر اس مشغولی میں اپنے فرضی کام ضائع ہو جاتے ہیں تو ایسا مستحب پھر غیر مباح ہو جاتا ہے) ہر شخص انجام کار وہی کاٹے گا جو اُس نے بویا ہوگا (آگے دوسرے عنوان سے فرماتے ہیں کہ) تمام آدمی محبوب کے طالب ہیں اس میں ہشیار ومست سب آگئے اور ہر جگہ عشق ہی کا ظہور ہے اس میں مسجد اور بت خانہ سب آگیا (یعنی جس طرح مطلق طلب کی دو قسمیں ہیں ایک مقبول کی کہ بالذات وبالقصد طلب کرنا جیسے موحدین کی طلب ہے دوسرے بواسطہ کسی مخلوق حقیقی یا خیالی کے اور بلا قصد کے جیسے مشرکین کی طلب ہے کہ مخلوقات کو ذی کمال سمجھ کر اُن کا قصد کرتے ہیں اور وہ کمال خواہ حقیقی ہو یا وہمی مستفاد من الواجب ہے تو حقیقت میں مطلوب وہی ہوا مگر طالب کا قصد اُس سے متعلق نہیں گو وہ زعم تعلق میں مغرور ہو اسی طرح طلب مقبول کی دو قسمیں ہیں ایک طلب ہوشیاری کے ساتھ دوسری طلب مستی کے ساتھ جیسے ہماری طلب ہے پھر جب یہ بھی ایک قسم طلب مقبول کی ہے پھر ہم پر اس طلب میں کیوں اعتراض کیا جاتا ہے۔ مصرعہ ثانیہ میں تقسیم اوّل کی طرف اور مصرعہ اولیٰ میں تقسیم ثانی کی طرف اشارہ ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ) میرا سر تسلیم ونیاز تو خاک در میکدہ سے جدا نہ ہوگا (یعنی حالت عشقیہ کو ایسے اعتراضوں سے نہ چھوڑوں گا) اگر مدعی (یعنی معترض کہ مابہ الاعتراض کا مدعی ہوتا ہے یا اپنی بر وتقویٰ کا مدعی ہوتا ہے) بات کو نہ سمجھے (یعنی مختلف عنوانوں سے سمجھانے پر بھی نہ سمجھے) تو اُس سے کہہ دو کہ اینٹ سے سر پھوڑ لے (یہ کنایہ ہے عدم حصول مقصود سے آگے فرماتے ہیں کہ) تم مجھ کو روز ازل میں جو قرار پاچکا ہے اُس سے ناامید مت کرو (یعنی ایسے حکم مت لگا دو کہ

یہ کافر ہے دوزخی ہے) تم کو کیا معلوم کہ پس پردہ کون اچھا ہے اور کون برا ہے (کما قال تعالےٰ فلا تزکوا انفسکم ہو اعلم بمن اتقی مطلب یہ کہ اگر میری حالت بری ہی ہو تو شاید اچھی ہو جاوے اور اگر تمہاری حالت اچھی ہی ہو تو شاید بری ہو جاوے تو تفاخر اور تحقیر نہایت قبیح ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ) کچھ میں ہی خانہ تقویٰ سے باہر نہیں نکلا میرے باپ آدم علیہ السلام نے بھی جنت الخلد کو ہاتھ سے دے دیا تھا (بہشت ابد کے یہ معنی ہیں اور یہ مطلب نہیں کہ ابد کے لیے الخ حاصل یہ کہ مجھ سے اگر کوئی لغزش و خطا ہو گئی تو آخر آدمی ہوں خود آدم علیہ السلام سے ہو گئی تھی تو اس قدر اور اس طرح سے طعن و تشنیع مناسب نہیں قال علیہ السلام نسی آدم فنسیت ذریتہ وجحد آدم فجحدت ذریتہ۔ آگے فرماتے ہیں کہ تم جو ایسی بڑھ بڑھ کر باتیں بناتے ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم کو اپنے عمل پر تکیہ ہے تو) میاں عمل پر کبھی تکیہ مت کرنا کیونکہ یوم المقادیر میں معلوم نہیں تم کو سعید لکھا ہے یا شقی اور اگر آپ کی یہی ذات ہے تو آپ عجب ذات شریف ہیں اور اگر آپ کی یہی طینت ہے تو بہت ہی نیک طینت ہے (مطلب یہ کہ اگر اس تنبیہ پر بھی تم باز نہیں آتے اور یہی طرز تمہاری طبیعت ہو گئی ہے تو سلام ہے ایسی طبیعت کو وہذا کما قال فی الشعر الاول پاکیزہ سرشت تہکما وہذا ما ادی الیہ ذوقی۔ آگے فرماتے ہیں کہ تم جو محض اعمال ظاہری کی ترغیب جنت کے لیے دے رہے ہو اس میں شک نہیں کہ) باغ جنت لطیف ہے لیکن یاد رکھو کہ سایہ بید اور لب کشت یعنی نسبت عشقیہ کہ مثل سایہ بید و لب کشت کے فرحت بخش ہے نیز قابل غنیمت سمجھنے کے ہے (یعنی اس کو بھی حاصل کرو کہ جنت کی کامل نعمتیں اسی پر موقوف ہیں قال تعالےٰ والسابقون السابقون اولٰئک المقربون بعد قولہ تعالےٰ اصحاب المیمنۃ ما اصحاب المیمنۃ خواہ یہ عشق سلف کے لون سے ہو یا خلف کے لون سے مگر یہ متیقن ہے کہ زہد خشک کو کسی نے سلف میں سے بھی کافی نہیں سمجھا۔ آگے اپنے کو وہی اوپر والی نصیحت کرتے ہیں کہ تم بھی اپنی نسبت عشقیہ پر مغرور مت ہونا اس کا اعتبار بھی خاتمہ پر ہے) اے حافظ اگر خاتمہ کے روز یہ جام محبت حاصل رہا تو اس خرابات دنیا سے سیدھے جنت میں پہنچو گے (ورنہ خاک بھی نہیں فقط)

غزل

جز آستان توام درجہان پناہی نیست
سرمرا بجز ایں درحوالہ گاہے نیست

خطاب ہے محبوب حقیقی کو کہ بجز آپ کے آستانہ کے میری کہیں پناہ نہیں یہی حاصل ہے مصرعہ ثانیہ کا۔ اس میں تعلیم ہے توکل وتفویض واعتماد علی الحق کی ۔

عدو چو تیغ کشد من سپر بیندازم　　　　که تیر ما بجز از نالهٔ و آہے نیست

نالہ باشباع می باید خواند ورنہ سکتہ لازم می آید۔ وسپر انداختن کنایہ از عجز وترک جنگ۔ مطلب یہ کہ میں انتقام نہیں لیتا ہمارا اختیار صرف آہ و نالہ ہے۔ اس میں تعلیم ہے سالک کو صبر ورضا وتسلیم کی اور تسلیہ وعدہ نصر سے ۔

چرا ز کوی خرابات روی بر تابم　　　　کزیں بہم بہ جہاں ہیچ رسم وراہی نیست

بہم مرکب از لفظ بہ بمعنی بہتر و میم متکلم بمعنی مرا۔ مطلب یہ کہ طریق عشق سے بہتر کوئی طریق نہیں اس کو کبھی ترک نہ کروں گا اس میں تعلیم ہے استقامت و ثبات علی مشاق السلوک کی خواہ ظاہری ہوں یا باطنی ۔

زمانہ گر بزند آتشم بخرمن عمر　　　　بگو بسوز کہ بر من ببرگ کاہی نیست

یعنی اگر زمانہ مجھ کو ہلاک بھی کر دے کچھ پروا نہیں کیونکہ عمر وحیات کی قدر میرے نزدیک ایک برکاہ کے برابر بھی نہیں اس میں تعلیم ہے عدم توحش عن الموت کی کہ یہی توحش سبب ہے حرص وطول امل وغیرہ کا ۔

غلام نرگس جماش آں سہی سروم　　　　کہ از شراب غرورش بکس نگاہی نیست

جماش مست و دلیر و شوخ و مراد از نگاہ احتیاج کما فی قولہ تعالیٰ لا ینظر الیہم ارید بالنظر نظر الرحمۃ لا مطلق النظر۔ وشراب غرور عبارت از استغناء۔ مقصود بیان کرنا صفت غنا محبوب کا ہے اور علاوہ تحقیق مسئلہ صفات کے اس طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ سالک اُس کی غنا پر نظر رکھے اور اپنی عبادت وریاضت پر ناز نہ کرے جو کچھ کوئی کرتا ہے اپنے لیے کرتا ہے قال تعالیٰ من جاھد فانما یجاھد لنفسہ ان اللہ لغنی عن العالمین ۔

مباش در پئے آزار و ہر چہ خواہی کن　　　　کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہی نیست

یعنی برابر این گنا ہے نیست مبالغتہً بایں عنوان تعبیر نمودہ۔ مقصود بالخصوص امر فرمانا ہے اہتمام تقویٰ و ورع کا حقوق العباد سے کہ سالک کے لیے سب سے بڑھ کر مضر ہے کہ تدارک اُس کا خارج از اختیار ہے۔ نیز سلوک میں قلب میں خشوع پیدا کرنا خصوصیت کے ساتھ مطمح نظر ہے کہ وہ منبع ہے جمیع اخلاق حسنہ کا اور ازار دینا ناشی ہے قساوت قلب سے جو منافی خشوع ہے اس لیے بھی خلاف موضوع ہونے میں اشد ہے ۔

عنان کشیدہ رَو ای بادشاہ کشور حسن　　　　که نیست بر سر راہے کہ داد خواہی نیست

سہل یہ ہے کہ خطاب مرشد کو ہو کہ ذرا تفصیلی نظر سے طالبین کی طرف جزئیاً جزئیاً توجہ کیجیے (کیونکہ عنان کشیدہ چلنا سبب اسی تفصیلی نظر کا ہوتا ہے) سر راہ میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو داد خواہ نہ ہو (یعنی سب محتاج تربیت ہیں۔ اس میں ارشاد ہو گا کہ مشائخ کو کہ طالبین سے استغناء نہ کریں) اور بعض نے محبوب حقیقی کو مخاطب ٹھہرا کر یہ تقریر کی ہے کہ تجلی کے بعد جو استتار ہو جاتا ہے کچھ تو تجلی کو توقف و امہال ہونے دیجیے کہ بہت سے مشتاق روبراہ ہیں ۔

عقاب جور کشادہ است بال در ہمہ شہر　　　　کمان گوشہ نشینے و تیر آہے نیست

مدلول لفظی ظاہر ہے۔ شاید مقصود اس سے متنبہ کرنا ہو اہل ظلم کو کہ اب تک جو باوجود اس ظلم و ستم کے بچے ہو اس پر ناز مت کرنا کسی اہل دل نے اب تک اس طرف توجہ نہیں کی ورنہ قلع قمع ہو جاتا اور اُن کی توجہ کا کوئی ضابطہ اور وقت معین نہیں پھر کس چیز کے دھوکے میں ہو اس میں تحذیر ہو گی ظلم سے خصوص اہل دل پر جیسا اکثر منکرین معاندین کا شیوہ ہے اور یا مقصود اس سے درخواست ہے اہل دل سے کہ اپنے معاملہ میں خواہ صبر کرو مگر عامہ خلائق پر جو شخص ظلم کرے اُس وقت اپنے تیر و کمان بددعا سے کام لینا چاہیے اور یہ قید دوسرے دلائل سے معلوم ہے کہ جب بذریعہ نصیحت یا دعا اصلاح ہونے سے یاس ہو جاوے ۔

چنیں کہ در ہمہ سو دام راہ می بینم　　　　بہ از حمایت زلف تو ام پناہے نیست

مدلول لفظی ظاہر ہے مقصود یہ ہے کہ جب شیاطین انس یعنی شیوخ مزورین و شیاطین جن یعنی موسوسین و مغوین کا ہجوم ہو تو اللہ تعالیٰ ہی سے پناہ طلب کرے کہ وہ ان اعدا سے محفوظ رکھے اور شریعت کو ایسے وقت معیار بنانا اور دعا بھی کرنا یہی اعتصام بحبل اللہ ہے انشاء اللہ تعالیٰ ہر خطرہ سے مامون و مصون رہے گا۔ ؎

خزینۂ دل حافظ بہ زلف و خال مده　　　　که کارهای چنین حدّ هر سیاهی نیست

سیاہ غلام حبشی۔ دعا کرتے ہیں کہ میرا دل کہ کنز معرفت ہے بالقوہ یا بالفعل محبوبان مجازی کے زلف و خال میں مبتلا نہ ہونے دیجیے کیونکہ ایسے امور عظیم الشان کہ مالک ہونا ہے ایسے کنز کا ایسے غلاموں کی حیثیت کے لائق نہیں۔ زلف و خال کو سیاہ سے تعبیر کرنے کا لطف ظاہر ہے باعتبار لون کے بھی اور باعتبار بے قدری کے بھی۔ اس میں تعلیم ہے کہ عشق مجازی سے قصداً بچنا چاہیے اور جو بلا قصد ہو جاوے اُس سے حقیقت کی طرف متوجہ ہونے کا قصد کرنا چاہیے بہ طریقۂ الذی قد عرف۔ ؎

غزل

حال دل با تو گفتنم هوس ست　　　　خبر دل شفتنم هوس ست

مدلول لفظی یہ ہے کہ اپنا حال تجھ سے کہنے کی ہوس ہے اور اُس کی ہوس ہے کہ اپنا حال دل کہہ کر تجھ سے اپنے دل کے بارہ میں کوئی خبر اُس کے علاج بالوصل وغیرہ کی سنوں کہ امید بند ہے۔ اور مقصود یہ ہے کہ اسے مرشد یوں جی چاہتا ہے کہ اپنے امراض قلب یا واردات بیان کر کے آپ سے اُس کے متعلق اصلاح یا تفسیر و تعبیر یا طریق ترقی سنوں ؎

طمع خام بیں کہ قصۂ فاش　　　　از رقیبان نهفتنم هوس ست

مطلب لفظی ظاہر ہے کہ باوجود اس قصۂ عشق کے فاش ہونے کے پھر اُس کے پوشیدہ رکھنے کی ہوس کرنا طمع خام ہے اور مقصود معنوی اشارہ اس طرف ہے کہ جو حالت بلا اختیار ظاہر و فاش ہو جاوے اُس کے اخفاء کی کوشش کرنے کی ضرورت نہیں اور محققین کا یہی مسلک ہے کہ کسی حال کے نہ اظہار کا قصد کیا جاوے نہ اخفا کہ دونوں

ہیں التفات الی الغیر ہے اور اصل مقصود توجہ بحت الی اللہ ہے۔

شب قدری چنیں عزیز و شریف | با تو تا روز خفتنم ہوس ست

شب قدر مراد عمر کہ قابل قدر ست و چوں دنیا محل تاریکی و خفاء حقائق ست تشبیہ بہ شب دادن مناسب شد و روز مراد روز مرگ کہ وقت انتباہ و انکشاف حقائق ست کما قال علیؓ الناس نیام اذا ماتوا انتبھوا۔ مطلب یہ کہ یوں جی چاہتا ہے تمام عمر دم مرگ تک آپ کے ساتھ معیت بالقلب میسر رہے تاکہ اُس کے ثمرہ میں بعد مرگ معیت بلاحجاب میسر ہو۔

دہ کہ در دانہ چنیں نازک | در شب تار سفتنم ہوس ست

ترجمہ لفظی ظاہر ہے کہ شب تاریک میں ایسے گوہر نازک کو سفتہ کرنا ہوس محض ہے۔ اور مقصود معنوی یہ ہے کہ دنیا میں کہ مشابہ شب تاریک کے ہے (بالوجہ الذی ذکر فی شرح الشعر السابق) وصل بلاحجاب کی تمنا کرنا محض ہوس ہے۔ مقصود بیان کرنا اس خیال کے غلط ہونے کا ہے۔ للامتناع الشرعی ولو یؤاخذ بالتمنی الغیر الاختیاری۔

ای صبا امشبم مدد فرما | کہ سحرگہ شگفتنم ہوس ست

یعنی اے فیاض حقیقی یا اے مرشد کہ فیاض مجازی ہے دنیا میں میری مدد فرمائیے تاکہ صبح گاہ قیامت میں مجھ کو شگفتگی و کمال انبساط کہ وصال بلاحجاب ہے نصیب ہو۔ اس میں اشارہ ہے کہ مجاہدات و ریاضات میں استمداد من اللہ ہی مدار اعظم ہے اپنی قوت پر اعتماد نہ کرے۔

از برائے شرف بنوکِ مژہ | خاک راہ تو رفتنم ہوس ست

از برائے و بنوک ہر دو متعلق برفتن۔ اس میں تعلیم ہے تحمل مشاق و تذلل کی تحصیل مقصود میں۔

ہمچو حافظ برغم مدعیان | شعر رندانہ گفتنم ہوس ست

رغم خاک آلودہ شدن مراد بہ عکس مراد مدعیان۔ مطلب یہ کہ مدعیوں اور معترضوں کی پروا نہ کرنا چاہیے۔ اپنے عاشقانہ کام میں لگا رہنا چاہیے ؎

غزل

حسنت باتفاق ملاحت جہان گرفت
آری باتفاق جہان میتوان گرفت

چونکہ ملاحت سے حسن کا کمال سمجھا جاتا ہے اس لیے یہ کنایہ کمال سے ہوا یعنی چونکہ محبوب حقیقی حسن ذاتی و صفاتی کے ساتھ موصوف ہیں اور اس وصف میں کامل بھی ہیں اس لیے تمام عالم مسخر قدرت ہے طوعاً یا کرہاً اور اس تسخیر میں صفات کمال مثل علم و قدرت و حکمت وغیرہا کا دخل ظاہر ہے اور یہ سب حسن میں داخل ہوگیا وہذا کقولہ تعالیٰ ولہ اسلم من فی السموات والارض طوعاً وکرھاً۔ مقصود اس بیان کمال سے تصحیح عقیدہ بھی ہے اور طالب کو ترغیب بھی ہے کہ ایسے کامل سے ضرور محبت کا تعلق ہونا چاہیے ؎

افشائے راز خلوتیاں خواست کرد شمع
شکر خدا کہ سر دلش بر زبان گرفت

خواست کردن یعنی کردن خواست۔ در از خلوتیاں سوز و گداز کہ لازمہ عشق است و شمع عاشق و گرفت گرفتہ شد کنایہ از بند شدن زبان۔ و لطافت شعری دریں آنست کہ سوزش شمع کہ سر دل اوست در زبان او کہ طرف بالای اوست میرسد۔ ترجمہ لفظی یہ ہے کہ شمع نے چاہا تھا کہ راز اہل خلوت کا ظاہر کرے مگر اُس کے راز دل نے زبان تک پہنچ کر اُس کو سوختہ کر دیا اور اُس کو اظہار سے بند کر دیا۔ مقصود یہ ہے کہ عشق ایک کیفیت وجدانی ہے کوئی شخص اُس کے بیان کافی پر قدرت نہیں رکھتا جو شخص اس کا ارادہ کرے اُس کی زبان اس سے عاجز ہو جاتی ہے اور تمام امور وجدانیہ کی یہی کیفیت ہے کہ زبان اس کی تعبیر سے عاجز و قاصر ہے پس اگر کوئی مضمون عاشق کا غیر مفہم ہو یا خلاف حق کا موہم ہو اُس پر طعن مت کرو ؎

میخواست گل کہ دم زند از رنگ و بوی تو
از غیرتش صبا نفس اندر دہاں گرفت

شین در غیرتش مضاف الیہ نفس ست۔ مدلول لفظی یہ ہے کہ گل اپنے میں رنگ و بو دیکھ کر

تیرے رنگ و بو کے مساوات کا دعوی کرنا چاہتا تھا۔ مگر صبا نے غایت غیرت سے اُس کا سانس اُس کے منہ ہی کے اندر پکڑ لیا یعنی بولنے نہ دیا چنانچہ گل کا نہ بول سکنا ظاہر ہے۔ اور اس میں نہ بولنے کی ایک ادعائی علت بطور حسن التعلیل کے ہے۔ اور بعض نسخوں میں اس طرح ہے نفش دردہان الخ پس غیرتش کے معنی ہوں گے غیرت خود اور بعض نسخوں میں ہے غیرتت یعنی از غیرت بر تو۔ حاصل سب کا ایک ہی ہے مقصود معنوی یہ ہے کہ سالک پر جب غلبہ توحید کا ہوتا ہے تو اپنے افعال و صفات کو عین افعال و صفات حق تخیل کر کے دعوئ منصوری کرنا چاہتا ہے مگر فیض وحی کہ پیغام رسانی دوست میں مشابہ صبا کے ہے۔ بہ مقتضائے غیرت کہ صفات حق میں سے ہے جس کا مقتضا نہی عن القبیح ہے اُس کی زبان پکڑتا ہے یعنی شریعت بنہی تشریعی اُس کو منع کرتی ہے گو اثر اُس نہی کا واقع نہ ہو۔ کیونکہ امر تشریعی مستلزم تشریح ہے مستلزم تکوین نہیں۔ پس اس میں اشارہ ہے کہ جب تک مرفوع القلم نہ ہو ایسی حالت میں کف لسان واجب ہے گو غلبۂ حال سے ضبط میں کسی قدر تکلف اور تکلیف ہی کیوں نہ ہو۔ ؎

چوں لالہ کج نہادہ کلاہ طرب زکبر ہر داغ دل کہ بادہ چوں ارغوان گرفت

ہر داغ دل الخ مبتدا و کج نہادہ الخ خبر و چوں حرف تشبیہ و کبر ظاہری یعنی استغناء۔ و داغ دل عاشق کہ دلش داغ شدہ باشد و چوں ارغوان یعنی سرخ مشابہ ارغوان کہ نام گلے ست سرخ رنگ۔ مطلب یہ کہ جس عاشق نے بادہ عشق نوش کر لیا وہ تمام ماسوی اللہ سے مستغنی ہو گیا گویا لالہ کی طرح کلاہ طرب کج رکھے ہوئے ہے۔ اس میں ترغیب ہے تحصیل عشق کی۔ اور بعض نسخوں میں ہے ہر دل کہ داغ بادۂ الخ معنی یہ ہوں گے کہ جس دل نے ایسی بادہ کے داغ یعنی طلب کو اختیار کر لیا اور ترکیب وہی ہے۔ ؎

زاں روی عشق ساغر می خرمنم بسوخت کاتش زعکس عارض ساقی دراں گرفت

روح وجہ بہ معنی سبب یعنی ازاں سبب۔ مدلول لفظی تو ظاہر ہے کہ ساغر مئی میں جونکہ عارض ساقی کا عکس پڑتا تھا اس لیے میں اُس ساغر کی طلب میں بے تاب و بے قرار ہو گیا اور بلسان اشارت ساغر مئی سے مراد تجلی افعالی اور عارض ساقی سے مراد تجلی صفاتی

من حیث انہ ناش من التجلی الذاتی کما یدل علیہ اضافۃ العارض الی الساقی الذی ھو الذات۔ پس مطلب یہ ہوا کہ افعال حق وجود ال ہیں صفات حق پر اور ابتدائے سلوک میں یہی مطمع نظر ہوتا ہے قال اللہ تعالیٰ (ویتفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلا۔ الایہ) اس لیے میری خرمن ہستی کے سوختہ کرنے والے اور فاعل حقیقی کے عشق میں بے تاب کرنے والے ہو گئے کہ ان میں صفات کی اور اُن کے واسطے سے ذات کی تجلی تھی۔ اس میں تعلیم ہے ترقی نظر کی سلوک میں اس طرح سے کہ افعال سے صفات کی طرف اور اُن سے ذات کی طرف توجہ کرے۔ اور بعض نسخوں میں ہے آں روز عشق الخ اور روز سے مراد وقت یعنی اُسی وقت سے ایسا ہو گیا تھا۔ ۔

آسودہ بر کنار چو پرگار می شدم دوران چو نقطہ عاقبتم در میان گرفت

ترجمہ یہ ہے کہ میں پرگار کی طرح کہ کنارہ پر چلا کرتا ہے نہایت راحت کی حالت میں چل رہا تھا آخر زمانہ نے مجھ کو نقطہ کی طرح کہ وسط میں ہوتا ہے۔ اندر لے لیا۔ اور شرح اس کی بعض شراح نے یہ کی ہے کہ میں پہلے عشق سے خالی تھا مگر آخر اُس میں مبتلا ہو کر مصیبت میں پھنس گیا مگر احقر کا ذوق اس کو اس لیے قبول نہیں کرتا کہ سوقِ کلام سے ترشح ہوتا ہے کہ پہلی حالت کو ترجیح دے رہے ہیں پچھلی حالت پر اور یہ امر نہایت بعید ہے کہ خلو عن العشق کو عشق پر ترجیح دیں اس لیے احقر کے نزدیک بعض محشیوں کی توجیہ اچھی معلوم ہوتی ہے کہ جب تک دنیا سے بے تعلق تھا بڑی راحت تھی اب تعلقات میں پڑ کر گرفتار بلیات و مصائب ہو گیا۔ پس اس میں تنفیر ہے تعلقات ہوا و ہوس سے کہ مضیع راحت روحانیہ ہے اور بعض اوقات متلف راحت جسمانیہ بھی۔ ۔

خواہم شدن بکوی مغان آستیں فشاں زیں فتنہا کہ دامن آخر زمان گرفت

یعنی اس زمانہ میں کہ آخری زمانہ ہے کہ اُس میں وقوع فتن نصوص میں وارد ہے جو فتنے ظاہری و باطنی برپا ہیں ان سب سے اعراض کر کے عشق و معرفت کی پناہ حاصل کروں گا چنانچہ احادیث میں ذکر و طاعت کو حصن سے تشبیہ دی گئی ہے جس میں احکام شرعیہ و احوال عشقیہ سب داخل ہو گئے کہ ان پر استقامت و استدامت عاصم

عن جمیع المکارہ ہے۔

بر برگ گل زخون شقائق نوشتہ اند — کانکس کہ پختہ شد مئی چوں ارغواں گرفت

شقائق لالہ و مراد از گل گل لالہ یعنی لالہ جو اپنے کمال کو پہنچ کر اپنے خون میں رنگین یعنی سرخ ہو جاتا ہے یہ گویا بزبان حال اس بات کو بتلا رہا ہے کہ جو شخص پختہ یعنی عاقل کامل اور تجربہ کار ہوگا وہ اسی طرح مئی سرخ یعنی طریق عشق کو حاصل کرے گا۔ اس میں بھی فضیلت ہے عشق الٰہی کی کہ کمال عقل کا مقتضا اسی طریق کو اختیار کرنا ہے۔

می دہ کہ ہر کہ آخر کار جہاں بدید — از غم سبک برآمد و رطل گراں گرفت

سبک حال۔ و آخر کارِ جہان زوال و اضمحلال۔ و رطل پیمانہ شراب و رطل گراں پیمانہ بزرگ کذافی الغیاث و مقابلہ اش باسبک لطافت شاعری ست۔ مطلب یہ کہ اے ساقی عنایت ازلی مجھ کو فیض عشقی عطا فرما کیونکہ عشق ایسی محبوب اور مرغوب چیز ہے کہ جس نے اس دنیا کا انجام کار کہ فنا و زوال ہے دیکھ لیا وہ اس کے غم اور فکر سے ہلکا پھلکا نکل کر ساغر عشق ہی کو اختیار کرے گا۔ اور بعض نسخوں میں مئی خور ہے اور یہ زیادہ واضح ہے۔

می دہ بجام جم کہ صباح صبوحیان — چوں بادشہ بہ تیغ زر افشاں جہاں گرفت

صبوح شرابیکہ بامداد نوشند و صبوحی آں کس کہ دریں وقت شراب نوشد و صباح صبوحیان ظرف گرفت و فاعل گرفت ضمیر راجع بجام و بہ تیغ متعلق بہ گرفت و جملہ صباح الخ صفت جام جم ای جامیکہ در صباح تمام جہان را مثل بادشاہ بہ تیغ زر افشاں گرفتہ است یعنی تمام عالم را منور ساختہ است مثل بادشاہیکہ جہان را مسخر کند بہ تیغے کہ شعاعش چوں تاب زر ریزد و مراد بجام جم لطیفۂ قلب کہ اول عشق دراں پُر می شود و ازاں پس در قلب مادی و منور شدن عالم مادی از لطیفہ قلب پر ظاہر ست کہ منزہ از مادہ و واسطہ فیوض آلہیہ و مربی جسم مادی ست مطلب یہ کہ لطیفہ قلب میں کہ مشابہ جام جم ہے اور جس کی ایسی ایسی شان ہے مئی محبت بھر کر عطا کر دیجیے۔ اور بعض نسخوں میں جام زر ہے اور اس کا تناسب تیغ زر افشاں سے زیادہ ظاہر ہے۔

فرصت نگر کہ فتنہ چو در عالم اوفتاد　　　عارف بجام می زد و از غم کراں گرفت

می مفعول زد و معنی بجام می را زد یعنی بجام انداخت یعنی اے طالب تم فرصت اور موقع کے منتظر رہو جب سامان میسر ہو فوراً تحصیل عشق میں سعی شروع کردو کیونکہ عارفوں کا یہی شیوہ رہا ہے کہ جب عالم میں کوئی ظاہری یا باطنی فتنہ دیکھا فوراً قلب میں محبت پیدا کرکے سب جھگڑوں سے یکسو ہوگئے۔ یہاں دو شبہے ہوتے ہیں ایک یہ کہ تحصیل محبت ہر وقت واجب ہے پھر فرصت نگر کے کیا معنی۔ دوسرے یہ کہ اسی بنا پر وقوع فتن کی قید کیوں ہے جواب یہ کہ یہ دونوں قیدیں ایسی ہیں جیسے حدیث بیعت میں ہے ما اطقتن یعنی قید واقعی ہے کیونکہ طاقت ہر وقت ہے اسی طرح فرصت اور وقوع فتن ہر وقت ہے اس طرح کی تعبیر میں تسہیل ہے طبع طالب پر پھر ذرا توجہ سے اُس قید کا وقوع بھی ظاہر ہو جاتا ہے اور مقید کے ایقاع کو ضروری سمجھتا ہے۔

زیں آتش نہفتہ کہ در سینۂ من ست　　　خورشید شعلہ الیست کہ در آسمان گرفت

اس میں معنی ظاہری کے اعتبار سے تو شاعرانہ مبالغہ ہے چنانچہ ظاہر ہے اور معنی باطنی کے اعتبار سے مضمون محققانہ ہے وہ یہ کہ سینہ سے مراد لطیفہ قلب مجازاً اور چونکہ وہ مادی نہیں اس لیے غیر محدود و بمکان ہے اور آتش نہفتہ کہ عبارت ہے محبت سے اُس کی صفت بحلول سریانی سے اور محل کے غیر محدود ہونے سے ایسے حال کا غیر محدود ہونا ظاہر ہے اور آسمان مادی ہے اور اُس کا شعلہ آفتاب بھی مادی اور حرارت اُس کے واسطے سے مادی اور محدود ہے اور غیر محدود معنیً اعظم ہے محدود سے پس لوجہ اعظمیت کے وہ مثل کل و متبوع کے ہوا اور غیر اعظم مثل جزو و تابع کے ہوا اس لیے از کہنا صحیح ہوگیا پس مقصود اس سے بیان کرنا ہے شرف ودائع انسانیہ کا تاکہ سالک اُن سے کام لے۔

حافظ چو آبِ لطف زنظم تو میچکد　　　غیرے چگونہ نکتہ تو اندبر آں گرفت

ظاہراً تو اپنی مدح ہے مگر مقصود یہ ہے کہ ملفوظات اہل حال پر ظاہراً الفاظ دیکھ کر نکتہ چینی نہ چاہیے بلکہ لطافت معانی کو دیکھنا چاہیے تاکہ حرمان و خسران سے بچے۔

غزل

خیال روی تو در ہر طریق ہمرہ ماست　　نسیم موی تو پیوند جان آگہ ماست

نسیم موی یعنی نسیمے کہ بر موی تو گزر کردہ می آید یا مراد خوشبو مجازاً۔ مدلول لفظی ظاہر ہے اور بلسان اشارت یہ تفسیر ہوسکتی ہے تصور شیخ کی یا دوام عشق و معیت محبوب حقیقی کی ہے

ببیں کہ سیب زنخدان او چہ میگوید　　ہزار یوسف مصری فتادہ درچہ ماست

ترجمہ ظاہر ہے مقصود بیان کرنا ہے کہ محبوب حقیقی سب محبوبوں سے اجمل و اکمل ہے تاکہ طالب لبشراشرہٖ اُسی کی طرف متوجہ ہو اور دوسری طرف التفات نہ کرے ہے

برغم مدعیانے کہ منع عشق کنند　　جمال چہرۂ تو حجت موجہ ماست

برغم بمعنی برخلاف۔ یعنی جو لوگ مانع عشق ہیں۔ اُن کے جواب میں محبوب کا چہرۂ لطیف حجت کافیہ ہے کہ خود اگر دیکھ لیں تو عاشق ہو جاویں یا کم ازکم ہم کو تو مورد اعتراض نہ بناویں اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ عشاق پر جو لوگ معترض ہیں سبب اُس کا حقیقت سے بے خبری ہے ہے

اگر بہ زلف دراز تو دست ما نرسد　　گناہ بخت پریشان و دستِ کوتہ ماست

مطلب یہ کہ محبوب تک جس شخص کی رسائی نہ ہو اُس کو چاہیے کہ اپنی استعداد بمعنی قابلیت قریبہ من الفعل کا کہ مکتسب من لبعض الافعال ہے کہ بخت اُس سے تعبیر ہے اور اپنے مرتبہ فعل و اکتساب کا کہ دست کوتہ اُس سے عبارت ہے قصور سمجھے محبوب کی طرف سے کرم و لطف میں کمی نہ سمجھے کہ وہ نہایت وسیع و محیط ہے اور زلف کو دراز کے ساتھ موصوف کرنے میں معنی وسعت و احاطہ کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے جب اپنی قوت و فعل کی کوتاہی ہے تو سعی کرکے اُس کا تدارک کرے اور بخت سے مراد تقدیر مکتوب و استعداد فطری و اضطراری نہیں کہ وہ بلا قصد و دخل عبد کے خود مجعول حق و فعل حق ہے اور وہ خیر محض ہے لتضمنہ حکماً کثیرۃً اُس کو کوتاہی و قصور سے موصوف کرنا محال ہے ہے

بحاجب درخلوت سرای خاص بگو　　فلاں زگوشہ نشینان خاک درگہ ماست

بصورت از نظرما اگرچہ محجوب ست　　ہمیشہ در نظر خاطر مرفہ ماست

اگر بسائلی حافظ درے زند بکشا　　کہ سالہاست کہ مشتاق روی چوں مہ ماست

بسائلی بیائے معروف بہ معنی سوال و در بعض نسخ چو سائلے بیائے مجہول ست و معنی ظاہر ست۔ حاجب سے مراد خاص ملائکہ قاسمین فیوض الٰہیہ جن کو حدیث اسید بن حضیر میں سکینہ فرمایا گیا ہے پس معنی یہ ہوئے کہ ایسے قاسمین فیوض سے فرما دیجیے کہ فلاں شخص یعنی داعی ہماری درگاہ کا خاک نشین ہے اور گو ظاہراً وہ (بوجہ معاصی کے) ہماری نظر خاص سے محجوب (یعنی بعید) ہے (لان البعد من لوازم العادیۃ الحجاب) لیکن (بوجہ خاکساری و انکسار و معذرت تقصیرات کے) ہمارا مورد توجہ ہے تو اگر وہ سائلانہ (و عاجزانہ) دروازہ کھٹکھٹائے (یعنی طالب فیوض ہو) تو دروازہ کھول دینا (یعنی اُس کو فیوض پہنچانا) کہ مدت ہوگئی وہ ہمارا مشتاق (اور طالب) ہے (اور طلب ہی پر فیوض ہیں گو شرائط کمال نہ ہوں۔ پس حاجب سے مراد روکنے والا دربان نہیں بلکہ پہنچانے والا بعض شراح نے اول معنی سمجھ کر مراد ابلیس لیا ہے اور تکلفات بارِدہ کا ارتکاب کیا)

غزل

دریں زمانہ رفیقی کہ خالی از خلل ست　　صراحی مئی ناب و سفینۂ غزل ست

صراحی مئے ناب دل مالامال از عشق۔ و سفینہ غزل کلام و ملفوظات اہل اللہ اور مطلب ظاہر ہے۔ اور تخصیص دریں زمانہ کی اس لیے کہ پہلے تو قابل صحبت کاملین کثرت سے تھے اور اس زمانہ میں اُن کی قلت اور مزورین کی کثرت ہے اور اخوان دنیا بھی مثل پہلے کے نہ ہے کہ اُن سے گزند نہ پہنچتا اب تو اگر دوست ہیں وقت ضائع کرنے والے اور اگر دشمن ہیں تو قلب کے پریشان کرنے والے۔ البتہ اس صراحی اور سفینہ کے قبل مرشد کا تجویز کر لینا شرط ہے۔

جریدہ رو کہ گذرگاہ عافیت تنگ ست　　پیالہ گیر کہ عمر عزیز بے بدل ست

جر بدہ بے تعلق از دنیا - گزر گاہ راہ - پیالہ گرفتن عشق اختیار کردن - یعنی دنیا سے بے تعلقی اور حق تعالےٰ سے تعلق اختیار کرو اول کی علت یہ ہے کہ تعلقات میں عافیت نہیں دوسرے کی علت یہ ہے کہ عمر کا بدل نہیں اس لیے عمر کو مغتنم سمجھو - او زتنگ ست کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ راہ عافیت میں اتنی گنجائش نہیں کہ اُس میں تعلقات دنیا اور عشق الٰہی دونوں کو لے کر نکل سکو اور چل سکو اس لیے اول کو چھوڑ کر ثانی پر اکتفا کرو - اس میں اظہار غلطی ہے ہوسنا کان جمیع بینہما کا - ؎

نہ من ز بے عملی در جہان ملولم و بس   ملالتِ علما ہم ز علم بے عمل ست

اس میں مذمت ہے بدعملی کی - یعنی صرف میں ہی اس بے عملی سے متنفر نہیں ہوں بلکہ علماء بھی ایسے علم سے متنفر ہیں جو مقرون بالعمل نہ ہو - مقصود اس سے تنبیہ ہے مدعیان علم کو جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں کہ اگر اُس کے ساتھ عمل نہ ہو تو بے کار ہے اور اگر عمل ہو تو اُس کے لوازم میں سے انکسار ہے - ؎

بچشم عقل ببین در جہان پر آشوب   جہان و کار جہان بے ثبات و بے محل ست

بے محل بے موقع نیست کہ منافی ست بآیۂ ربنا ما خلقت ہذا باطلا بلکہ بہ معنی آنکہ بہ محل خود ثبات ندارد پس در لفظین عطف تفسیری ست و معنی ظاہر ست - مقصود اس سے تنفیر ہے تعلقات دنیویہ سے جو کہ شرط سلوک ہے -

دلم امید فراوان ز وصل روی تو داشت   ولے اجل بہ رہ عمر رہزن امل ست

اس میں حسرت ہے ایسے لوگوں کے حرمان پہ جو تمام عمر اسی ہوس میں رہتے ہیں کہ اب سامان تحصیل ذخیرہ آخرت کا کریں گے حتیٰ کہ موت آجاتی ہے پس امید سے مراد امل ہے بقرینہ آخر بیت اور حرمان کو اجل کی طرف منسوب کرنا حالانکہ اگر اجل بھی نہ ہوتی تب بھی یہ لوگ محروم ہی رہتے اس لیے - ہے کہ اجل کی تاخیر میں بعض اوقات بوجہ تجربہ قبائح دنیا یا صحبت کسی کامل کے اُس امل کے تحقق کی بھی نوبت آجاتی ہے اور موت آگئی تو یہ احتمال بھی قطع ہو گیا - اس میں تعلیم ہے تعجیل فی المقصود کی - ؎

ز قسمت ازلی چہرۂ سیہ بختان   بشست و شوی نگردد سفید ایں مثل ست

اس میں آثار شقاوت و قہر کا بیان ہے۔ اور ایں مثل ست فرمانا شاید اشارہ اُس شعر مشہور کی طرف ہو۔

گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ   بآب زمزم و کوثر سفید نتواں کرد

اور ز قسمت میں حرف ز علت کے لیے ہے یعنی ہر کہ سیہ بخت باشد بہ سبب قسمت ازلی۔ اس شعر سے مقصود یا تو تسلیہ ہے کہ مصریں علی العناد کی حالت پر حزن بے کار ہے اُن کی اصلاح نہیں ہو سکتی اور تسلیہ سے غرض یہ ہے کہ اُن کی فکر میں پڑ کر اپنے قلب کو تشویش میں کہ مانع ترقی سلوک ہے کیوں ڈالا جاوے۔ اور یا مقصود تخویف ہے کہ آدمی اپنے حال و اعمال پر ناز نہ کرے کیونکہ علم الٰہی میں معلوم نہیں کہ سعید ہو یا شقی۔ اور یہ خوف سبب ترقی سلوک ہے۔

بگیر طرۂ مہ طلعتے و قصہ مخوان   کہ سعد و نحس ز تاثیر زہرہ و زحل ست

مصرعہ ثانیہ بیان ہے قصہ کا یعنی فضولیات کو چھوڑ کر عشق الٰہی حاصل کرو۔

خلل پذیر بود ہر بنا کہ مے بینی   مگر بنای محبت کہ خالی از خلل ست

یعنی قرب و قبول کی جتنی بنائیں ہیں جیسے اعمال ظاہرہ و باطنہ بلا حصول نسبت کے اُن سب میں احتمال زوال کا ہے مگر محبت الٰہی جو بنائے قرب و قبول ہے یہ غیر متحمل الزوال ہے وہو المراد فی الحدیث بشاشتہ الایمان اذا خالط القلوب۔ کیونکہ مبنی اعمال کا محض قصد ہے اور قصد کا کسی وقت شہوت یا غضب سے مغلوب ہو جانا اور اس مغلوبیت کا مدت تک استقرار مستبعد نہیں بخلاف نسبت عشقیہ کے کہ وہ بمنزلہ امر طبعی اضطراری کے ہو جاتا ہے اور ایسے امر کا زوال مستبعد ہے گو کسی وقت اثر ضعیف ہو جاوے مگر پھر جلد عود کر آتا ہے۔ اس اس سے یہ مقصود نہیں کہ اعمال بے کار ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اعمال کو ذریعہ اس نسبت باطنیہ کا بنانا چاہیے اور جب تک یہ میسر نہ ہو مجاہدہ شدیدہ کرنا چاہیے اس کے بعد بقدر ضرورت مجاہدہ کافی ہے۔

بہیچ دور نخواہند یافت ہشیارش — چنیں کہ حافظ ما مست بادۂ ازل ست

اس میں بیان ہے نسبت عشقیہ کے دوام و ثبات کا۔ پس یہ شعر شعر سابق کی تفریع یا شرح کے طور پر ہے۔

غزل

دل و دینم شد و دلبر بملامت برخاست — گفت با ما منشین کز تو سلامت برخاست

یعنی عشق میں میرا تو دل اور دین دونوں غارت ہو گئے (جس پر مجھ کو امید قدر دانی کی تھی) مگر محبوب ملامت کرتا ہوا اٹھا اور کہنے لگا کہ ہمارے پاس مت بیٹھو کیونکہ تم سے سلامتی (و اعتدال) کی صفت اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنی حالت حد سے متجاوز ہو کر قابل ملامت کے کر لی جو ہم کو پسند نہیں۔ اس میں اشارۃً یہ ارشاد ہے کہ باستثناء مرفوع القلم شخص کے کسی حالت میں ضبط کو جو کہ اختیاری ہو گو اس میں کچھ کلفت بھی ہو ہاتھ سے دے کر اپنی حالت صحت یا حالت دین کو معرض فساد میں ڈالنا اور اعتدال شرعی سے خارج ہو جانا قبیح و مذموم ہے گو بوجہ بے علمی کے اپنی رائے فاسد سے یہ شخص اس کے ادخل فی التقرب والقبول ہونے کا زعم کرتا ہو اسی لیے حدیث میں سوال شوق کے ساتھ یہ قید لگائی ہے فی غیر ضراء مضرۃ (ای مایعود الی الصحۃ) وفتنۃ مضلۃ (ای ما یعود الی الدین) لعل قولہ واسئلك شوقا الی لقائك ؎

کہ شنیدی کہ دریں بزم دمی خوش بہ نشست — کہ نہ در آخر صحبت بندامت برخاست

ایں بزم سے مراد دنیا ہے اور یہ شعر مقارب المعنی اس شعر عربی کا ہے ؎ ومن یحمد اللّٰہ بنا لعیش لیسرہٖ + فسوف لعمری عن قلیل یلومہا + مقصود اس سے تزہید ہے دنیا میں جو کہ شرائط سلوک سے ہے ؎

شمع گر زاں لب خنداں بزباں لافی زد — پیش عشاق تو شبہا بغرامت برخاست

اس میں حسن التعلیل ہے یعنی شمع جو تمام شب استادہ رہتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ

اُس نے تیرے روے خنداں کی مساواۃ کا دعوے کیا تھا - اس لیے یہ کھڑا ہونا اُس پر جرمانہ ہوا ہے - اور بلسان اشارت بیان ہے اس کا کہ غلبۂ توحید میں جن لوگوں نے دعوے اتحاد کا کیا انجام کار اُن کا مضرت ہوا خواہ جسمانی جیسا منصور کو خواہ نفسانی جیسا بایزید کہ بعد صحو کے پشیمان ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ کنت الیوم کافرا مجوسیا والآن اقطع زناری واقول اشہد ان لاالہ الا اللہ اور پشیمانی وندامت گو فضیلت کی چیز ہے مگر آخر قلب کو اُس وقت کلفت تو ہوتی ہے جس کا سبب صدور خطا یا ہے اگر خطا نہ ہوتی تو یہ کلفت کیوں ہوتی - اس اعتبار سے اس کو ضرر نفسانی میں داخل کیا - اور خواہ ضرر روحانی ہو چنانچہ ایسے دعاوی مانع ترقی ہیں اگر اُن پر دوام رہا کیونکہ وہ دلیل سکر ہے اور سکر میں ترقی نہیں ہوتی - ؎

درچمن باد بہاری زکنار گل وسرو   بہواداری آں عارض وقامت برخاست

مطلب یہ کہ سب میرے محبوب کے نیازمند وثنا خواں ہیں حتیٰ کہ باد بہاری جو چمن میں گل وسرو کی بغل میں سے نکلتی ہے یعنی اُس پر سے گزرتی ہے وہ بھی گل کے واسطہ سے اُس کے عارض کی اور سرو کے واسطہ سے اُس کے قامت کی ہواداری اور خدمت کرتی ہے کہ گل کو تازہ وخنداں اور سرو کو سبز دریاں کر کے اُس کے خوبی عارض وقامت کا اظہار کرتی ہے کیونکہ ؎

ففی کل شئی لہ آیۃ   ؎   تدل علی انہ واحد

اس میں محبوب حقیقی کے کمال کا تام ہونا اور ہر مصنوع کا مدلول بالوجہ العام ہونا بتلانا ہے تاکہ اُس کی طلب میں سعی کریں ؎

مست بگذشتی واز خلوتیان ملکوت   بتماشای تو آشوب قیامت برخاست

مست کنایہ از استغناء - و بگذشتی تجلی کردہ منتشر شدی - وخلوتیان ملکوت اہل خلوت کہ در مراقبات نسبت بعالم ملکوت پیدا کردہ باشند - وتماشا مشاہدہ - و یا بہ معنی در یا بمعنی برای - وآشوب قیامت شورش ونالہ - مطلب یہ کہ محبوب حقیقی جو منجلی ہو کر مستتر ہو گیا - تو اہل خلوت مشاہدہ سے یا استتار کے بعد مشاہدہ کے لیے بے تاب ہو کر نالہ و

فریاد کرنے لگے۔ لان التجلی مفاجاۃً یورث الشوق و یذہب بالسکون وان الاستتار یورث الحزن وکلاہما یوجب الاضطراب۔ اور بعض خلوتنیان ملکوت سے مراد ملائکہ لیتے ہیں مگر چونکہ بقول مشہور ملائکہ میں کیفیت شورش نہیں ہے۔ نیز اُن کو خلوت کی بھی حاجت نہیں ہے اس لیے احقر نے اس کو پسند نہیں کیا مقصود بیان کرنا آثار احوال کا ہے ؎

پیش رفتار تو پا برنگرفت از خجلت سرو سرکش کہ بناز قد و قامت برخاست

اس میں بھی حسن تعلیل ہے یعنی سرو کا جو پاؤں اپنی جگہ سے نہیں اٹھتا اور وہ نہیں چلتا اُس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تیرے قد و قامت کے مساوات کا مدعی ہوا تھا اس لیے شرم سے گڑ رہا ہے۔ اس کا حاصل مقصود بھی مثل شعر سوم شمع گزراں الخ کے ہے۔ ؎

حافظ این خرقہ بینداز مگر جان ببری کآتش از خرمن سالوس و کرامت برخاست

این خرقہ یعنی خرقۂ سالوس بقرینہ مصرعۂ ثانیہ۔ و کرامت مراد دعوئ کرامت۔ اس میں مذمت ہے مکر اور دعوے کی یعنی اگر اپنی نجات چاہتے ہو تو اس خرقۂ سالوس و اظہار کرامت کو ترک کرو کیونکہ اس سے آگ پیدا ہوتی ہے۔ یعنی یہ سبب ہے دخول فی نار جہنم یا وقوع فی نار الہجران کا۔ ؎ غزل

روی تو کس نہ دید و ہزارت رقیب ہست در غنچہ ہنوز و صدت عندلیب ہست

تا در ہزارت مضاف الیہ رقیب نہ باین معنی کہ ایشان رقیب تو ہستند یعنی شریک عشق کے با تو فانہ غیر مقصود بلکہ باین معنی کہ باہم رقیب اند در تو یعنی شریک عشق بر تو۔ و کس ندید یعنی تفصیلاً و ادراکاً بالکنہ۔ و در غنچۂ یعنی مستتر ی بالمعنی المذکور یا کس ندید نافی رویت باشد در دنیا۔ مطلب یہ کہ محبوب حقیقی کو گو کسی نے دنیا میں نہیں دیکھا۔ (لان الرویۃ لا تقع فی الدنیا ویستثنیٰ منہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیث رای لیلۃ المعراج اویقال انہ رای فی الاخرۃ لان السماء من مکان الاخرۃ) اور کسی کو آپ کی تفصیلی معرفت نہیں ہوئی مگر پھر بھی بے شمار عاشق و طالب ہیں شاید مقصود اس سے تصریح اس مسئلہ ہی کی ہو تا کہ اہل سلوک اس ہوس میں نہ پڑیں۔ یا کمال حسن و جمال بیان

کرنا ہو کہ اس اجمالی ہی معرفت نے یہ نوبت کر رکھی ہے جو اوروں کے تفصیلی مشاہدہ میں بھی نہیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ یہ مراتب غیر متناہیہ اوروں سے اجمل و اکمل ہے پس ایسی ذات کا طالب ہونا عین واجب ہے اور کس نہ دید سے اگر نفی رویت کی ہو تو مخصوص ہے دنیا کے ساتھ اور اگر نفی ادراک بالکنہ کی ہو جیسا در غنچہ سے یہی مراد ہے تو عام ہے آخرت کو بھی کیونکہ احاطہ حقیقت وہاں بھی نہ ہوگا لامتناع وھذا ھو معنی قولہ علیہ السلام لایبقیٰ علی وجھہ الارداء الکبریاء واللہ اعلم۔

گر آمدم بکوی تو چنداں غریب نیست　　چوں من دریں دیار ہزاراں غریب ہست

غریب در مصرعہ اولیٰ بہ معنی ولیعبد و در مصرعہ ثانیہ بہ معنی متعارف۔ مطلب یہ کہ میں ہی اکیلا آپ کا مشتاق و طالب نہیں ہوں۔ اس میں بھی کمال جمال بیان کرنا مقصود ہے تا کہ سامعین کو طلب کا شوق ہو۔

ہر چند دورم از تو کہ دور از تو کس مباد　　لیکن اُمید وصل توام عنقریب ہست

ترجمہ ظاہر ہے اور مقصود اس سے تعلیم ہے رجاء کی کہ وجوب شرعی کے ساتھ معین سلوک بھی ہے اور شعر ہذا میں اُس کے دو محل محتمل ہیں یا تو دنیا میں مجوبی کی حالت میں لقاء آخرت کی امید یا حالت قبض میں بسط کی امید۔

در عشق خانقاہ و خرابات شرط نیست　　ہر جا کہ ہست پرتو روی حبیب ہست

اس کا یہ مطلب نہیں کہ خانقاہ کے اعمال اور خرابات کے افعال دونوں موصل و موجب قرب ہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ عاشق جس طرح خانقاہ میں ہادی کا مشاہدہ کرتا ہے خرابات کو دیکھ کر مضل کا مشاہدہ کرتا ہے پس اس کی نظر اور توجہ دونوں جگہ اُس کے ظہور و تجلی پر ہے اور یہ توحید افعالی یا صفاتی کی تعلیم کی طرف اشارہ ہے۔

آنجا کہ کار صومعہ را جلوہ میدہند　　ناقوس و دیر و راہب و نام صلیب ہست

اس کا مطلب بھی وہی ہے جو اوپر کے شعر کی شرح میں مذکور ہوا۔ و میدہند اسے

کارکنان قضا و قدر۔ ۵

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد   اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

کر شد کدام شد۔ مقصود تنبیہ ہے اُن سالکوں کی جو حرمان کا شکوہ کیا کرتے ہیں مطلب یہ کہ کوتاہی طالب کی طرف سے ہے مطلوب سے دریغ نہیں پس اپنی اصلاح چاہیے ۵

فریاد حافظ اینہمہ آخر بہرزہ نیست   ہم قصۂ غریب و حدیثے عجیب ہست

غالباً اس میں جواب ہے منکران کیفیات وجدانیہ کا۔ فرماتے ہیں کہ اگر تم کو وجدان نہ ہو تو استدلال ہی سے سمجھ لو کہ عشاق کا یہ حیرت انگیز آہ و نالہ آخر کسی سبب عظیم ہی سے ہے پس بہ طریق برہان انی ان کیفیات کے وجود کو ثابت سمجھ لو۔

ساقیا آمدن عید مبارک بادت   واں مواعید کہ کردی نرود از یادت

معنی ظاہری تو یہ ہیں کہ اے محبوب تو نے عید کو وعدہ وصل کیا تھا اب عید بھی آگئی وعدہ پورا کرو اور معنی باطنی میں خطاب مرشد کو ہو سکتا ہے جس نے مسترشد سے (کسی ایسے وقت میں کہ مسترشد اُس سے کسی تلقین یا توجہ کا طالب ہوا ہوگا اور اُس وقت مرشد اپنی کسی باطنی تشویش ہیبت وغیرہ میں مبتلا ہوگا) یہ وعدہ کیا ہوگا کہ ہم کو طمانینت ہو تو تمہاری درخواست پوری کریں گے اور قرائن یعنی بشاشت وغیرہ سے مسترشد کو حصول طمانینت معلوم ہوا ہوگا اس وجہ سے اُس حالت طمانینت کو بوجہ مایۂ سرور ہونے کے عید سے تعبیر کر کے اُس پر مبارک باد اور اُس وعدہ کی یاد پیش کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ ۵

در شگفتم کہ دریں مدت ایام فراق   برگرفتی ز حریفان دل و دل میدادت

شگفت بمعنی تعجب۔ برگرفتی برداشتنی۔ حریفان یاران و عاشقان۔ دل میدادت استفہام ست یعنی آیا دل تو گوارا می کرد۔ اس میں بھی سہل یہ ہے کہ مرشد کو خطاب ہو یعنی اتنے روز تک جو آپ نے طالبین کی طرف توجہ نہیں کی تو کیا آپ کے دل نے اس کو گوارا کیا مجھ کو

اسی کا تعجب ہے کیونکہ مقتضا ارشاد کا شفقت اور توجہ ہے رہا وجود مانع وہ اس لیے ضعیف ہے کہ اہل کمال کی بقدر ضرورت توجہ بھی طالب کی اصلاح کے لیے کافی ہے اور وہ ہر حال میں ممکن ہے۔ پس اس شعر میں تعلیم ہے مشائخ کو کہ ایسے اوقات میں طالبین سے علیحدگی و بے التفاتی و یکسوئی و جواب خشک نہ چاہیے اُن کی تو پوری بربادی ہے ۔

برسان بندگی دختر رز گو بدر آی — کہ دم ہمت ما کرد ز بند آزادت

مخاطب برسان مطلق رسانندہ بندگی تحیت و نیاز۔ دختر رز شراب مراد عشق بمشارکت وصف مستی لیکن بہ حیثیت بودن آں عشق در خود یعنی عشقیکہ وصف مستتر شدہ ست بدر آی یعنی از خلوت۔ بند مراد پردۂ استتار اس میں بھی شل سابق بطور تتمہ مضمون سابق مرشد ہی سے غرض مقصود ہے یعنی اے مبلغ ہماری صفت طلب و عشق کی طرف سے مرشد کو۔ سلام کے بعد یہ پیغام پہنچا دے کہ خلوت سے باہر آیئے اور ہمارے حال پر توجہ فرمایئے اور خدا تعالٰے نے جو آپ کو یہ نعمت کمال اور قوت تکمیل عطا فرمائی ہے اُس کی ایک حکمت یہ بھی سمجھیے کہ طالبین کا افادہ آپ کی ذات سے وابستہ کرنا ہے پس ہمارا جو قصد خدا طلبی ہے یہ بھی سبب ہو گیا ہے آپ کے پردۂ استتار سے منصۂ اشتہار پر آنے کا پس ایک مقصود کمال سے تکمیل بھی ہے تو اس سے دریغ نہ کیجیے فالنعمۃ بمعنی المقصد واسناد لفظ کرد الیہا اسناد مجازی الی السبب ولنعم ماقیل فی بیان ہذا الحکمۃ۔ ع خاص کند بندۂ مصلحت عام را۔ اور یہ جو میں نے کہا ہے ایک حکمت یہ بھی الخ اُس کی وجہ یہ ہے کہ حکمت کا اس میں انحصار نہیں اہل ارشاد میں یہ بھی ایک حکمت ہے البتہ جو اہل ارشاد نہیں ہیں اُن کے باب میں کلام نہیں کما قیل ۔

احمد تو عاشقی بہ مشیخت ترا چہ کار — دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

شادی مجلسیان در قدم و مقدم تست — جای غم باد ہر آں دل کہ نخواہد شادت

جای غم باد ای محل و ظرف غم باد۔ اس میں بھی خطاب ہے مرشد کو اُن کے استمالت اور اُن کے خوش رہنے کی دعا کر رہے ہیں ۔

چشم بد دور کزیں تفرقہ خوش باز آوردی — طالع نامور و دولت مادر زادت

یہ بھی خطاب مرشد کو ہے اُن کو حصول طمانینت و رفع تفرقہ خاطر یعنی تشویش پر مبارک باد دیتے ہیں مثل شعر اول کے۔ یعنی آپ کی خوش بختی و مقبولیت و ہیبیہ اُس تفرقہ سے نکلنے کی باعث ہوئی اللہ تعالےٰ چشم حساد سے محفوظ رکھے کہ یہ دولت قائم رہے۔ ~

شکر ایزد کہ ازیں باد خزاں رخنہ نیافت ۔ بوستان سمن و سرو و گل و شمشادت

اس میں بھی خطاب ہے مرشد کو اور باد خزاں سے مراد وہی تشویش و تفرقہ خاطر اور رخنہ سے مراد خلل و مضرت اور بوستان الخ سے مراد کمالات باطنی مرشد کے۔ یعنی حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس حالت عارضہ سے آپ کے کمالات کو گزند نہیں پہنچا۔ اس میں اشارہ ہے اس تعلیم کی طرف کہ اگر مرشد کو کوئی ایسا امر پیش آجاوے تو مسترشد کو اُس کے کمالات کی کمی کا وہم نہ کرنا چاہیے کہ سراسر اس کی ہلاکت ہے۔ ~

حافظ از دست مدہ صحبت آں کشتی نوح ۔ ورنہ طوفان حوادث ببرد بنیادت

شعر بالا میں اصلاح تھی مسترشد کی علماً اور اس میں اصلاح ہے اُس کی عملاً۔ یعنی اگر ایسی حالت مرشد کو پیش آجاوے تو اُس کی صحبت یا اُس کی خدمت نہ چھوڑ دے کہ جب یہ بے توجہی کرنے لگا تو دوسری تدبیر کریں بلکہ اُس کی مثال کشتی نوح کی سی سمجھے کہ طوفان سے گو اُس کو حرکت تھی مگر غرق سے خود محفوظ اور راکبین کی حافظ تھی اسی طرح گو مرشد میں کسی باطنی حالت کے غلبہ سے ایک گونہ خروج عن السکون عارض ہو جاوے مگر وہ اس حالت میں بھی خود ضلال سے محفوظ اور دوسروں کے لیے حافظ ہے۔ غزل

ساقی بیار بادہ کہ ماہ صیام رفت ۔ دردہ قدح کہ موسم ناموس و نام رفت
وقت عزیز رفت بیا تا قضا کنیم ۔ عمرے کہ بے حضور صراحی و جام رفت
در تاب توبہ چند تواں سوخت ہمچو عود ۔ می دہ کہ عمر در سر سودای خام رفت
مستم کن آنچناں کہ ندانم زبے خودی ۔ در عرصۂ خیال کہ آمد کدام رفت

بر بوی آں کہ جرعۂ جامے بما رسد | در مصطبہ دعای تو ہر صبح و شام رفت
دل را کہ مردہ بود حیاتے ز تو رسید | تا بوی از نسیم میش در مشام رفت
زاہد غرور داشت سلامت نہ بُرد راہ | رند از رہِ نیاز بدار السلام رفت
زاہد تو داں و خلوت و تنہائی و نیاز | عشاق را حوالہ بہ عیش مدام رفت
نقد دلے کہ بود مرا صرف بادہ شد | قلب سیاہ بود ازاں در حرام رفت
دیگر مکن نصیحت حافظ کہ رہ نیافت | گم گشتۂ کہ بادۂ عشقش بکام رفت

(جاننا چاہیے کہ طریق موصل الی اللہ دو ہیں طریق زہد اور طریق عشق جس کا جیسا مذاق ہو اُس کی تربیت اُسی سے ہوتی ہے۔ اور بعضے ان ہی دونوں طریقوں کو ریاءً اختیار کرتے ہیں سو ایسا زہد ریائی اور عشق ریائی خود موصل ہی نہیں پس اس غزل میں بہ مناسبت اپنے مذاق کے طریق عشق کی طلب کرتے ہیں اور طریق زہد کا اپنے لیے غیر کافی ہونا بتلاتے ہیں اور کسی کسی شعر میں زہد ریائی کی مذمت کرتے ہیں اور عشق ریائی بھی باشتراک علت اسی طرح مذموم ہے مگر چونکہ حافظ کے زمانہ میں کہ زمانہ غلبہ و حکومت اسلام کا تھا اہل طریق عشق پر دار و گیر اور ہجوم بلیات کا زائد تھا اس لیے عشق ریائی قریب قریب مفقود کے تھا اس لیے اشعار میں اس سے تعرض بھی کم کیا جاتا ہے پس فرماتے ہیں کہ) اے ساقی عنایتِ ازلی مجھ کو طریق عشق عطا فرما کہ زمانہ زہد کا رخصت ہوا یعنی میں نے زہد سے وصول چاہا بوجہ عدم مناسبت مذاق وہ مفید نہ ہوا اس لیے اُس کو رخصت کیا۔ اب قدحِ عشق پلا دیجیے۔ اور اُس میں رسوائی ہوگی مگر ناموس و نام کا زمانہ بھی گیا تو یہ مراد ہے کہ اُس زہد حقیقی سے پہلے جو زہد ریائی اختیار کیا تھا وہ بھی گیا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حافظ نے ریاءً اختیار کیا ہو یہ مطلق اہل طریق کی حالت بیان کر رہے ہیں اور یا یہ مراد ہے کہ زہد حقیقی میں بھی گو نام و ناموس کا لحاظ نہ ہو مگر طبیعت پر اُس کا اثر ضرور ہوتا ہے عشق میں یہ بھی نہیں رہتا۔ آگے فرماتے ہیں کہ جس قدر زمانہ بلا نسبت عشقیہ کے گذرا اُس کی قضا کریں گے یعنی خوب کوشش کریں

گے جس سے اُس کا تدارک بھی ہو جاوے۔ آگے فرماتے ہیں کہ توبہ کی آگ میں کہاں تک جلا کریں اب تو شراب عشق پلا دیجیے کہ تمام عمر اس سودائے خام کے خیال میں کہ زہد سے وصل ہو گا گزر گئی۔ اس توبہ سے یا تو توبہ ریائی مراد ہے تب تو اُس کا غیر مفید ہونا ظاہر ہے اور یا یہ کنایہ ہے طریق زہد سے کہ اُس میں توبہ حقیقی بلا عشق کے ہے اور چونکہ وہ بار بار ٹوٹ جاتی ہے اس لیے ہمیشہ اسی کلفت و کوفت میں رہنا ہوتا ہے بہ خلاف توبہ مقرون بالمحبۃ کے کہ ہمیشہ کے لیے اس کلفت نقض قصدی سے امن ہو جاتا ہے گو دوسری حالتیں وہاں اس سے بھی صعب ہوں مگر وہ لذیذ ہیں۔ آگے کہتے ہیں کہ مجھ کو اس شراب محبت سے ایسا مست کر دے کہ مجھ کو یہ بھی خیال نہ رہے کہ کون آیا کون گیا یعنی مستی کامل عطا کر دیجیے اور اور میں اس امید پر کہ شمۂ فیض عشقی نصیب ہو جاوے مصطبہ یعنی مقام خلوت میں کہ محل طلب شراب محبت ہے آپ کی ثنا و صفت کرتا ہوں (فالدعاء کنایۃ عن الثناء) یا یہ معنی ہوں کہ آپ سے دعا کرتا ہوں۔ پس دعای تو میں اضافت مفعول کی طرف ہوگی۔ کما وقع ضمیر اللہ تعالیٰ مفعولاً للدعاء فی قولہ تعالیٰ دعانا الجنبہ الخ یعنی دعاے عشق برائے خود از تو آگے فرماتے ہیں کہ جب سے نسیم مئی محبت میرے قلب کے دماغ میں پہنچی ہے وہ مردہ سے زندہ ہو گیا (فالشین مضاف الیہ للمشام) اس زندگی سے مراد نشاط عشقی ہے آگے فرماتے ہیں کہ زاہد نے تکبر کیا اور اپنے کو ذی کمال و ذی استحقاق سمجھا تو ہلاک ہوا۔ جیسا بعض زاہداں جاہل کو یہ بلا دعوائے تقدس کی پیش آتی ہے) اور عاشق نے عجز و نیاز یعنی انکسار و تذلل اختیار کیا تو وہ دار السلام یعنی بہشت یا مقام سلامتی و حفظ الٰہی میں جا پہنچا (یعنی عشق کے طریق میں یہ خصوصیت ہے) آگے فرماتے ہیں کہ اے زاہد تم جانو اور سامان زہد جانے یعنی تم اس میں رہو کہ سراسر تعب ہے اور عاشقوں کو تو حصول عشق سے عیش دائمی میسر ہو گیا یعنی ان قیود تکلیف آمود سے رہائی ہو گئی اور یہ پہلے مذکور ہو چکا کہ عشق میں جو متاعب ہیں وہ خود لذت بخش ہیں اس لیے حقیقتاً متاعب نہیں۔ اور اس شعر میں نیاز سے مراد وہ نیاز نہیں جو اس کے قبل کے شعر میں تھا کہ وہ خاصہ عاشق کا ہے مراد عبادت ہے۔ کہ خلوت میں کر رہا ہے اور عبادت کی ذات نیاز ہے۔ آگے کسی معترض معاند و منکر مجادل کے جواب میں فرماتے ہیں کہ تم جو غلبۂ جہل و زہد خشک سے طریق عشق کو حرام حرام کہہ رہے ہو خیر حرام ہی سہی مگر میں نے اپنا دل اس میں اس لیے صرف کیا کہ میرا

نقد دل بھی قلب سیاہ یعنی ردی اور معاصی میں سیاہ تھا پس بقول مشہور مال حرام بود بجائے حرام رفت حرام ہی میں صرف ہوگیا۔ پھر کیوں شور و شغب مچایا ہے اس میں تعلیم ہے کہ مخاصم سے عاشق خصومت نہ کرے بلکہ ارخاء عنان و تسلیم سے پیش آوے۔ آگے مقطع میں ارشاد ہے کہ جس کے حلق میں بادۂ عشق چلا گیا وہ دوسرے طریق کو اختیار نہیں کرتا پس حافظ کو نصیحت بے کار ہے اس میں بیان ہے دوام عشق کا گو تمکین میں سکون ہو جاوے مگر نسبت وہی رہتی ہے۔ غزل

صبا اگر گذرے افتدت بکشور دوست — بیار نفحۂ از گیسوئے معنبر دوست

بجان او کہ بشکرانہ جان برافشانم — اگر بسوی من آری پیامی از بر دوست

وگر چنانکہ دراں حضرتت نباشد بار — برای دیدہ بیاور غباری از در دوست

ان اشعار میں تمنا ہے واردات غیبیہ کی شاید انقطاع واردات کی حالت میں کہا ہوگا اور صبا سے مراد وسائط فیض مثل ملائکہ قاسمین فیض کے جو ملقب بہ سکینہ ہیں اور نفحہ سے مراد واردِ تجلیات صفاتیہ سے اور غبار سے مراد وارد تجلیات افعالیہ سے۔ کیونکہ گیسو متصل ہوتا ہے اور در منفصل اسی طرح صفات غیر مبائن ہیں اور افعال مبائن لوجوب التبائن بین القدیم والحادث اور پیام سے علوم عالیہ پس مطلب یہ ہوا کہ اے قاسمین فیض عالم قدس میں پہنچ کر وارد صفاتی لاکر میرے قلب پر القا کرو جس سے مجھ پر علوم عالیہ متعلقہ صفات منکشف ہوں اور اُن کا عالی ہونا ظاہر ہے کیونکہ اُن کا معلوم صفات ہیں اور شرف علم کا شرف معلوم سے ہوتا ہے۔ اگر تم نے ایسا احسان کیا تو میں اس شکرانہ میں اپنی جان بھی نثار کر دوں گا۔ اور اگر ایسا امر ہو کہ اس درگاہ میں تم کو دخل نہ ہو (یہ مطلب نہیں کہ یہ ملائکہ فیوض کو لا نہیں سکتے بلکہ بات یہ ہے کہ ملائکہ ہر امر میں مامور نصاً ہیں سو جس فیض کا نازل کرنا مقصود نہ ہو اُس میں اُن کا کوئی دخل نہیں ہوتا پس مطلب یہ ہوا کہ اگر میں اس فیض کے قابل نہ ہوں اور اس لیے مبداء فیاض سے ان فیوض کا واسطہ تم کو نہ بنایا جاوے۔ پس یہ عدم دخل اس طور پر ہے) تو خیر وارد افعالی ہی کو فائض کر دو اور امر و اذن کی قید قواعد مشہورہ سے یہاں بھی ہے۔ مطلب یہ کہ قبض کا

تحمل نہیں کچھ سلسلہ فیض کا جاری ہونا چاہیے۔ ہ

من گدا و تمنای وصل او ہیہات　　　　مگر بخواب بہ بینم جمال و منظر دوست

دل صنوبریم ہمچو بید لرزاں ست　　　　زحسرت قد و بالای چوں صنوبر دوست

در شاخ صنوبر گرہے باشد کہ آنرا بدل تشبیہ دہند و دل صنوبر ہم اورا گویند کذا فی الحاشیۃ
ان اشعار میں بیان ہے اس کا کہ ورود تجلیات میں بھی انکشاف تام یعنی رویت جس طرح آخرت میں ہوگی اس عالم میں واقع نہیں ہوتی لا تمتناعہ شرعا وان لم یمتنع عقلا۔ پس مطلب یہ ہوا کہ خواب یعنی حالت استغراق میں تو تجلی ہو سکتی ہے۔ اور اپنے محل میں ثابت ہے کہ وہ تام نہیں ہوتی باقی وصل یعنی رویت عیاناً کی تمنا ہی مستبعد ہے اور جس قدر انکشاف ہوتا ہے وہ ایسا ہے کہ اس میں حسرت استتار کی بھی رہتی ہے لکونہ غیر تام۔ پس اس میں رفع ہے بعض۔ ناواقفوں کی غلطی کا۔ اور لفظ گدا سے اشارہ اس طرف ہو سکتا ہے کہ اس رویت کا مانع ہمارا عدم تحمل و عدم قابلیت ہے جو آخرت میں مبدل بہ تحمل ہو جاوے گا۔ ہ

اگر چہ دوست بہ چیزے نمی خرد ما را　　　　بعالمی نہ فروشیم موی از سر دوست

یعنی اگر چہ نقصان امکانی کی وجہ سے ہم اس قابل نہیں کہ محبوب کے مقبول ہوں اور جو کچھ عنایت ہے وہ فضل۔ ہے نہ کہ ہماری قابلیت اسی لیے نمیخرد کہا کیونکہ اشتراء عادۃً و شرعاً مبیع کے محلیت و قابلیت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اسی لیے جو چیز محل بیع نہ ہو وہ مبیع نہیں ہو سکتی اور قرآن مجید میں ان اللہ اشتری مجاز ہے بہر حال گو ہم اس نقصان امکانی کے سبب قابل مقبولیت کے نہیں مگر محبوب کمال وجوبی کی وجہ سے کامل المحبوبیت ہے اور اسی کی فرع ہے کہ ہم اس نقصان کی وجہ سے مشرف بہ وصال تام نہیں ہو سکتے حتی کہ آخرت میں بھی بہ انکشاف حد ادراک کنہ تک نہ پہنچے گا۔ البتہ محض بہ مشیت و حکمت آلہیہ وہاں اس استتار سے حسرت نہ ہوگی اور بجائے وصال تام کے اگر ہم کو واردات صفاتی کہ موے از سر دوست اس سے عبارت ہے میسر ہو جاوے تو ہمارا منتہی معراج ہے۔ جیسا کہ واردات افعالیہ ابتدا اس کی ہے اور چونکہ وارد افعالی کے بعد

تمنا ہوتی ہے کہ وارد صفاتی نصیب ہو اس لیے اُس کی نسبت بعالمی نہ فروشیم کہ کنایہ ہے لا انتہا استبدالہ سے نہیں کیا جا سکتا بہ خلاف وارد صفاتی کے کہ اُس کا بدل اُس سے خیر کچھ بھی نہیں اور اس میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ جاہ کو حق خداوندی سمجھے اپنے کو جاہ عند اللہ کے قابل نہ سمجھے کما حققہ مرشدی رح بس نجات و مغفرت و عطائے حاجت ہی کو بڑی نعمت جانے۔ ے

چہ باشد ار شود از قید غم دل آزادش چو ہست حافظ مسکین غلام و چاکر دوست

اس کی وہی شرح مناسب ہے جو شعر بالا کے آخر شرح میں مذکور ہوا یعنی تذلل و عدم قصد جاہ عند اللہ اور کفایت بر نجات و آزادی۔ غزل

غمش تا در دلم ماوے گرفتہ است سرم چوں زلف او سودا گرفتہ است

لب چوں آتشش آب حیات ست ازاں آب آتشے در ما گرفتہ است

ہمای ہمتم عمری ست کز جان ہوای آں قد بالا گرفتہ است

شدم عاشق بیالای بلندش کہ کار عاشقان بالا گرفتہ است

ان اشعار میں مختلف تمثیلات سے اظہار ہے اپنے عشق اور اُس کے آثار کا پس مفردات مذکورہ فی الاشعار کے مقابلہ میں محبوب حقیقی میں مفردات مشبہ کا ہونا اور ان میں وجہ شبہ کی تحقیق کرنا ضرور نہیں ۔ترجمہ یہ ہے۔ کہ جب سے اُس کا غم عشق میرے دل میں جاگزین ہوا ۔ ہے اُس کے زلف پریشان کی طرح میرا دماغ بھی پریشان ہوگیا ہے اور اُس کا لب جو سُرخی میں مشابہ آتش کے ہے جاں بخشی میں مثل آب حیات کے۔ ہے اُس آب سے ہم میں سوز و گداز کی آگ لگ گئی ہے اور ایک عمر گزر گئی کہ میرے ہمای ہمت نے اُس قد بالا کی ہوا یعنی محبت اختیار کر رکھی ہے اور ہما اور ہوا میں مناسبت لفظیہ کی لطافت ظاہر ہے اور ہمت کو ہما اس لیے کہا کہ ہما بلند پرواز ہوتا ہے اور واجب سے محبت کرنا بلند ہمتی ہے ۔ اور میں اُس کے قد بلند پر اس لیے عاشق ہوا ہوں کہ میں نے دیکھا کہ عاشقوں کا مرتبہ بڑا بلند ہے اس لیے اُس کی تحصیل کا قصد کیا۔ ے

چو ما در سایۂ الطاف اوئیم چرا او سایہ از ما واگرفتہ است

یہ چرا بطور اعتراض کے نہیں بلکہ اجمالاً تحقیق حکمت کی طرف اشارہ کے لیے ہے اور یہ شعر حالت قبض کا معلوم ہوتا ہے یعنی جب ہم اُس کے سایۂ الطاف میں تربیت پا رہے ہیں پھر جو اُس نے ہم سے اپنا سایہ اُٹھا لیا اس کی کیا وجہ۔ یعنی یہ تو ہو نہیں سکتا کہ الطاف کے خلاف کیا ہو کہ حالت الطاف میں بے الطافی محال ہے اور الطاف کا وجود آثار و قرائن سے متحقق ہے پھر بے الطافی کا کب احتمال ہے جب یہ محتمل نہیں تو ضرور سایہ اٹھا لینے میں کوئی نہ کوئی حکمت و مصلحت ہی ہو گی کہ وہ بھی ایک گونہ لطف ہے اس لیے تنگ نہ ہونا چاہیے پس مصرعہ اولیٰ میں سایہ الطاف سے مراد مطلق لطف کا سایہ اور ارتفاع الخاص لایستلزم ارتفاع العام فافہم۔ اس میں حالت قبض کے متعلق اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے جس کا استحضار سالک پر لازم ہے۔

نسیم صبح عنبر بوست امروز مگر یارم رہ صحرا گرفتہ است

یہ شعر حالت بسط پر زیادہ منطبق ہوتا ہے۔ صحرا سے مراد قلب یعنی آج قلب میں فیوض کی خوشبو مہک رہی ہے معلوم ہوتا ہے کہ محبوب کی تجلی قلب پر ہو گئی ہے اور نسیم صبح مبتدا ہے اور عنبر بو خبر ہے۔

ز دریای دو چشم گوہر اشک جہان در لولوی لالا گرفتہ است

گوہر اشک مبتدا و گرفتہ است خبر۔ و جہان بحذف را مفعول گرفتہ۔ یعنی میری آنکھوں کے دریا سے جو گوہر اشک نکلے ہیں اُن گوہروں نے تمام جہان کو درتاباں سے گھیر دیا۔ یعنی اس کثرت سے رویا کہ تمام زمین پر ہو گئی مقصود مبالغہ ہے رونے میں۔

حدیث حافظ ای سرو سمن بر بوصف قد تو بالا گرفتہ است

یعنی حافظ کے کلام نے جو تیرے وصف قد میں ہے رتبہ بلند حاصل کیا ہے مطلب یہ کہ جو کلام وصف محبوب میں ہوتا ہے وہ مقبول اور دلچسپ اور گرامی قدر ہوتا ہے پس اس میں اشارہ

ہو جاوے گا شرف علم حقایق کی طرف۔ معنی سمن برای بر او چوں سمن در سفیدے یا خوشبو ۔

غزل

صبح دم مرغ چمن با گل نو خاستہ گفت ناز کم کن کہ دریں باغ بسے چوں تو شگفت

گل بخندید کہ از راست نہ رنجیم ولے ہیچ عاشق سخن تلخ بہ معشوق نہ گفت

گر طمع داری ازاں جام مرصع مئی لعل در و یاقوت بنوک مژہ ات باید سفت

تا ابد بوی محبت بمشامش نرسد ہر کہ خاک در میخانہ بر خسارہ نرفت

ان اشعار میں مرشد کی خدمت اور ادب کا شرط طریق ہونا اور گستاخی اور بے ادبی کا گو اُس کا منشاء کوئی امر مطابق واقع کے ہو مذموم ہونا مذکور ہے۔ یعنی بلبل نے کہ طالب ہے گل نوخاستہ سے کہ مرشد کامل ہے (جیسا گل نوخاستہ اپنے وصف میں کامل ہوتا ہے) یوں کہا کہ آپ (اس شان ارشاد پر) ناز نہ کیجیے اور مسترشدین سے استغنا نہ برتئے کہ ایسے ایسے اس باغ دہر میں بہت ہوئے ہیں اور پھر سب فنا ہو گئے اسی طرح تم بھی فنا ہو جاؤ گے تو اس عمر ناپائدار میں جس قدر ثواب افادہ کا حاصل ہو سکے غنیمت سمجھو۔ مرشد نے (اپنی بلند حوصلگی سے برا نہیں مانا بلکہ) ہنس کر فرمایا کہ ہم سچی بات سے ناراض نہیں ہوتے لیکن تمہاری مصلحت کے لیے تم کو تعلیم کرتا ہوں کہ یہ طرز استفادہ کے لیے ادب شرط ہے اور یہ طرز خلاف ادب ہے یہی وجہ ہے کہ آج تک) کسی عاشق اور طالب نے اپنے معشوق اور مطلوب سے سخن تلخ نہیں کہا ہے۔ آگے حافظ رح تائید تعلیم مذکور کے لیے کہتے ہیں کہ اگر تم اُس جام مرصع یعنی قلب مرشد سے کہ پر از شراب عشق و محبت ہے مئی لعل یعنی فیض عشقی چاہتے ہو تو (طریق نیاز مندی اختیار کرنا چاہیے اور) نوک مژہ سے دُر و یاقوت پرونا چاہیے یعنی آنسو سفید کہ مشابہ در کے ہیں اور سرخ خون کے کہ مشابہ یاقوت کے ہیں برسانا چاہیے کہ وہ مژہ میں لگ کر ایسے معلوم ہوں جیسے مژہ سے دُر و یاقوت میں سوراخ کیا ہو مطلب یہ کہ عاجزی اور تضرع سے کام لینا چاہیے اور جس نے در میخانہ کو اپنے رخسار سے صاف نہ کیا ہوگا ابد الآباد تک بوی عشق اُس کے دماغ تک نہ پہنچے گی یعنی یہ زاری کا کام ہے زور کا نہیں اس میں تعلیم ہو گئی بعض شرائط طریق کی۔ ۔

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ ۔

در گلستان ارم دوش چو از لطفِ ہوا زلف سنبل زنسیم سحری می آشفت

گفتم ای مسند جم جام جہاں بینت کو گفت افسوس کہ آں دولت بیدار بخفت

ان دو شعروں کا نہ مدلول لفظی نہ مقصود معنوی کچھ میری سمجھ میں نہیں آیا اور شرح سے شرح صدر نہیں ہوا اگر کوئی صاحب سمجھ کر ملحق کر دیں اُن کا احسان ہے۔

ع۔ کئی ماہ کا عرصہ ہوا کہ میں مراد آباد میں مولانا محمد صدیق صاحب دام فیضہ سے کہ علاوہ دوسرے کمالات کے نظم و نثر و مہارت فارسی میں یکتا ہیں ملا اُن کو بھی ان اشعار کے حل کا طالب پایا اور یہ ایک عجیب اتفاق ہے پھر انہوں نے اپنی یہ رائے ظاہر فرمائی کہ غالباً درمیان میں کوئی شعر رہ گیا ہے کہ اُس میں جزا، کلمۂ چو کی مذکور ہوگی اور شعر گفتم الخ مستقل ہے اھ تو اس صورت میں شعر ثانی سے مقصود بیان کرنا ہوگا تاجداران جہان کے فنا کا تزہید عن المال و الجاہ کے لیے۔ اور مسند جم کو خطاب اُس کے وجود فرض ذہنی کے اعتبار سے ہوگا پھر نظر ثانی کے وقت میں نے باحتمال اس کے کہ شاید اس کا حل کسی تاریخی قصہ پر موقوف ہو تاریخ روضۃ الصفا کا مطالعہ کیا اُس میں لکھا ہے کہ جمشید پر شداد نے جس کا باغ ارم مشہور ہے اپنے برادر زادہ ضحاک کو لشکر کشی کے لیے بھیجا تھا جس سے اُس کی سلطنت برباد ہوئی۔ مطلب یہ ہو سکے گا کہ میں نے جو شداد کے باغ ارم میں سنبل وغیرہ کی بہار دیکھی تو مجھ کو جمشید یاد آگیا جس کو تاراج کر کے اس باغ کے بانی کو ترقی ہوئی اُس وقت میں نے اُس کے مسند کو مخاطب بنا کر پوچھا کہ جمشید کا سامان جس میں سے جام جم بھی ہے جس کی اضافت مسند کی طرف بادنی ملابستہ ہے کہ اس پر رکھا رہتا تھا کہاں گیا اُس نے بزبان حال اُس کے ہلاک و زوال کی خبر افسوس کے ساتھ دی۔ اور غرض اس سے وہی تزہید مذکور مع تداول ایام بین الناس ہو جاوے گی واللہ اعلم اور یہ توجیہ گو شافی نہ ہو مگر کافی ضرور ہوگئی اور قصہ مذکورہ کا کوئی جز و اگر ثابت بھی نہ ہو تب بھی مضر نہیں کیونکہ توجیہ شعر کے لیے اس قدر منقول یا مشہور ہونا بھی اُس کا مصحح ہو سکتا ہے۔ فقط منہ عشرۂ اولیٰ محرم ۱۳۲۸ھ۔

سخن عشق نہ آں ست کہ آید بزبان ساقیا می دہ و کوتاہ کن ایں گفت و شنفت

اس شعر کا مدلول لفظی تو ظاہر ہے اور مقصود معنوی بھی خفی نہیں کہ محبت کی طلب کر رہے ہیں مگر بقرینہ لفظ گفت و شنفت۔ اس کو ماقبل سے تعلق ہونے کے احتمال سے اس کی تقریر بھی نہیں لکھی گئی اگر طبع سے پہلے حل ہو گیا تو حاشیہ پر یا آخر میں اضافہ کر دیا جاوے گا والا فلا۔

اشک حافظ خرد و صبر بدریا انداخت چہ کند سوز غم عشق نیارست نہفت

اس میں بیان ہے بعض آثار عشق کا کہ اشک حافظ دریا ہو گئے اور خرد و صبر اُس دریا میں غرق ہو گئے کیا کیا جاوے ضبط پر قدرت ہی نہیں۔ اشک مبتدا انداخت خبر خرد و صبر مفعول انداخت۔ غزل

گر ز دست زلف مشکینت خطائے رفت رفت ور ز ہندوئے شما بر ما جفائے رفت رفت

برق عشق ار خرمن پشمینہ پوشی سوخت سوخت جور شاہ کامران گر بر گدائے رفت رفت

گر دلے از غمزۂ دلدار بارے برد برد در میان جان و جاناں ماجرائے رفت رفت

در طریقت رنجش خاطر نباشد می بیار ہر کدورت را کہ بینی چوں صفائے رفت رفت

عشق بازی را تحمل باید اے دل پائدار گر ملائے بود بود و گر خطائے رفت رفت

از سخن چینان ملالت ہا پدید آید ولے چوں میان ہمنشینان ماجرائے رفت رفت

شعر آخر کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشعار ایسی حالت کے ہیں کہ مرشد سے مسترشد کے بارہ میں کسی نے سخن چینی کی ہے اور اُس طرف سے کچھ عتاب ہو گیا ہے پھر بعد تحقیق برأت ثابت ہوئی۔ جس سے مرشد کو اپنے لیے محل عتاب پر افسوس ہے پس مسترشد اس افسوس کو اس طرح رفع کرتا ہے کہ اگر آپ سے عتاب میں غلطی بھی ہو تب بھی مجھ کو کوئی ملال و شکوہ نہیں اور اس میں تعلیم ہے اس معاملہ خاص کے متعلق جو کہ احیاناً مرشد و مسترشد کے درمیان واقع ہو جاتا ہے۔ کہ ایسی حالت میں ایسا عملدر آمد کرنا چاہیے نہ یہ کہ اُس

سے مکدر ہو کر بیٹھ رہے - اور تاویل فعل مرشد کی بہت سہل ہے کہ بشر سے ایسی غلطی ہو جانا منافی اُس کے کمال کے نہیں - یا یوں سمجھے کہ ؎

آنرا کہ بجائے تست ہر دم کرمے   عذرش بنہ ار کند بعمری ستمے

اور اگر اُس سے محبت مفرطہ ہے تو اس تاویل ہی کی ضرورت نہیں کیونکہ وہاں کدورت ممکن نہیں جس کے لیے دافع کی ضرورت ہو - پس فرماتے ہیں کہ اگر محبوب کے زلف مشکین سے غلطی ہو گئی ہو گئی اور اگر محبوب کے ہندو یعنی زلف سے ہم پر کچھ سختی ہو گئی ہو گئی اور اگر برق محبت نے کسی کمل پوش کا خرمن تاب و قرار جلا دیا جلا دیا - برق محبت سے مراد غضب ہے جس نے بوجہ محبت کے برق کا سا کام کیا کہ تاب و قرار کھو دیا پس اضافہ برق کی عشق کی طرف ادنیٰ ملابستہ سے ہے یا برق عشق میں اضافہ بیانیہ ہو یعنی تمہاری محبت نے کچھ تو خود بواسطہ اس غضب کے میرا خرمن جلا دیا اور اگر بادشاہ کا جور گدا پہ ہو گیا ہو گیا اگر کوئی دل یعنی میرا دل محبوب یعنی مرشد کے اس خاص غمزہ یعنی عتاب سے بار رنج یا پیچ و تاب و پریشانی میں مبتلا ہو گیا ہو گیا - اور میری جان یعنی ذات اور محبوب اور مرشد میں اگر کوئی ماجرا ہو گیا ہو گیا - طریقت میں تو تکدر خاطر کی گنجائش ہی نہیں آپ بدستور اپنی فیض رسانی میں مشغول ہو جیے - جو کدورت بظاہر معلوم ہو جب صفائی ہو گئی - وہ کدورت جاتی رہی (اور بظاہر کی قید اس لیے کہ واقع میں تو کدورت ہوتی ہی نہیں - اس شعر میں رفت اول کی ضمیر صفا کی طرف اور رفت ثانی کی ضمیر کدورت کی طرف ہے) عاشقی کے لیے تحمل ضروری ہے - دل کو خطاب کرتے ہیں کہ مضبوط رہنا چاہیے اگر یہ قصہ عتاب کوئی امتحان تھا (ایک تاویل یہ بھی نکلی کہ شاید امتحان محبت مقصود ہو) وہ ہو چکا اور اگر کوئی غلطی تھی وہ ہو چکی اور چغل خوروں کی بدولت ایسے ملال پیدا ہو جایا کرتے ہیں لیکن جلیسوں میں ایسا ماجرا جب گزر گیا گزر گیا اُس کو دل میں نہ رکھنا چاہیے - ؎

عیب حافظ گو مکن زاہد کہ رفت از خانقاہ   پای آزادان چہ بندی گر بجائے رفت رفت

یعنی زاہد سے کہہ دو کہ حافظ پر اگر وہ خانقاہ سے چلا گیا اعتراض مت کرو آزاد لوگوں کا پاؤں کیسے باندھ سکتے ہو اگر چلا گیا چلا گیا خانقاہ سے مراد طریق زہد ہے یعنی اگر طریق زہد چھوڑ کر بمناسبت مذاق کے طریق عشق کو اختیار کر لیا جیسا لفظ آزادان اس مذاق کا قرینہ ہے تو

اعتراض کی کیا بات ہے کہ یہ بھی ایک طریق ہے تربیت کا۔ غزل

بکوی میکدہ ہر سالکے کہ رہ دانست　　　　در دگر زدن اندیشۂ تبہ دانست

یعنی جو سالک کہ عشق الٰہی کے طریقہ پر مستقیم ہو گیا وہ دوسرے دروازہ پر جانے کو یعنی غیر کی طرف التفات کرنے کو خیال فاسد جاننے لگا۔ اس میں بیان ہے اثر عشق کا کہ تشبث بالاسباب کو مغلوب کر دیتا ہے بہ خلاف سالک طریق زہد کے کہ اُس کا تشبث بالاسباب بحالہ رہتا ہے اس لیے اعتدال پر آجاتا ہے اور دنیا داروں کو اس میں غلو ہوتا ہے کہ حلال و حرام میں بھی امتیاز نہیں کرتے ہے

زمانہ افسر رندی نداد جز بہ کسے　　　　کہ سرفرازی عالم دریں کلہ دانست

یعنی عاشقی کا تاج اُسی کو ملتا ہے جو اس میں یعنی اس کے آثار تذلل و بدنامی کو سرفرازی جانتا ہے اور جو ان سے بچنا چاہتا ہے اُس کو یہ دولت میسر نہیں ہوتی اس میں تعلیم ہے آمادگی کی ان امور کے لیے۔ ہے

بر آستانۂ میخانہ ہر کہ یافت رہے　　　　ز فیض جام می اسرار خانقاہ دانست

میخانہ طریق عشق۔ خانقاہ طریق زہد۔ مطلب یہ کہ طریق عشق میں فیض عشقی سے طریق زہد کے ثمرات بھی کہ تصفیہ قلب و تزکیہ نفس ہے حاصل ہو جاتے ہیں اور حصول کے بعد دانستن لازم ہے اس لیے اسرار دانست سے تعبیر کیا۔ مقصود ترجیح ہے طریق عشقی کی کہ اُس سے غایات طریق زہد کے بھی حاصل ہو جاتے ہیں اور شدت تعلق و شغف طبعی محبوب حقیقی کے ساتھ یہ علاوہ ہے بہ خلاف طریق زہد کے کہ اُس میں طریق عشق کے اور ثمرات تو حاصل ہو جاتے ہیں مگر ایسا شغف نہیں ہوتا۔ مگر یہ ترجیح ایک وجہ خاص کے اعتبار سے ہے ورنہ بعض کی تربیت کے لیے طریق زہد اس لیے زیادہ راجح ہے کہ وہ مثلاً آثار عشق کا تحمل نہیں کر سکتے

ہر آنکہ راز دو عالم ز خط ساغر خواند　　　　رموز جام جم از نقش خاک رہ دانست

ساغر میں جو نقش و نگار بنے ہوتے ہیں خط ساغر سے وہ مراد ہیں اور راز دو عالم سے مراد

اُن کے احوال تکوینیہ تفصیلیہ نہیں ہیں کیونکہ اُن کا انکشاف نہ مقصود ہے اور نہ لازم بلکہ راز سے صرف اُن کی ایک صفت یعنی مظہر للموجود الحقیقی ہونا مراد ہے۔ اور یہ راز اس لیے ہے کہ ہر ایک کو اُس کی طرف التفات نہیں ہوتا اور جو ہوتا بھی ہے تو وہ علی الدوام مستحضر نہیں رہتا۔ اور جام جم سے مراد جام جم متعارف اور اُس کے رموز سے مراد احوال تکوینیہ تفصیلیہ جو اُس جام میں منکشف ہوتے تھے اور محط فائدہ از نقش خاک ہے نہ کہ دانست پس اس قرینہ سے یہاں ایک قید مقدر ہے ای ہرگاہ کہ دانست۔ معنی یہ ہوئے کہ جس شخص پر راز عشق منکشف ہوگیا اگر کبھی امور کونیہ اُس پر منکشف ہوتے ہیں تو اُس کو اہتمام و تکلف و توجہ کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا اُن لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے جو اسی لیے ریاضت کرتے ہیں اور جیسا جمشید کو واسطۂ جام کی حاجت ہوتی تھی بلکہ محض نقش خاک راہ سے یعنی معمولی اور سرسری طور پہ انکشاف ہوجاتا ہے اور اگر نہ ہو تو دوسری بات ہے اور وجہ احیاناً منکشف ہونے کی یہ ہوتی ہے کہ غلبۂ عشق سے شواغل نفس میں تقلیل ہوجاتی ہے اور یہی مدار ہے کشف کا بشرط اجتماع دوسرے شرائط مناسبہ کے۔ اور ایک توجیہ از نقش خاک رہ دانست کی یہ بھی کہی گئی ہے کہ از نقش خاک یقین کرد و شمار کرد یعنی اُس کو ایسے کشوف کی کچھ قدر نہیں رہی نقش پا کی برابر سمجھنے لگا جیسا کہا گیا ہے۔ ماکشف را برکفش زنیم۔ پس از تقریر اوّل پر علیہ ہوگا اور دوسری تقریر پہ من قبیل کے معنی میں ہوگا والثانی الطف معنیً والاول اوفق للاستعمال لفظاً واللہ اعلم ؎

دلم ز نرگس ساقی امان نخواست بجان ۔۔۔ چرا کہ شیوۂ آں ترک دل سیہ دانست

نرگس ساقی مراد غلبۂ عشق اطلاقاً للسبب علی المسبب چرا کہ نرگس چشم محبوب سبب ایں غلبہ عشقی می باشد و چوں آنرا مجازاً نرگس گفت دل سیہ گفتن۔ مناسب فن شعر افتاد۔ و سوءِ ادب کہ چشم ساقی را سیہ دل کہ بمعنی سنگ دل می آید لازم نیامد چرا کہ اطلاق ایں وصف بر نرگس بالمعنی الحقیقی نیست بلکہ بر مسبب او یعنی عشق کہ آں وصف عاشق است و ادب اوصافِ خود ضروری نیست چنانچہ ہمیں عشق را بلا انگیز ظالم و ستم گر و نحو ذلک می نامند مطلب ظاہر ہے کہ میں راہ عشق میں جان کی سلامتی نہیں چاہتا بلکہ جان بازی کو تیار ہوں کیونکہ عشق کا تو یہی خاصہ ہے۔ ولنعم ما قیل ؎

اگر مرد عشقی کم خویش گیر
وگرنہ رہ عافیت پیش گیر

ورای طاعت دیوانگاں ز ما مطلب
کہ شیخ مذہب ما عاقلی گنہ دانست

طاعت دیوانگاں سے مراد جنون عشق اور عاقلی سے مراد ترک عشق کی درخواست مت کرو کہ ہمارے مشرب میں یہ گناہ ہے یعنی طریقت کا کیونکہ طریق تربیت کا ترک کرنا مخل وصول الی المقصود ہے اس لیے مستحسن فی الطریقہ ہے

زجور کوکب طالع سحر گہاں چشمم
چناں گریست کہ خورشید دید و مہ دانست

شاید قبض کو کہ ایک قسم کا ہجران ہے جور کوکب کہا ہو۔ مطلب یہ کہ میں اس قدر رویا کہ عالم علوی میں بھی مشتہر ہو گیا۔

خوش آں نظر کہ لب جام و روی ساقی را
ہلال یکشبہ و ماہ چاردہ دانست

عادت ہے کہ ہلال کو بڑے شوق سے دیکھتے ہیں اور بدر کو ذوق کے لیے دیکھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ لب جام کو ہلال کی طرح اور روئے ساقی کو بدر کی طرح مشاہدہ کیا کرے۔ پس کلام میں لف ونشر مرتب ہے مقصود یہ ہے کہ عشق اور معشوق ہی میں مشغول رہے اور کسی طرف التفات نہ کرے۔

بلند مرتبہ شاہی کہ نہ رواق سپہر
نمونۂ زخم طاق بارگہ دانست

رواق سقف مقدم خانہ وپردہ کہ در کشیدہ باشند از سقف و پیشگاہ خانہ و مطلق سقف وطاق بناء خمیدہ و محراب کذا فی الغیاث۔ ومراد از بارگاہ بارگاہ عشق مطلب یہ کہ عالی رتبہ وہ بادشاہ یعنی وہ عاشق ہے کہ عشق کے سامنے تمام عالم کو ہیچ سمجھے اس کا بھی حاصل وہی ہے جو شعر سابق کا تھا۔ پس اس میں بھی تعلیم ہے عالی ہمتی کی۔ اور عاشق کو بادشاہ اس لیے کہا کہ ماسوی اللہ سے مستغنی ہے اور استغنا ہی اصل سلطنت ہے وللحافظ

مبین حقیر گدایاں عشق را کایں قوم
شہاں بے کمر و خسروان بے کلہند

حدیث حافظ و ساغر کشیدن پنہاں
چہ جای محتسب و شحنہ بادشہ دانست

حدیث الخ مفعول دانست وضمیر در آں کہ راجع ست بباد شاہ فاعل آں یعنی حافظ کی خفیہ

مے خواری کی اطلاع بادشاہ تک کو ہو گئی اور محتسب و شحنہ کا تو کیا ذکر ہے۔ مقصود یہ ہے کہ عادۃً کیفیت عشقیہ گو کتنی ہی کوشش اخفا کی کی جاوے مخفی نہیں رہتی کہ عشق و مشک را نتواں نہفتن۔ شاید اشارہ اس طرف ہو کہ اخفا کا بھی قصد نہ کرے والیہ ذہب المحققون قالوا لا یقصد الاظہار ولا الاخفاء۔

غزل

تا سرِ زلف تو در دست نسیم افتادہ است
دل سودا زدہ از غصہ دو نیم افتادہ است

بعض اشعار آئندہ کے قرینہ سے کہ اُن کا انطباق محبوب حقیقی پر خالی از تکلف و سوء ادب نہیں بہتر ہے کہ اس غزل کو شان مرشد میں کہا جاوے فافہم۔ زلف جب ہوا سے پریشان ہوتی ہے اُس کا حسن ظاہر ہوتا ہے پس یہ کنایہ ہوا ظہور کمال سے یعنی جب سے مرشد کا کمال مجھ پر ظاہر اور منکشف ہوا ہے قلب عشق سے پارہ پارہ اور خستہ ہو گیا ہے اور چونکہ عشق میں بعض اوقات دل گھٹتا ہے اس لیے از عشق کی جگہ از غصہ کہہ دیا اور سودا اور زلف میں مناسبت سے لطافت شاعری بڑھ گئی۔

چشم جادوی تو خود عین سواد سحر ست
زیں قدر ہست کہ ایں نسخہ سقیم افتادہ است

سواد حوالی شہر و مجازاً بمعنی شہر۔ سقیم بیمار و چیز ناقص مجازاً۔ یعنی مرشد کی چشم جادو کہ کنایہ ہے کمال باطنی سے جس میں خاصہ ہے تسخیر طالبین کا بجائے خود خاص ایک شہر پر جادو ہے اور اُس کی دلربائی میں شبہ نہیں لیکن اتنی کسر ہے کہ یہ نسخہ چشم شفا کے لیے ناکافی ہے کیونکہ بے التفاتی غضب کی ہے اور نفع موقوف ہے التفات پر۔ اور عین اور سواد اور سقیم کی مناسبت چشم سے مخفی نہیں۔ یہ کئی جگہ مذکور ہو چکا ہے کہ ولولہ طلب میں بعض اوقات مسترشد شکوہ کرنے لگتا ہے مرشد کی بے التفاتی کا جس کا اُس کو وہم ہو جاتا ہے۔

در خم زلف تو آں خال سیہ دانی چیست
نقطۂ دود کہ در حلقۂ جیم افتادہ است

چوں دود سیاہ باشد پس مراد از نقطۂ دود نقطۂ سیاہی ست و شاید چوں روشنائی از کاجل تیار می سازند و نقاط حروف عادۃً از روشنائی می دہند ازاں بہ نقطۂ دود تعبیر کردہ باشند

مطلب یہ کہ زلف کے اندر وہ خال ایسا اچھا معلوم ہوتا ہے جیسے جیم کے اندر نقطہ۔ مقصود ان تمثیلات سے بیان کرنا ہے کمال استحسان جمال باطنی مرشد کا یا محض تقاضائے محبت یا واسطے اظہار اعتقاد کے بغرض اُس کے متوجہ کرنے کے اور چونکہ یہ غرض محمود ہے اس لیے اس کی تحصیل کے لیے اظہار محبت خوشامد مذموم نہیں ہے خود حدیث میں ہے کہ جس سے تم کو محبت ہو اُس پر بھی ظاہر کر دو۔

سایۂ سرو تو بر قالبم اے عیسیٰ دم عکس روحی ست کہ بر عظم رمیم افتادہ است

اس میں بیان ہے اثر توجہ مرشد کا یعنی آپ کی توجہ سے مجھ کو حیات روحانی نصیب ہوتی ہے پس مجھ پر متوجہ رہیے۔

زلف مشکین تو در گلشن فردوس عذار چیست طاؤس کہ در باغ نعیم افتادہ است

یعنی آپ کے عذار پر کہ مشابہ گلشن کے ہے زلف مشکین لہراتی ہوئی ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے باغ میں طاؤس ٹہلتا ہو اس کا مقصود بھی مثل مقصود شعر ثالث اس غزل کے ہے۔

دل من در ہوس روی تو اے مونس جاں خاک راہے ست کہ در پای نسیم افتادہ است

یعنی میں ہوا کے قدموں میں خاک راہ بنا ہوا اس لیے پڑا ہوں کہ شاید ہوا مجھ کو اڑا کر آپ تک پہنچا دے اور میں آپ کو دیکھ لوں یہ کنایہ ہے کمال اشتیاق زیارت سے جو آثار محبت سے ہے اور ابتدا میں خصوصاً بہت مفید ہے۔

ہمچو گرد این تن خاکی نتواند برخاست از سر کوی تو زاں رو کہ عظیم افتادہ است

ہمچو گرد مشبہ بہ منفی کا ہے نفی کا نہیں شعر سابق میں چونکہ مہجوری تھی وہاں تو گرد ہونا مناسب تھا کہ ہوا پہنچا دے اور یہاں جب کوئی محبوب میں رسائی ہو گئی اب گرد نہ ہونا مناسب ہے کہ جنبش نہ ہو یعنی میرا تن ... کی آپ کے کوچہ سے نہ اٹھے گا جیسے گرد کہ کنایہ ہے طالب ناقص سے اٹھ جاتی ہے کیونکہ ... ب عظیم طور پر پڑا ہوں۔ اس میں بیان ہے اپنے لزوم عشق و تحمل شدائد کا تاکہ سامعین کو بعض آداب مرشد معلوم ہوں۔ پس عظیم ترکیب میں حال

ہے ایسے موقعہ پر ہمارے محاورہ میں بولتے ہیں بے ڈھب پڑا ہوں۔

انکہ جز کعبہ مقامش نہ بُد از یاد لبت　　　بر در میکدہ دیدم کہ مقیم افتادہ است

لب کو اگر کنایہ ملفوظات سے کہا جاوے بہت ہی مناسب ہے۔ مطلب یہ کہ جو شخص ہر وقت زہد ہی کا دعوے کرتا رہتا تھا اُس نے جو آپ کے کچھ ملفوظات متعلق عشق کے سُن لیے اب وہ آپ ہی کے در پر کہ محل فیض عشق ہے پڑا نظر آتا ہے۔ ؎

حافظ گمشدہ را با غمت اے جان عزیز　　　اتحادیست کہ از عہد قدیم افتادہ است

یعنی مدت دراز سے یہ گم کردہ راہ آپ کے غم عشق میں مبتلا ہے آپ اُس کی رہبری کیجیے اور یہی اصلی مقصود ہے اس قسم کی عرض معروض سے پس گمشدہ کہنے میں استجلاب ہے ترحم کا ؎

غزل

بلبلے برگ گلے خوشرنگ در منقار داشت　　　واندران برگ ونوا خوش نالہائے زار داشت

گفتمش در عین وصل ایں نالہ وفریاد چیست　　　گفت مارا جلوۂ معشوق درایں کار داشت

ترجمہ ظاہر ہے اس میں بیان ہے اس کا کہ گریہ عاشق کا ہمیشہ دلیل اُس کے فراق وحرمان مقصود کی نہیں ہے بلکہ گریہ کے اور بھی اسباب ہیں منجملہ اُن کے خود گرمی محبت ہے جو قرب و تجلی سے زائد ہو جاتی ہے جس کا اس جواب میں ذکر ہے پس کسی کی نسبت کچھ حکم لگا دینے کی جرأت نہ کرے یہ بحث رسالہ حقیقت گریہ میں نہایت بسط، وضوح سے مذکور ہے اور یہ سبب فرح کے علاوہ ہے۔ اور ایک حدیث میں جو حضرت ابی بن کعبؓ کا رونا یہ سُن کر کہ اللہ تعالےٰ نے میرا نام لیا ہے وارد ہے وہ اسی پر محمول کرنا اقرب ہے۔ ؎

یار اگر ننشست با ما نیست جائے اعتراض　　　بادشاہ کامران بود از گدایان عار داشت

عار سے مراد مطلق عدم مناسبت جس کی وجہ محبوب کا کمال وجوب ذکہ معبر ہے بادشاہ سے اور محب کا نقصان امکان وافتقار ذکہ معبر ہے گدا سے اہے مطلب یہ کہ چونکہ یہ مقرر ہے کہ چہ نسبت خاک را با عالم پاک اس لیے قرب و وصول نہ ہونا تو اصل ہے اور جائے شکوہ نہیں

ہاں اگر قرب و وصول ہو جائے یہ البتہ محل تعجب ہے اور فضل محض ہے اس میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے سالک منضجر کے لیے کہ اس مضمون کے استحضار سے اس کا ضجر خاطر بالکلیہ زائل ہو جاوے البتہ فضل کی درخواست ہر حال میں ضرور ہے۔ ے

عارفی کو سیر کرد اندر مقام نیستی ہست شد چوں منتہیٰ از عالم اسرار داشت

یعنی فنا پر بقا مرتب ہوتا ہے اور منتہی داشتن یہ بھی ایک قسم ہے فنا کی جس کو فناء علمی کہتے ہیں اور عالم اسرار سے مراد واردات عشقیہ کہ غیر عاشق کے اعتبار سے وہ اسرار ہیں اُن واردات کے غلبہ سے دوسرے معلومات سے ذہول ہو جاتا ہے یہی فناء علمی ہے۔ ے

در نمی گیرد نیاز و عجز ما با حسن دوست خورم آں کز نازنیناں بخت برخوردار داشت

مطلب یہ کہ کوئی اپنے عجز و نیاز کے بھروسہ نہ رہے وہ محبوب کے کمال کے سامنے موثر نہیں ہو سکتا کیونکہ ادھر تو عجز و نیاز بوجہ ناقص ہونے کے جس سے حق عبدیت جو مقتضا ہے محبوب کی عظمت کا ادا نہیں ہو سکتا فاعل نہیں اور ادھر ذات و صفات بوجہ کامل اور واجب ہونے کے منفعل نہیں پھر تاثیر کی گنجائش کیا ہے بس اکتساب تو موثر نہ ہوا اب جس پر فضل ہے محض موہبت ہے جس کو بخت سے تعبیر کیا گیا ہے البتہ ہمارے امکان اور اُن کے وجوب کا مقتضا فی نفسہ یہی ہے کہ ہم اُن کے سامنے عجز و نیاز کیا کریں۔ اس میں بھی بڑے پاکیزہ مسئلہ کی تعلیم ہے۔ ے

خیز تا بر کلک آں نقاش جاں افشاں کنیم کیں ہمہ نقش عجیب در گردش پرکار داشت

اس میں صور جمیلہ مخلوقہ سے نظر ہٹانے کا اور خالق الصور کی طرف توجہ بحث کرنے کا امر فرماتے ہیں کہ لائق محبوبیت کے وہ ذات ہے جس کے قلم کی حرکت سے یہ تمام نقوش پیدا ہو گئے۔ اس میں بھی بڑا ضروری مسئلہ مذکور ہے جس میں صدہا غلط فہمی کر رہے ہیں۔ ے

گر مرید راہ عشقی فکر بدنامی مکن شیخ صنعان خرقہ رہن خانہ خمار داشت

ع وہی ان الوصول موہوب لا مکتوب لکن مع ذلک فی الکسب وجوب ۱۲ لطف رسول

صنعان بالفتح نام بزرگے کہ قصہ آں مشہور ست وخمار شراب فروش وخرقہ رہن خانہ خمار داشتن کنایہ از رسوا شدن چرا کہ ایں فعل ظاہر ست کہ موجب رسوائی ست۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو شیخ صنعان نے کیا تم بھی وہی کرو بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب اُس نے عشق مجازی میں بدنامی کی پروانہ کی تو تم عشق حقیقی میں اس کی کیوں پرواکرتے ہو قال الرومی رح ؎

عشق مولے کے کم از لیلےٰ بود ۔۔۔ گوئے گشتن بہر او اولےٰ بود ؎

وقتِ آں شیریں قلندر خوش کہ در اطوار سیر ۔۔۔ ذکر و تسبیح ملک در حلقۂ زنار داشت

اطوارِ سیر احوال سلوک۔ مطلب تعلیم ہے ترک ریا کا یعنی وہ بڑا اچھا عاشق ہے جو ظاہر میں گو بدنام ہو مگر مشغول بذکر و طاعت علی الدوام مثل ملائکہ کے ہو جن کی شان ہے لایفترون اور بوجہ اختفاء عن العیون کے اُن کی شان لایرا وُن بھی ہے حاصل یہ کہ تعمیر باطن کو منظور نظر رکھے گو تعمیر ظاہر نہ ہو۔ یہ مقصود نہیں کہ ظاہراً شرع کو ترک کر دے بلکہ غرض یہ ہے کہ گو جاہ و شہرت و اعتقاد عوام نہ ہو اور یہ بھی مقصود نہیں کہ قصداً رسوا ہو چنانچہ لفظ گو سے احقر نے اس کو ظاہر بھی کر دیا ہے۔ ؎

چشم حافظ زیر بام قصر آں حوریں سرشت ۔۔۔ شیوۂ جنات تجری تحتھا الانہار داشت

اس میں اقتباس ہے۔ مقصود بیان کرنا ہے کثرت بکا کا کہ منجملہ آثار عشق کے ہے۔ ؎

غزل

بدام زلف تو دل مبتلائے خویشتن است ۔۔۔ بکش بغمزہ کہ اینش سزائے خویشتن است

خویشتن ترجمہ نفسہ ست برائے تاکید در مصرعہ اولی برائے تاکید زلف و در مصرعہ ثانیہ برائے تاکید ضمیر شین کہ راجع بدل است و مضاف الیہ سزا۔ یعنی دل خاص تیرے دام زلف یعنی عشق میں مبتلا ہے (خاص کہنے سے یہ فائدہ ہو سکتا ہے کہ بواسطہ مظاہر جمیلہ کے نہیں بلکہ بلا واسطہ) اُس کو تجلی (جلالی) سے قتل کر دے (قید جلالی کا قرینہ بکش ہے کیونکہ جمالی محیی ہے) کہ اُس کی یہی سزا ہے (مقصود اس عنوان سے محض حکم بالترتب ہے یعنی عشق پر کشتگی مرتب ہوتی ہے جیسے سزا مرتب علی الفعل ہوتی ہے عاشق کو اُس کے لیے تیار رہنا

چاہیے۔ ؎

گرت ز دست برآید مراد خاطر ما　　　بخش زود کہ خیرے برای خویشتن است

یہ محبوب حقیقی کو خطاب نہیں ہو سکتا لاستحالۃ استکمالہ بالغیر البتہ مرشد کو مخاطب کہنا ممکن ہے اور مطلب ظاہر ہے کہ ہم کو نفع پہنچانے میں آپ کو ثواب واجر ہو گا یہ مطلب نہیں کہ ہم کو نہ ہو گا بلکہ معنی یہ ہیں کہ آپ کو بھی ہو گا۔ ؎

بجانت ای بت شیریں من کہ ہمچوں شمع　　　شبان تیرہ مرادم فنای خویشتن است

یعنی شبہائے تار میں شمع کی طرح کہ وہ جل کر فنا ہو جاتی ہے میرا مقصود بھی فناء ہی ہے اور تخصیص شب کی اگر حقیقی معنی پر محمول ہو اس لیے ہو سکتی ہے کہ اعمال جن پر احوال باطنیہ زیادہ مرتب ہوتے ہیں اکثر شب ہی میں واقع ہوتے ہیں اور اگر مجازی معنی یعنی فراق وہیبت پر محمول ہو اس لیے ہو سکتی ہے کہ فناء کے بعض اقسام ہیں کہ وہ فناء اخلاقی ہے ان خاص احوال کو زیادہ دخل ہے کہ ان سے شکستگی پیدا ہوتی ہے پس اشارہ ہو گا بعض منافع احوال مذکورہ کی طرف۔ ؎

چورای عشق زدی باتو گفتم ای بلبل　　　مکن کہ ایں گل خود رو برای خویشتن است

یہاں مخاطب وہ شخص ہے جو طریق عشق کو اس غرض سے اختیار کرے کہ حسب خواہش ثمرات ومواجید اُس پر مرتب ہوں گے۔ پس فرماتے ہیں کہ اگر (اس غرض سے) عشق اختیار کرنے کی رائے قرار دی ہے تو میں کہہ چکا ہوں یعنی کہے دیتا ہوں کہ ایسا مت کرو اس واسطے کہ یہ موجود بالذات (خود رو اس سے کنایہ ہے کہ اُس کی روئیدگی بلا کسی کی صنعت کے ہوتی ہے) کائنات سے مستغنی ہے (برائے خویشتن اس سے کنایہ ہے اور خود رو میں۔ اشارہ علت استغنا کی طرف کر دیا گیا یعنی موجودیت بالذات سبب ہے استغناء کا) اور جو مستغنی بالذات ہو گا اُس پر دوسرے کا اثر تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اُس اثر کی وجہ سے دوسرے کی خواہشیں پوری کیا کرے بلکہ جو امر خود اُس کے علم میں قرین حکمت ہو گا وہی کرے گا پس جو شخص اس طریق کو اختیار کرے تجویزوں سے قطع نظر کرلے اور نامرادی کو مراد سے افضل

سمجھے ولنعم ماقیل ؎

اگر مرد عشقی کم خویش گیر — وگرنہ رہ عافیت پیش گیر ؎

بمشک چین و چگل نیست حسن گل محتاج — کہ نافہاش ز بند قبای خویشتن است

یعنی محبوب کے خود بند قبا ہی سے نافے پیدا ہوتے ہیں مقصود یہ ہے کہ محبوب حقیقی کے کمالات ذاتی ہیں مستفاد عن الغیر نہیں گویا اس میں من وجہ تفسیر ہے شعر سابق کی۔ ؎

مرو بخانۂ ارباب بے مروت دہر — کہ کنج عافیت در سرای خویشتن است

اس میں نہی ہے حرص و اظہار حاجت عند الخلق سے جو کہ شرائط طریق سے ہے ؎

بسوخت حافظ و در شرط عشق و جانبازی — ہنوز بر سر عہد و وفائے خویشتن است

در حرف جار متعلق برابط در خویشتن است یعنی باوجود مصاعب و مصائب کے راہ عشق سے منہ نہیں موڑا۔ اس میں اشارہ ہے کہ جو ظاہری و باطنی بلیات اس راہ میں پیش آویں اُن کا برداشت کرنا واجب ہے کما قیل ؎

ناخوش تو خوش بود بر جان من — دل فدای یار دل رنجان من

صوفی از پر تو می راز نہانی دانست — گوہر ہر کس ازیں لعل توانی دانست

پرتو می اثر عشق۔ راز نہانی معرفت حق۔ گوہر طینت و استعداد۔ لعل مراد شراب کہ مصداقش عشق است و لطافت شاعری در ایراد الفاظ متناسبہ مخفی نیست۔ یعنی سالک کو عشق کے اثر سے حق تعالے کی معرفت حاصل ہو گئی آگے فرماتے ہیں کہ اس عشق کے واسطے سے ہر شخص کی طینت و استعداد معلوم کر سکتے ہو اس طرح کہ جو شخص صالح الاستعداد ہے وہ یا اس میں ساعی ہے یا کم از کم قائل اور جو شخص فاسد الاستعداد ہے وہ اس کا مخالف اور معاند۔

شرح مجموعۂ گل مرغ سحر داند و بس — نہ کہ ہر کو ورقے خواند و معانی دانست

مجموعہ مراد مرتبہ اجمال بہ قرینہ لفظ شرح یعنی یوں تو محبوب کی معرفت اجمالیہ سب ہی کو حاصل ہے مگر کسی قدر اُس کی تفصیل کہ قرب وقبول میں دخل رکھتی ہو یہ صرف طالب ہی کو نصیب ہے نہ اُس کو کہ اوراق کا درس کرتا ہو اور مافی الاوراق کے معانی لغویہ و اصطلاحیہ جان گیا ہو۔ مقصود یہ کہ یہ علم وجدانی ہے استدلالی نہیں۔ اور بعض نسخوں میں مصرعہ ثانیہ میں کہ پہلے ہے اور نہ پیچھے ہے تو اس صورت میں معانی کے قبل واو نہ ہونا چاہیے اور معنی یہ ہوں گے کہ مرغ سحر کے سوا کسی کے نہ جاننے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بات نہیں کہ جس نے اوراق پڑھ لیے ہوں وہ ان معانی واسرار کو جانتا ہو اس لیے مقید بالدرسیات کا اس سے آگاہ ہونا ضرور نہیں مقصود ترغیب ہے تصفیہ باطن کی کہ یہ علوم قلب پر وارد ہوں ۔

عرضہ کردم دو جہاں بر دل کار افتادہ — بجز از عشق تو باقی ہمہ فانی دانست

باقی مفعول اول دانست و ہمہ تاکید او و فانی مفعول ثانی۔ کار افتادہ آنکہ اورا کار عشق افتادہ مقصود یہ ہے کہ محب بجز محبت الٰہیہ کے کسی طرف ملتفت نہیں ہوتا نعم دنیا کی طرف تو مطلقاً اور نعم آخرت کی طرف بالذات پس نصوص سوال آخرت کہ مرتبہ بالعرض میں ہے اس کے منافی نہیں ۔

آں شد اکنوں کہ ز افواہ عوام اندیشم — محتسب نیز ازیں عیش نہانی دانست

محتسب سے مراد وہ منکر جو قدرت ایذاء کی رکھتا ہو اور عوام سے مراد وہ منکرین جو اس کی قدرت نہ رکھتے ہوں مقصود یہ ہے کہ عشق میں نہ ایذاء بالید سے اندیشہ کرے نہ ایذاء باللسان سے۔ ۔

دلبر آسایش ما مصلحت وقت ندید — ورنہ از جانب ما دل نگرانی دانست

دل نگرانی بیای مصدری دل نگران ای مشتاق شدن۔ اس میں نہایت مفید مسئلہ کی تعلیم ہے یعنی اشتیاق کے موافق جو احوال پیش نہیں آتے محبوب کو اطلاع تو ہمارے اشتیاق کی ہے مگر ہماری اس آسایش کو جو احوال مرادہ کے وارد ہونے سے حاصل ہوتی ہماری مصلحت کے خلاف جانتے ہیں اس لیے اُن کا افاضہ نہیں فرمایا جاتا ع کہ خواجہ خود روش

بندہ پروری داند ے

سنگ و گل راکند از یمن نظر لعل و عقیق — ہر کہ قدر نفس باد یمانی دانست

ہر کہ فاعل کند و یمن بضم یا برکت و باد یمانی فیض رحمانی کہ مسمیٰ بنفس رحمانی نیز است ماخوذ از روایت مشہورہ علی الالسنہ انی لاجد نفس الرحمان من قبل الیمن کہ در حق اویس قرنی یا اہل یمن وارد شدہ یعنی از یمن اثر فیض الٰہی می یابم کہ مقبولان حق ازاں طرف ظاہر خواہند شد۔ مطلب یہ کہ جو شخص فیض رحمانی کی قدر دانی کرے گا اور اُس کے فائض ہونے کے لیے قابلیت پیدا کرکے اُس کا مورد بنے گا اُس کو صفت کمال کے ساتھ قوت تکمیل بھی عطا ہوگی کہ وہ سنگ و گل یعنی ناقص کو لعل و عقیق یعنی کامل کر دے گا خواہ مباشرۃً اگر خدمت ارشاد اُس کے متعلق ہے خواہ تسبُباً اگر یہ خدمت اُس کے متعلق نہیں اس طرح کہ اُس کو دیکھ کر اُس کے احوال سن کر ناظرین و سامعین متاثر ہوتے ہیں ے

ای کہ از دفتر عقل آیت عشق آموزی — ترسم ایں نکتہ بہ تحقیق ندانی دانست

بہ تحقیق متعلق نفی یا منفی و دانست مصدر ست ای دانستن ندانی بحذف مضاف ای طریق دانستن ندانی و اغلب کہ بجاے ندانی نتانی باشد پس توجیہ ظاہر است مقصود اُس کا بھی مثل مقصود شعر ثانی کے ہے کہ علم عاشقی درسی و استدلالی نہیں ذوقی و وجدانی ہے ے

می بیاور کہ نہ نازد بگل باغ جہاں — ہر کہ غارتگری باد خزانی دانست

یعنی دولت محبت کہ باقی ہے حاصل کر وجس نے فنائے دنیا کو چشم تحقیق سے دیکھ لیا ہوگا وہ کبھی اسباب عیش و سرور پر مغرور نہ ہوگا۔ ے

حافظ ایں گوہر منظوم کہ از طبع انگیخت — اثر تربیت آصف ثانی دانست

حافظ مبتدا و دانست خبر۔ ایں گوہر منظوم مفعول اول دانست و اثر الخ مفعول ثانی او انگیخت لازم و آصف ثانی مرشد کہ نائب آصف اول ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم است۔ مطلب ظاہر ہے مقصود اشارہ اس طرف ہے کہ ملفوظات طیبات مملو بافادات

کا صدور متکلم اپنی جانب سے نہ سمجھے بلکہ مرشد کا فیض سمجھے۔ غزل

حاصل کارگہ کون و مکاں این ہمہ نیست — بادہ پیش آر کہ اسباب جہاں این ہمہ نیست

از دل و جاں شرف صحبت جاناں غرض ست — ہمہ آں ست وگرنہ دل و جاں این ہمہ نیست

منت سدرہ و طوبیٰ ز پئے سایہ مکش — کہ چو خوش بنگری ای سرو رواں این ہمہ نیست

دولت آنست کہ بے خون دل آید بکنار — ورنہ با سعی و عمل باغ جناں این ہمہ نیست

پنج روزے کہ دریں مرحلہ مہلت داری — خوش بیاسای زمانے کہ زماں این ہمہ نیست

بر لب بحر فنا منتظریم اے ساقی — فرصتے داں کہ ز لب تا بدہاں این ہمہ نیست

زاہد ایمن مشو از بازی غیرت زنہار — کہ رہ صومعہ تا دیر مغاں این ہمہ نیست

دردمندے چو من سوختہ زار و نزار — ظاہرا حاجت تقریر و بیاں این ہمہ نیست

از تہتک مکن اندیشہ و چوں گل خوش باش — زانکہ تمکین جہان گزران این ہمہ نیست

نام حافظ رقم نیک پذیرفت ولے — پیش رنداں رقم سود و زیاں این ہمہ نیست

ان اشعار میں کئی امر کی تعلیم ہے۔ ایک دنیا کی طرف مطلق التفات نہ کرنا نہ متاع کی طرف وہو فی الشعر الاول والرابع نہ جانا کی طرف وہو فی الشعر التاسع والعاشر نہ عمر کی طرف وہو فی الخامس والسادس نہ اپنے جسم و روح کی طرف۔ وہو فی الشعر ثانی۔ دوسرے نعماء جنت کا بالذات طالب نہ ہونا وہو فی الشعر الثالث تیسرے نہی عجب سے وہو فی الشعر السابع اور شعر ثامن اور دوسرے اشعار کے بعض بعض جملوں میں کسی امر کی تعلیم نہیں محض عشق کی طلب اور اپنے درد عشق کے ظاہر و باہر ہونے کا بیان ہے اور اس میں حاجت بمعنی محتاج ہے اور بعض نسخوں میں دردمندی من بیائے مصدری و اضافت الی الضمیر المتکلم المنفصل ہے اُس میں بھی حاجت بمعنی محتاج ہے۔ پس فرماتے ہیں کہ یہ تمام کارخانہ دنیا کا کچھ بھی نہیں بس درد عشق ہم کو عطا فرما دیجیے اور دل و جان جو عطا ہوا ہے محض مقصود اُس سے یہ

ہے کہ آدمی قرب محبوب کے قابل ہو اور اُن کو اُس کی تحصیل میں استعمال کرے پس تمام تر دولت تو یہ قرب ہے ، اور نہ دل جان بے کار ہیں - اور سدرہ وطوبیٰ سے اگر تم کو سایہ مطلوب ہے جو کہ حظ نفس ہے تو ناحق اُس کے طالب ہو اے سالک کہ استقامت میں مثل سرو ان کے ہے اگر غور کر کے دیکھو تو محض حظ نفسانی کے لیے وہ مطلوب نہیں ہاں بوجہ محل قرب ہونے کے مطلوب ہو تو اور بات ہے اور دنیا کی دولت جو اس قدر مصیبت سے حاصل ہو گیا دولت ہے کہ محنت اُس کی راحت پر غالب رہتی ہے اس شان کی دولت تو اگر جنت بھی ہو تو کچھ نہیں - یہ مبالغہ کے لیے محض فرض و تقدیر ہے کیونکہ دولت جنت تو واقع میں اس شان کی نہیں ہے بلکہ بہت ہی کم محنت میں بہت ہی بڑی یعنی غیر متناہی راحت میسر ہوتی ہے پس یہ اُس ہی میں داخل ہو گئی جس کو بے خون دل آید کہہ رہے ہیں یعنی دولت تو وہ ہے جس میں مشقت نہ ہو یعنی اُس دولت کی مقدار کے اعتبار سے وہ مشقت کالعدم ہو اور وہ دولت قرب ہے اور جنت بھی کہ مقام قرب ہے - دنیا میں جو تم کو چند روزہ عمر مل گئی ہے اس میں آسایش حقیقی کا سامان کر لو اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ صعوبات دنیا سے آسایش اختیار کرو اور اس کا بھی حاصل وہی ہو گا کیونکہ اس آسائش سے بھی وہی آسائش حقیقی مقصود ہے اور زمانہ کچھ بھی نہیں یعنی فانی و منقضی ہے یوں ہی عمر ختم ہو جاوے گی - اور چونکہ عمر باقی نہیں پس ہم موت کے انتظار میں ہیں اور اسی کو بس فرصت سمجھ لو جو کچھ بھی نہیں یعنی اس قدر قلیل جتنا فاصلہ لب سے دہن تک ہوتا ہے پس اے ساقی عنایت ازلی یا اے مرشد اس فرصت میں مدد فرمایئے کہ کچھ لے جاویں اور اے زاہد خشک تو جو اپنے تقدس پر مغرور ہے یاد رکھنا کہ غیرت الٰہی کے تصرفات عجیبہ سے بے خوف مت ہونا کہ صومعہ سے دیر مغان تک بہت فاصلہ نہیں اگر غیرت نے کام کر دیا تو مسلمان سے کافر بنا دینا کچھ مشکل نہیں - اور جیسا میں دردمند ہوں ایسے شخص کو تقریر و بیان کی حاجت نہیں میرا حال طشت از بام ہے اور پردہ دری و رسوائی سے کہ خلاف جاہ ہے کہ کبھی پروا نہ کرنا اور ہر حال میں خوش رہو کیونکہ اس جہان فانی کا جاہ و تمکین کوئی چیز نہیں اور گو بفضل خداوندی حافظ کا نام صلاح و خوبی میں مشہور ہو گیا - لیکن عشاق کے نزدیک نیک نامی و بدنامی کا سود و زیان کچھ بھی نہیں ہے۔

غزل

بحریست بحرِ عشق کہ ہیچش کنارہ نیست   آنجا جز اینکہ جان بسپارند چارہ نیست

مطلب یہ کہ جب تک عشق باقی ہے اس کے آثار شورش وسوزش منقطع نہیں ہوتے یہاں تک کہ موت آجاتی ہے مقصود یہ ہے کہ عمر بھر اس کے شدائد کے تحمل کے لیے آمادہ رہنا چاہیے طمع عافیت کی نہ رکھنا چاہیے۔

آندم کہ دل بعشق دہی خوش دمی بود   در کارِ خیر حاجتِ ہیچ استخارہ نیست

یعنی اُس کے اختیار کرنے کے لیے جب کہ شیخ کامل سے مناسبتِ مذاق معلوم ہو جاوے یا اضطراری طور پر اُس کے آثار ظاہر ہوں پس وپیش واندیشہ مت کرو وہ یقینی امر خیر ہے اور اُس کے فیضان کا وقت اچھا وقت ہے۔

مارا بمنع عقل مترسان ومی بیار   کان شحنہ در ولایتِ ما ہیچ کارہ نیست

یعنی اس کے شدائد دیکھ کر عقل مانع ہوتی ہے مگر ہم اُس کے اس حکم کو لاشئی سمجھتے ہیں اور فیض عشقی کے طالب ہیں۔

از چشم خود بپرس کہ مارا کہ میکشد   جانا گناہ طالع وجرم ستارہ نیست

قطع نظر اس عنوان خاص سے کہ بپرس وجرم ستارہ نیست جس کا سبب شورش عشق ہے کہ ایک قسم کا عذر بھی ہے اصل مضمون یہ ہے کہ عاشق جن شدائد سے متاثر ہوتا ہے اُس کا اصل سبب محبوب کی تجلیات کا ظہور وخفا ہے اور اسباب طبعیہ سے جو شدائد ہوتے ہیں مثل مرض وفقر وغیرہ وہ اُس سے چنداں متاثر نہیں ہوتا۔

ردیش بچشم پاک تواں دید چوں ہلال   ہر دیدہ جای جلوۂ آں ماہپارہ نیست

ہلال چونکہ باریک بہت ہوتا ہے اس لیے اُس کو دیکھنے کے لیے چشم کا امراض سے مبرا ہونا ضروری ہے اسی طرح محبوب کے مشاہدہ کے لیے دیدۂ بصیرت کا مبرا ہونا خلل علمی وعملی سے شرط ہے ورنہ ہر دیدہ اُس کی تجلی کا محل نہیں ہے اس میں ازالۂ رذائل کی تعلیم ہے۔

فرصت شمر طریقۂ رندی کہ ایں نشان　　　چوں راہ گنج بر ہمہ کس آشکارہ نیست

اس میں عزیز القدر ہونا طریق عشق کا بیان کرتے ہیں کہ اس کی عام اطلاع اور عام پسندیدگی اس لیے نہیں کہ اس کے آثار اکثر مفوت عافیت ہیں اور بعض بظاہر مفوت عاقبت معلوم ہوتے ہیں ؎

نگرفت در تو گریۂ حافظ بہیچ روی　　　حیران آں دلم کہ کم از سنگ خارہ نیست

ترکیب کم از سنگ خارہ نیست عرفاً نسبت ذم کے لیے مستعمل ہے اگر عرف سے قطع نظر کر کے محض اس کا مضمون لغوی دیکھا جاوے تو یہ حاصل ہے معنی صمدیت کا کہ وہ بھی لغتہً سنگ سخت کے معنی میں ہے اور اگر مقصود کنائی دیکھا جاوے تو یہ کنایہ ہے عدم تاثر سے حاصل یہ ہے کہ ذات بیں بوجہ وجوب کے انفعال اور تاثر نہیں ہر فعل کہ اس سے صادر ہوتا ہے ارادہ اور حکمت سے ہوتا ہے پس اس میں اشارہ ہو جاوے گا کہ اپنے اعمال وطلب کو موثر نہ سمجھے۔ اور اگر اس تاویل پر بھی طبیعت ابا کرے تو مرشد کی شان میں کہہ دینا اہون ہے کہ مخلوق کے ادب کے لیے معنی مجازی کافی محافظ ہے۔ فقط۔

غزل

چہ لطف بود کہ ناگاہ رشحۂ قلمت　　　حقوق خدمت ما عرض کرد بر کرمت

بنوک خامہ رقم کردۂ سلام مرا　　　کہ کارخانۂ دوران مباد بے رقمت

نگویم از من بیدل بسہو کردی یاد　　　کہ در حساب خرد نیست سہو بر قلمت

مرا ذلیل مگردان بشکر ایں نعمت　　　کہ داشت دولت سرمد عزیز و محترمت

بیا کہ با سر زلفت قرار خواہم کرد　　　کہ گر سرم برود بر ندارم از قدمت

ز حال ما دلت آگہ شود مگر وقتے　　　کہ لالہ بر دمد از خاک کشتگان غمت

روان تشنۂ ما را بجرعۂ دریاب | چو میدہند زلال خضر بجام جمت
صبا ز روی تو با ہر گلے حدیثے کرد | رقیب کے رہ غماز داد در حرمت
دلم مقیم در تست حرمتش میدار | بشکر آنکہ خدا داشتہ است محترمت
ہمیشہ وقت تو ای عیسیٰ نفس خوش باد | کہ جان عاشق دل خستہ زندہ شد بدمت
کمیں گہست و تو خوش تیز میرُوی حافظ | مکن کہ گرد برآید ز شہ رہِ عدمت

شرح میں ہے ایں غزل بجواب مرشد ست یعنی مرشد کا کوئی خط وغیرہ آیا ہے اُس کے جواب میں لکھ رہے ہیں کہ یہ کیسی عنایت ہوئی کہ آپ کی چکیدگی کلک نے اچانک یعنی جب کہ پہلے سے توقع بھی نہ تھی ہماری خادمیت کے حقوق آپ کے کرم کے روبرو پیش کیے (یہ اسناد مجازی ہے یعنی رشحۂ قلم سبب ہو گیا بذل کرم کا) آپ نے نوک خامہ سے مجھ کو سلام لکھا ہے اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ زمانہ کو آپ کے نقش ہستی سے خالی نہ رکھے (یعنی آپ ہمیشہ قائم رہیں) میں بعضے ناشکروں کی طرح کہ وہ کہا کرتے ہیں کہ ادھر بھول کر کیسے متوجہ ہو گئے ایوں نہ کہوں گا کہ مجھ کو بھولے سے یاد کر لیا ہے اس واسطے کہ بروی عقل سلیم آپ کے قلم میں سہو کا احتمال نہیں (یعنی خط لکھنے سے عنایت ہی کا قصد ہے اور کوئی غرض دنیوی نہیں جو کہ محاورہ میں اس کہنے سے کہ کیسے متوجہ ہو گئے یہی مقصود ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ غرض پرستی سے آپ کی شان ارفع ہے اور اس سے مطلق سہو کی نفی مقصود نہیں اب میں چاہتا ہوں کہ آئندہ بھی ایسے ہی الطاف ناموں سے یاد رکھیے بے التفاتی کر کے مجھ کو اس نعمت کے شکرانہ میں ذلیل نہ کیجیے کہ دولت سرمد نے آپ کو عزیز اور محترم رکھا ہے۔ میری طرف متوجہ ہو جیے میں آپ کے جذبۂ محبت سے یہ عہد (مکرر) کروں گا کہ اگر میرا سر بھی جاتا رہے تب بھی آپ کے قدم سے نہ اٹھاؤں گا مکرر اس لیے کہا کہ خود وقت ارادت کے یہ عہد قالاً یا حالاً ہو بھی چکا ہے اب یہ تجدید بشکرانہ کرم نامہ کے ہے آگے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں کہ) ہمارے دل کی محبت کا (پورا) حال آپ کو معلوم تو ہو جاوے گا مگر اُس وقت معلوم ہو گا جب آپ کے مقتولان محبت کی قبروں پر لالہ جم آوے گا (یعنی جب وہ مرجاویں گے ابھی اتنا معلوم نہیں مقصود یہ ہے کہ

ہم کو اس درجہ کی محبت ہے تو اسی درجہ کی توجہ کے خواہاں ہیں سلام و پیام سے زیادہ یاد رکھیے اور) ہماری جان تشنہ کو ایک جرعۂ توجہ سے سرفراز کیجیے جب کہ آپ کو جام جم ہیں آب حیات خضری عطا کیا جاتا ہے (یہ کنایہ ہے فیوض آلہیہ سے اور) قاصد نے ہر طالب سے آپ کی حکایتیں بیان کیں (یعنی جس طرح میرے پاس خط آیا اور طالبین کے پاس بھی رقعے پرچے یا زبانی پیام اُس قاصد کے ہاتھ پہنچے جس پر بحکم رشک محبت کہتے ہیں کہ) پہرہ دار نے (رقیب بمعنی محافظ آپ کے حرم ہیں غماز (یعنی قاصد من ہذہ الحیثیۃ) کو کب اور کس وقت رستہ دے دیا تھا کہ اُس نے دوسرے گلوں سے آپ کی حکایتیں بیان کیں۔ یہ مضمون ناشی ہے شکر سے کما قیل ؎

بالا بہ ترانمے پسندم   عشق ست و ہزار بدگمانی

(آگے مثل شعر ثالث کے پھر طالب استمراد توجہ ہوتے ہیں کہ) میرا دل آپ کے دروازہ پر پڑا ہے اُس کا پاس رکھیے اس نعمت کے شکر ہیں کہ خدا تعالٰے نے آپ کو محترم بنایا ہے (آگے دعا پر جواب کو ختم پر لانا چاہتے ہیں کہ) اے مسجادم خدا تعالٰے ہمیشہ آپ کو خوش رکھے کہ آپ کے کلام تحریری سے عاشق دلخستہ کی جان زندہ ہوگئی (آگے بطور جملہ زیادہ حد ادب کے بالکل ختم کرنا چاہتے ہیں جس ہیں بعضے شوخ مضامین کی جو کہ اس جواب ہیں سرزد ہوئے ہیں معذرت بھی ہے یعنی) مخاطبت مرشد کی یہ مثل کمین گاہ کے ایک نازک مقام ہے اور تم مطلق العنان تیز چلے جاتے ہو ایسا مت کرو کبھی عدم یعنی ہلاکت روحانی کی شاہراہ سے تمہاری گرد اٹھتی نظر آوے یعنی بے ادبی ہیں ہلاک نہ ہو جاؤ (شہ رہ) مخفف شاہراہ (اس ہیں ایک گونہ تعلیم بھی ہوگئی کہ اگر غلبہ محبت ہیں کوئی بے ادبی ہو جاوے فی الفور معذرت کر لے) اور اگر ترکیب عیسٰی نفس باضافۃ ثابت نہ ہو چنانچہ میری نظر سے نہیں گزرا تو دوسرا نسخہ لے لیا جاوے یعنی عیسٰی صبا اس تقدیر پر اس کی تقریر شکریہ قاصد کے ساتھ بہتر ہو گی کہ اُس کے گفتگوے قاصدانہ سے طالب کو حیات و فرحت میسر ہوئی واللہ اعلم ؎

غزل

زگریہ مردم چشمم نشستہ در خون ست   ببیں کہ در طلبت حال مردمان چوں ست

بیاد لعل لب و چشم مست می گونت   زجام غم مے لعلے کہ میخورم خون ست

زمشرق سرکوی آفتاب طلعت تو   اگر طلوع کند طالعم ہمایوں ست

حکایت لب شیریں کلام فرہاد ست | شکنج طرہ لیلےٰ مقام مجنوں ست
دلم بجو کہ قدت ہمچو سرو دلجو لیست | سخن بگو کہ کلامت لطیف و موزوں ست
ز دور بادہ بجان راحتم رساں ساقی | کہ رنج خاطرم از جور دور گردوں ست
ازاں زماں کہ ز دستم برفت یار عزیز | کنار دیدۂ من ہمچو رود جیحون ست
چہ گونہ شاد شود اندروں غمگینم | باختیار کہ از اختیار بیروں ست
ز بیخودی طلب یار مے کند حافظ | چو مفلسے کہ طلب گار گنج قاروں ست

یہ غزل غالباً حالت قبض کی ہے کہ تمام اشعار میں فراق کا شکوہ اور وصل کی تمنا مذکور ہے یعنی غایت گریہ سے میری پتلی خون میں غرق ہو گئی اے محبوب ذرا طالبوں کے حال کو تو دیکھیے آپ کی یاد میں (جو کہ فراق کے وقت ہے) جام غم سے جو شراب کہ میں نوش کرتا ہوں وہ وہ شراب خون ہے یعنی خون پیتا ہوں اگر آپ کی تجلی ہو جاوے تو میری قسمت بڑی اچھی ہے (اور اے سامعین میرے اس ذکر فراق و وصال کا اور اس تعلق بعشق کا تعجب مت کرو کیونکہ عشاق تو ہر حال میں محبوب ہی کا ذکر کیا کرتے ہیں چنانچہ) فرہاد کا کلام یہی ہوگا کہ لب شیریں کی حکایت کرے اور مجنون (کے دل) کا مقام بس شکنج زلف لیلیٰ ہی ہوگا (اے محبوب) ہماری خاطرداشت کیجیے اور ہم سے خطاب کیجیے یعنی تجلیات و واردات سے مشرف فرمائیے اور بادہ فیض سے مجھ کو راحت پہنچائیے کہ جور فراق سے میرا دل رنجیدہ ہے جب سے میرا محبوب میرے ہاتھ سے گیا ہے۔ یعنی جدا ہوا ہے غایت گریہ سے میری آنکھوں کی آغوش یا دامن کا کنارہ (علی اختلاف النسختین و اختلاف اللغتین فالمعنی الاول بکسر الکاف والثانی بفتحہا کذا فی الغیاث) رود جیحون بن گیا ہے۔ اور میرا دل غمگین کیونکر (اس حالت فراق میں) قصد و اختیار سے خوش ہو (یعنی لوگ سمجھاتے ہیں کہ میاں دل کو خوش رکھو تو کیسے خوش رکھوں) کیونکہ یہ تو اختیار سے خارج ہے (خوشی تو جب ہی میسر ہوگی جب فراق مبدل بوصال ہو (اور یہ خوشی مرتبہ طبیعت میں ہے اور عقلی خوشی عین حالت فراق مصطلح میں بھی جب کہ اُس کے مصالح پر اجمالاً یا تفصیلاً نظر کی جاوے ممکن اور واقع ہے

آگے کہتے ہیں کہ حافظ جو محبوب (کے وصال) کی درخواست کر رہا ہے حالانکہ (طالب اور مطلوب میں کچھ مناسبت چاہیے اور وہ یہاں مفقود ما للتراب ورب الارباب پس) اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی مفلس (اپنے حوصلہ سے زیادہ) گنج قارون کا طالب ہو تو یہ درخواست (ایسی بے عقلی کی) محض ناشی بے خودی سے ہے (بے خودی میں عقل کی موافقت و مخالفت پر نظر نہیں رہتی اور طلب یار کے ترجمہ میں جو احقر نے لفظ وصال نکال دیا ہے وجہ اُس کی یہ ہے کہ نفس طلب بمعنی طلب رضا تو عین قضیۂ عقل ہے اور مامور بہ شریعت ہیں۔ اسی طرح طلب لقاء آخرت میں اور گو حوصلہ سے وہ بھی زائد ہے مگر امر شرعی اور وعدۂ یقینی اس پر غالب ہے اور اس وعدہ ہی کی فرع ہے عطاء تحمل البتہ یہ مواجید خاصہ جو اصطلاحی وصل ہے شرعاً بھی مامور بہ نہیں اور اُن کے در پے ہونا تعلیم عقل صحیح کے بھی خلاف اسی لیے اکابر منع بھی کرتے ہیں شعر میں اس کا ذکر ہے اور باوجود اس کے طلب کرنا شعر میں اس کا عذر ہے۔

غزل

زاں یار دلنوازم شکریست باشکایت ... گر نکتہ داں عشقی خوش بشنو ایں حکایت

بیمزد بود و منت ہر خدمتے کہ کردم ... یارب مباد کس را مخدوم بے عنایت

رندان تشنہ لب را آبے نمید ہد کس ... گویا ولی شناسان رفتند ازولایت

در زلف چوں کمندش ایدل مپیچ کانجا ... سرہا بریدہ بینی بے جرم و بے خیانت

ایں راہ را نہایت صورت کجا تواں بست ... کش صد ہزار منزل بیش ست در بدایت

چشمت بغمزہ ما را خون خورد و می پسندی ... جانا روا نباشد خونریز را حمایت

ہر چند بردی آبم روز از درت نتابم ... جور از حبیب خوشتر کز مدعی رعایت

ای آفتاب خوباں می سوزد اندرونم ... یک ساعتم بگنجان در سایۂ سرایت

در ایں شب سیاہم گم گشتہ راہ مقصود
از گوشہ برون آے کوکب ہدایت

از ہر طرف کہ رفتم جز وحشتم نیفزود
زنہار ازیں بیابان ویں راہ بے نہایت

عشقت رسد بفریاد گر خود بسان حافظ
قرآن ز بر بخوانی با چاردہ روایت

اس غزل کے مضمون میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی باطنی شدید حالت میں گرفتار ہیں اور کشود کار میں توقف ہوا پس غایت وحشت سے مرشد پر بھی جھنجھلاتے ہیں اور دوسرے اہل ارشاد کی بھی شکایت کرتے ہیں پس فرماتے ہیں کہ اپنے یار دلنواز یعنی مرشد کا شکریہ بھی ادا کرتا ہوں بوجہ دلنوازی کے کہ مجھ کو راہ پر ڈال دیا اور رہنمائی کی مگر یہ شکریہ شکایت کے ساتھ بھی مقرون ہے وہ شکایت شعر ثانی وثالث میں مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اب دستگیری کر کے اس مخمصہ موجودہ سے رہائی نہیں دیتے اگر تم راز دان عشق ہو تو اس حکایت کو اچھی طرح سنو وہ یہ ہے کہ ہم جس قدر خدمت بجا لائے نہ اس کا کچھ صلہ ملا نہ اس کا احسان مانا یعنی نہ کچھ معاوضہ ملا نہ اس کی قدر کی گئی۔ مراد معاوضہ و قدر سے یہی ہے کہ اس عقبہ میں میری مدد کی جاتی۔ خدا کرے کسی کو ایسا مخدوم بے مہر نہ ملے آگے عام شکایت ہے کہ پیاسوں کو کوئی پانی نہیں دیتا معلوم ہوتا ہے سارے ولی اس ملک سے کہیں چلے گئے ہیں یہاں کوئی نہیں رہا کہ ایک پیاسے کی پیاس کو نہیں بجھا سکتے۔ رولی شناس کنایہ ولی سے ہے کیونکہ ولی را ولی می شناسد شاید اس تعبیر سے مبالغہ مقصود ہو کہ ولی تو کیا اگر کوئی ولی شناس ہی ہوتا تو خیر کسی ولی کا پتہ ہی بتلا تا کہ اس سے رجوع کرتا م تنگ ہو کر کہتے ہیں کہ مرشد سے کوئی جی نہ لگا تا کہ وہاں بے گناہ سر کاٹا جاتا ہے رشاید مستر شد پر اس کے بے موقع تقاضا و پریشان گوئی سے کوئی ڈانٹ پڑ گئی ہو گی یہ تنگی اس سے ہوئی اور بے جرم سے مراد جرم خفیف ہے پریشانی میں اپنا جرم خفیف ہی نظر آتا ہے یہی عذر ہے اس بے باکی کا۔ آگے راہ عشق کا بے پایاں ہونا بیان کرتے ہیں کہ اس طریق کا انتہا کہاں ہو سکتا ہے۔ جس کی ابتدا ہی میں لاکھوں عقبات ہیں رآگے عتاب کی شکایت ہے کہ آپ کی نگاہ عتاب نے اور رہا سہا برباد کر دیا حضرت خونریز کی حمایت اچھی نہیں یعنی اس عتاب کا استمرار مناسب نہیں اور گو آپ نے اس عتاب سے ذلیل و خوار کیا مگر

میں ہٹنے والا نہیں ہوں مدعیان مشیخت وارشاد یعنی شیخان مزور کی رعایت سے آپ کی کہ مستحق محبت ہیں سختی اور بے التفاتی ہی اچھی ہے (لاقتضاء المحبۃ الراسخۃ ولبناء علی مصالح) اور اب میری سوزش بہت بڑھ گئی ہے اپنے خانہ عنایت کے سایہ میں تھوڑی دیر مجھ کو بھی جگہ دے دیجیے اس شب سیاہ یعنی حالت حیرت میں میرا ارادہ مقصود گم ہو گیا ہے ۔اے ہادی ادھر توجہ فرمائیے (اور آفتاب اور سایہ کا مقابلہ اور شب سیاہ اور کوکب کا مقابلہ ظاہر اللطف ہے) میں جہاں گیا وحشت ہی زائد ہوئی اس بادیہ خونخوار و ناپید اکنار سے بھی پناہ ہے (مقصود اس سے محض استعظام ہے نا کہ استعاذہ۔ آگے نفس کو امید دلا کر تسلی دیتے ہیں کہ) اگر تم اتنے بڑے عالم بھی ہو کہ قرآن مجید چودہ روایت کے ساتھ تم کو حفظ ہو تب بھی اس طریق میں تمہارا فریادرس عشق ہی ہو گا علوم مکتبہ فریادرسی نہ کریں گے یعنی عقبات سے نجات کے لیے درسیات کافی نہ ہوں گی۔ بس استقامت علی الطلب ہی سے کوئی لطیفہ غیبی ایسا وارد ہو گا کہ ترقی کی راہ کھول دے گا۔ اور بعض نسخوں میں کز خود ہے یعنی عشق ایسی فریادرسی کرے گا جس سے از خود یعنی بطور موہبت کے تم ایسے علامہ بن جاؤ گے مگر اس صورت میں الفاظ قرآن مراد نہ ہوں گے بلکہ اسرار جو کہ قلب پر فائز ہوتے ہیں اور چودہ روایت کی توجیہ دو ہوسکتی ہیں یا تو چودہ قرأت سات مشہور اور باقی غیر مشہور اور یا سات مشہور قرارت کے سات ائمہ ہیں اور ہر امام کے دو دو راوی یہ چودہ روایتیں ہوئیں۔

غزل

اس غزل کے بعض اشعار محبوب حقیقی کے معاملہ پر منطبق ہوسکتے ہیں اور بعض مرشد کے معاملہ پر۔

یارب سببے ساز کہ یارم بہ سلامت ۔ باز آید بر ہاندم از چنگ ملامت

خاک رہ آں یار سفر کردہ بیارید ۔ تا چشم جہاں بیں کنمش جائے اقامت

غالباً مرشد سفر میں ہیں اور اشتیاق سے یا انقطاع فیوض سے حالت خستہ ہے جس پر ناواقف ملامت کرتے ہیں اس لیے کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ کوئی ایسا سامان کر دیجیے کہ مرشد آجاویں جس سے میری حالت درست ہو جاوے تا کہ خلائق کی ملامت سے بچ جاؤں اب شدت اشتیاق سے کہتے ہیں

کہ اُن کی راہ کی خاک ہی لا دو تا کہ اپنی چشم جہان بین کو اُس خاک کا مقام بناؤں اور شعر اول کی توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ لائمین اُس کی محبت میں اس لیے ملامت کرتے ہیں کہ اُس کو دیکھا نہیں وہ آ جاوے تو سب اُس کو دیکھ لیں اور پھر ملامت چھوڑ دیں جیسا زلیخانے یوسف علیہ السلام کا جمال لائمات کو دکھلا کر کہا تھا فذلکن الذی لمتننی فیہ اور مرشد پر اس کا انطباق اس طرح ہو سکتا ہے کہ بعض غیر معتقدین اُن سے انبساط پر ملامت کرتے ہوں گے جو اُن کے کمالات کے مشاہدہ پر ختم ہو جاوے گی ۔

فریاد کہ از شش جہتم راہ ببستند آں خال وخط وزلف ورخ عارض وقامت

اس میں بیان ہے اپنی حالت کا کہ راہ ببستند عبارت اسی سے ہے اور یا وہ عبارت ہے اس سے کہ ایسا اسیر کیا کہ رہائی ہی متصور نہیں اور دونوں کا سبب عشق ہے ۔ اشیاء مذکورہ مصرعۂ ثانیہ کو سبب کہنے سے یہی مراد ہے ۔ ایک حاشیہ میں ہے لفظ شش لطفے دارد کہ خال وخط وغیرہ در شعر بہمین عدد واقع ست اور یہ محبوب حقیقی و مرشد ہر دو پر منطبق ہو سکتا ہے ۔ اور فریاد کرنا توجیہ ثانی پر اس اسیری کے زوال کی تمنا نہیں بلکہ شدت اضطراب اس کا منشاء ہے ۔

امروز کہ در دست توام مرحمتے کن فردا کہ شوم خاک چہ سود اشک ندامت

اس میں خطاب ہے مرشد کو کہ میرے حال پر توجہ کیجیے ورنہ جب میں مرجاؤں گا اور آپ اپنی بے توجہی کو یاد کر کر کے افسوس کیا کریں گے اُس وقت کیا فائدہ ہوگا ۔ یہ سب شدت اشتیاق کے مخاطبات ہیں جس کی وجہ شبہ بے التفاتی کا ہے اور بعض اوقات واقع میں بھی مرشد سے باقتضاء طبیعت بشری توجہ الی المسترشد میں کوتاہی ہو جاتی ہے تو اس صورت میں حکیمانہ تنبیہ ہے ۔

اے آنکہ بتقریر و بیان دم زنی از عشق ما با تو نداریم سخن خیر و سلامت

اس میں خطاب اُس شخص کو ہو سکتا ہے جو احوال خاصہ پر دمثل ما ذکر فی الاشعار السابقۃ) عاشق کو ملامت کرتا ہے اور اُس سے تحقیق سبب اضطراب کی کرتا ہے پس جواب دیتے

ہیں کہ عشق کے آثار قالی نہیں خالی ہیں۔ اور خیر و سلامت مختصر ہے مثل مشہور ما بخیر و شما بسلامت کا۔ ؎

درویش مکن نالہ ز شمشیر احبا کایں طائفہ از کشتہ ستانند غرامت

اس میں تسلی ہے طالب کی کہ ان مرشدوں کے (کہ محبوب ہیں) معاملہ سے نالاں مت ہو کر یہ حضرات مسترشد بن ہی کا جو کہ خود ہی مصیبت باطنی میں مبتلا ہیں قصور نکالا کرتے ہیں۔ کشتگی اسی مصیبت زدگی کو اور غرامت بمعنی جرمانہ و تاوان اسی قصور نکالنے کو کہا اس عنوان سے تعبیر کرنا محض ضیق قلب سے ہے ورنہ فی نفسہ تنبیہ ہے اس پر کہ بعض اوقات یہ باطنی مصیبتیں واقع میں سالک کی بے اعتدالی یا بے علمی سے پیش آجاتی ہیں۔

در خرقہ زن آتش کہ خم ابروے ساقی بر می شکند گوشۂ محراب امامت

اس میں بیان ہے اس کا کہ بعض اوقات طالب کو تنگی اس وجہ سے پیش آتی ہے کہ مرشد اس کے کسی امر محبوب للنفس کو چھڑاتا ہے مثلاً ترفع کو چھڑا کر تذلل کے لیے ارشاد کیا نفس پر گراں گذرا اس کش مکش میں ضیق ہو گیا اُس کی نسبت فرماتے ہیں کہ ایسے امر میں اطاعت کرنا ضروری ہے اور اعتقاد ضرورت اور عقد ہمت سے پھر وہ تنگی زائل ہو جاتی ہے پس خرقہ سے مراد ترفع و اظہار بزرگی ہے اور یہی مراد ہے گوشہ محراب امامت سے اور ابرو کا حسن چونکہ خم سے بڑھ جاتا ہے اس سے مراد ہے حسن ادا و تعلیم مرشد اور بر می شکند سے مراد ہے امر بازالہ ترفع۔ ممکن ہے کہ اوپر کے شعر میں جس کو غرامت کہا تھا اس شعر میں اُسی غرامت کی یہ ایک مثال ہو۔ ؎

حاشا کہ من از جور و جفائے تو بنالم بے داد لطیفان ہمہ لطف است و کرامت

یہ گویا ترجمہ ہے ضرب الحبیب زبیب اور اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ مرشد کی سختی سر تا سر مصلحت ہوتی ہے اس سے شاکی اور تنگ نہ ہونا چاہیے۔ ؎

کوتہ نکند بحث سر زلف تو حافظ پیوستہ شد ایں سلسلہ تا روز قیامت

اس میں خطاب ہو سکتا ہے محبوب حقیقی کو اور بحث سر زلف سے مراد سخن عشق و محبت ہے یعنی چونکہ عشق و آثار عشق باقی اور لاتقف عند حد ہے اُس کی حکایت بھی غیر منقطع ہے۔

غزل

اس میں مدح اور طلب ہے عشق کی اور بیان ہے اُس کے بعض آثار کا اور تحریص ہے اُس کے شدائد کے تحمل پر۔

ساقیم خضرست و می آب حیات | توبہ از می چون کنم ہیہات ہات
بادۂ تلخ از لب شیریں لبان | در حلاوت می برد آب از نبات
چوں دمِ عیسیٰ نسیم او ز لطف | مردۂ صد سالہ را بخشد حیات
جز بآب آتشین یعنی شراب | حل نمی گردد مرا ایں مشکلات
روزی ما بین کہ از دیوان عشق | جز مئے ہجران نشد ما را برات
شاد بادا روح آں رندے کہ او | بر سر کوئے مغاں یابد وفات
حاصل عمر تو حافظ در جہان | بادۂ صافی ست باقی ترہات

یعنی مرشد قاسم فیض عشقی ہے اور شراب آب حیات ہے تو پھر کیونکر عشق کو ترک کروں یہ نہایت بعید ہے (ہیہات بعُدَ) ہاں لاؤ (ہات اسم فعل بمعنی الامر) اور محبوب کے لب سے تو بادۂ تلخ بھی قند و مصری سے افضل ہے (مراد اس سے یہ ہے کہ جو شدائد محبوب کی طرف سے عشق میں پیش آویں وہ لذات سے بھی زیادہ لذت بخش ہیں اور محبوب کے واردات یا کلام مرشد دم عیسےٰ کی طرح مردہ دلوں کے لیے حیات بخش ہیں۔ اور معرفت کے یہ مسائل مشکلہ بدون عشق کے کافی طور پر (محض بحث و بیان سے) حل نہیں ہوتے۔ آگے عشق کی ایک شدت کا بیان کرتے ہیں کہ ہماری غذا دیکھو کہ دفتر عشق میں ہمارے حصہ میں صرف شراب ہجر آئی ہے (مراد اس سے قبض ہے برات بمعنی نصیب و قسمت) آگے اُس شخص کو دُعا دیتے ہیں جو راہ عشق سے مرتے دم تک نہ ہٹے آگے مقطع میں بتلاتے ہیں کہ بجز محبت الٰہیہ کے عمر کو

جن مشاغل و مقاصد میں صرف کیا جاوے سب فضول اور بے کار ہیں۔

غزل

یہ غزل مرشد کی جدائی میں لکھی گئی ہے کذا فی الشرح۔

شربتے از لب لعلش نچشیدیم و برفت — روی مه پیکر او سیر ندیدیم و برفت

گوئی از صحبت ما نیک بتنگ آمده بود — بار بر بست و بگردش نرسیدیم و برفت

بسکه ما فاتحہ و حرز یمانی خواندیم — وز پیش سورۂ اخلاص دمیدیم و برفت

سر ز فرمان خطم گفت مکش تا نروم — ما سر خویش ز خطش نه کشیدیم و برفت

عشوه میداد که از کوئے ارادت نروم — دیدی آخر که چسان عشوه خریدیم و برفت

شد چمان در چمن حسن و لطافت لیکن — در گلستان وصالش نچمیدیم و برفت

گفت از خود ببر د هر که وصالم طلبد — ما بامید وی از خویش بریدیم و برفت

صورت او بلطافت اثر صنع خداست — ما بر ویش نظر سیر ندیدیم و برفت

ہمچو حافظ همه شب ناله و افغان کردیم — کای دریغا بوداعش نرسیدیم و برفت

در شعر ثانی بگردش ای بغبار او۔ و در شعر ثالث حرز یمانی نام دعائے کہ برائے حصول مقاصد میخوانند و هم چناں فاتحہ و برائے تسخیر قل هو اللہ را خوانند۔ و در شعر خامس عشوه فریب مراد وعده کہ بوفا نرسد و در شعر سابع از خود ببر د یعنی فانی شود۔ مطلب بعد حل مفردات و تعیین غرض کے بالکل ظاہر ہے اور بعض اشعار سے شبہ خلف وعدہ کا ہوتا ہے اُس کا دفع یہ ہے کہ یا تو وہ وعدہ مقید تھا کسی قید کے ساتھ اور یا مقصود وعدہ سے بذل توجہ تھا جس کا خلف ثابت نہیں۔

غزل

مارا ز آرزوی تو پروای خواب نیست — بے روی دلفریب تو بودن صواب نیست

در دور چشم مست تو ہشیار کس ندید
کو دیدہ کز تصور چشمت بخواب نیست

در ہر کہ ہنگرم بغمے از تو مبتلاست
یک دل ندیدہ ام کہ ز عشقت خراب نیست

ہر کو بدست عشق تو شد کشتہ بر درت
او را در آنجناب سوال و جواب نیست

حافظ چو زر بہ بوتہ در افتاد و تاب یافت
عاشق نباشد آنکہ چو زر او بتاب نیست

یعنی تمہارے اشتیاق میں نیند اُڑ گئی اور آپ کا ذکر دائم ضروری ہے اور آپ کے عشق کے دوام اور اثر عام سے ایک بھی اپنی حالت میں نہیں ہر شخص محو ہے (خواب بمعنی محو) مقصود اشارہ اس مسئلہ کی طرف ہے کہ ہر شخص جس کسی چیز کی محبت میں اُس چیز کے کسی کمال کی وجہ سے مبتلا ہے اُس کمال کا مرجع بالذات حقیقت میں ذات واجب ہے پس متعلق اُس محبت کا واقع میں ذات ہی ہے اسی لیے تصور چشمت کہہ دیا مگر محب کو اس کی اطلاع نہیں جیسے دیوار تاباں کا عاشق واقع میں عاشق آفتاب ہے مگر بے خبر اسی لیے اس محبت پر کوئی نفع مرتب نہیں ہوتا پھر اس مسئلہ کے بیان سے کیا فائدہ سو فائدہ یہ ہے کہ اس سے حق تعالیٰ کا کمال اور اُس کمال کی وجہ سے واجب المحبۃ والاطاعت ہونا ثابت ہو گیا۔ اس کے بعد کے شعر اور ہر کہ بنگرم میں یہی مضمون ہے۔ آگے عشق کا اثر آخرت میں ظاہر ہونے والا مذکور ہے کہ مقتول عشق کا حساب و کتاب جناب باری میں نہ ہو گا لانہ شہید اکبر للحدیث الصحیح المجاہد من جاہد نفسہ۔ آگے تحمل بلیات عشق کی ہمت دلاتے ہیں اپنی نظیر پیش کر کے بھی کہ اس کو تقویت ہمت میں بڑا دخل ہے اور قاعدہ کلیہ بیان کر کے بھی جس کا ماخذ حدیث صحیح ہے اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل او نحوہ۔

غزل

خم زلف تو دام کفر و دین ست
زکارستان او یک شمہ این ست

یعنی کفر اور دین دونوں مسخر جمال محبوب ہیں اس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات میں سے مضل اور ہادی دونوں ہیں اور اسماء و صفات سب جمیل اور مقتضی ظہور ہیں پس اسم ہادی مقتضی ہوا خلق دین کو اور اسم مضل مقتضی ہوا خلق کفر کو پس دونوں مخلوق اپنے

خلق ہیں دونوں اسموں کے جمال کے تابع ہوئے یہی مراد ہے مسحز اور عاشق ہونے سے اور چونکہ یہ امر عجیب ہے کہ دو متضاد چیزوں سے کسی کا جمال ظاہر ہو ورنہ اکثر محبوبان مجازی میں یہ ہوتا ہے کہ اگر ایک امر سے اُن کا حسن پسند خاطر ہوتا ہے تو اُس کی ضد اُس کی پسندیدگی کو کم کر دیتی ہے اس لیے مصرعہ ثانیہ میں اُس کے عجیب ہونے کا حکم کرتے ہیں۔ قال الرومی ؎

عاشقم بر لطف و بر قہرش بجد　　　ای عجب من عاشقم بر ہر دو ضد ؎

جمالت معجز حسن ست لیکن　　　حدیث غمزہ ات سحر مبین ست

یہ لیکن استدراک کے لیے نہیں بلکہ ترقی کے لیے ہے یعنی یہ خوبی تو ہے ہی لیکن ایک دوسری خوبی بھی ہے جیسے عربی میں اس معنی کے لیے لفظ بید آتا ہے۔ مقصود جمال اور استتار کہ غمزہ اس سے عبارت ہے دونوں کا کمال بیان کرنا ہے۔ اور بعض نسخوں میں بجائے معجز حسن است کے معجز عیسیٰ است ہے حاصل یہ ہوگا کہ جمال تو محیی ہے اور استتار قاتل ہے جیسے سحر مہلک ہوتا ہے۔ ؎

بر آں چشم سیہ صد آفریں باد　　　کہ در عاشق کشی سحر آفریں ست

چشم کو عاشق کش کہنا اگر بہ اعتبار غمزہ یعنی نگاہ ہٹا لینے کے ہے کہ کنایہ ہے استغناء سے تب تو شعر بالا کا مصرعہ ثانیہ اور یہ شعر متحد المعنی ہے اور اگر باعتبار نظر و التفات کے ہے تو عاشق کش کہنا اس معنی کر ہے کہ عشق کو اور زیادہ کر دیا جس سے قلب زیادہ مجروح و بے تاب ہو گیا اور یہ اثر مشاہدہ جمال میں بھی ہے اور صد آفریں باد سے محض مدح مقصود ہے نہ کہ دعا۔ اور سحر آفریں کہتے ہیں ساحر کامل کو۔ ؎

عجب راہے ست راہ عشق ہیہات　　　کہ چرخ ہفتمش ہفتم زمین ست

اس میں بیان ہے طریق عشق کے علو کا کہ یہ چرخ ہفتم اُس کی زمین ہفتم ہے یعنی وہ چرخ ہفتم سے بھی اعلیٰ ہے اور توجیہ اُس کی یہ ہو سکتی ہے کہ مورد عشق کا قلب اور روح اور یہ لطائف باین معنی فوق العرش ہیں کہ عرش منتہای امکنہ ہے اور یہ بوجہ تجرد کے لامکانی ہیں پس خارج از امکنہ ہوئے اور فوق العرش اور لامکانی کا چرخ ہفتم اور

مکانی سے رتبۃً اعلیٰ ہونا ظاہر ہے لتنزہ المجرد عن ظلمۃ المادۃ التی ہی فی غیر المجرد۔

توپنداری کہ بدگو رفت وجان برد — حسابش با کراماً کاتبین ست

اعراب کراماً کاتبین حکائی است۔ یا تو مقصود اس سے تعلیم ہے سالک کی ترک غیبت وغیرہ کے لیے اور یا تہدید ہے معترضین علی العشاق کی۔

ز چشم شوخ تو کے جان توان برد — کہ دائم با کمان اندر کمین ست

مقصود یہ ہے کہ محبوب حقیقی کی دلربائی دائم ہے نہ مثل محبوبان مجازی کے کہ زوال حسن سے دلربائی بھی منقطع ہوجاتی ہے۔ اور کمان سے مراد ابرو ہے کہ چشم کے متصل ہوتی ہے۔

لبت را آب حیوان گفتم اما — چہ جائے آب کان ماء معین ست

ماء معین مراد ماء جنت ماخوذ از قولہ تعالےٰ فی الواقعۃ وکاس من معین۔ یعنی آب حیوان میں چونکہ یہ نقصان ہے کہ گو حیات طویلہ بخشتا ہے مگر حیات ابدی نہیں بخشتا اس لیے وہ تشبیہ النقص ہے اس لیے کم از کم ماء معین سے تشبیہ دینا چاہیے گو ناقص وہ بھی ہے مقصود یہ ہے کہ واجب کی تشبیہ ممکن سے تام نہیں پس یہ مسئلہ معلوم ہوگیا کہ ایسی تشبیہات و تمثیلات سے قیاس الغائب علی الشاہد میں مبتلا نہ ہوجاوے جیسا بہت سے جہلاء صوفیہ اپنے عقائد بگاڑ لیتے ہیں۔ مگر پھر بھی اگر اس کی ضرورت ہو تو کسی قدر کامل سے چاہیے گو اُس کے مقابلہ میں وہ بھی ناقص ہو مگر پھر اقرب الی الادب ہے۔

مشو ایمان زکید نفس ایمن — کہ دل بُرد و کنون دربند دیں ست

یا تو یہ مقصود ہے کہ طریق عشق میں بعض احوال ایسے پیش آتے ہیں کہ اگر علم حقیقت یا ہادی کامل نہ ہو تو دین کا اندیشہ ہے پس سالک کو تحذیر ہے اس مکر الٰہی سے لان المکر یختلف انواعہ باختلاف احوال الممکور۔ اور یا آمادہ کر رہے ہیں دین رسمی کے زوال کے لیے جو کہ اثر ہے عشق کا کیونکہ اہل رسم نے بہت سے قیود و زوائد دین کے اندر اغراض نفسانیہ سے داخل کر رکھے ہیں اسی طرح صورت ریاء کو دین بنا رکھا ہے یہ سب حذف ہوجاتے ہیں اور یا دین مرادف

ہے ایمان کا اور ایمان تصدیق ہے اور تصدیق علم ہے اور طریق عشق میں بعض اوقات معلومات سے ذہول محض ہو جاتا ہے پس ایمن منشو تحذیر کے لیے نہ ہوگا بلکہ مجازاً محض اطلاع و تنبیہ و تنبیہ کے لیے ہے

زجامِ عشق مے نوشید حافظ مدامش مستی رندی ازیں ست

اس میں بھی بیان ہے بعض آثار عشق کا اور تقریر ظاہر ہے۔

غزل

دیدی کہ یار جز سرِ جور و ستم نداشت بشکست عہد ما و از و ہیچ غم نداشت

یارب بگیرش ارچہ دل چوں کبوترم افگند و کشت و حرمت صید حرم نداشت

یہ مرشد کی بے التفاتی کے توہم پر محمول ہو سکتا ہے اور عہد یا تو حالی ہے اور یا بیعت کے وقت کا قالی کہ ہم تمہاری تربیت کریں گے۔ اور شعر ثانی کا منشاء غلبہ محبت ہے کہ اُس کی تکلیف اس پر بھی گوارا نہیں۔ اور اس میں یہ تعلیم بھی ہو گئی کہ مرشد سے کسی حال میں تعلق محبت کم نہ کرے۔

برمن جفا ز بخت بد آمد وگرنہ یار حاشا کہ رسم جور و طریق ستم نداشت

پہلا کلام سکر کا تھا یہ صحو کا ہے یعنی جس حرمان پر تنگی ہو رہی ہے اُس کا سبب بے توجہی مرشد کی نہیں بلکہ نقصان ہے اپنی استعداد کا تنبیہ اور واقع میں وہ حرمان نہیں بلکہ ہر شخص کی تربیت اُس کی استعداد کے موافق ہے۔

دل اینہمہ جفا کہ بخواری کشید ازو ہر جا کہ رفت ہیچ کسش محترم نداشت

اشارہ اس طرف ہے کہ تنگ ہو کر در مرشد کو چھوڑ کر دوسری طرف رجوع نہ کرنا چاہیے کیونکہ اہل نسبت میں سے باوجود علم کے ایسے شخص کی کوئی قدر نہیں کرتا اور جو قدر کرے وہ صاحب تکمیل نہیں اُس سے نفع نہیں حاصل ہو سکتا اور اگر اس شخص نے نہ تبلایا تو یہ دلیل عدم خلوص کی ہے جو خود مانع نفع ہے۔

ساقی بیار بادۂ و با مدعی بگو　　انکار ما مکن کہ چنیں جام جم نداشت

طلب ہے زیادۂ عشق کی اور جواب ہے منکر کا کہ ہمارا جام یعنی قلب کاشف اسرار الٰہیہ ہے اور جام جم کاشف اسرار کونیہ تھا فاین ہذا من ذاک اور ایسے علم شریف کا جلوہ گاہ قابل انکار نہیں۔

ہر رہروے کہ رہ بحریم درش نبرد　　مسکین برید وادی و رہ در حرم نداشت

اس میں تنبیہ ہے اُن لوگوں کی غلطی پر جو سلوک میں مقصود اصلی یعنی قرب و رضا کو چھوڑ کر غیر مقصود مثل مواجید و تصرفات و کشوف وغیرہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ وہ مقصود تک نہیں پہنچتے گو کتنا ہی مجاہدہ کریں۔ اس میں بھی بہت لوگ مبتلا ہیں۔

خوش وقت رند مست کہ دنیا و آخرت　　بر باد داد و ہیچ غم از بیش و کم نداشت

بیان ہے فضیلت عاشق کا کہ دنیا کو ترک کر دیتا ہے اور آخرت کو گو ترک نہیں کرتا مگر اُس کو ملتفت الیہ بالذات نہیں سمجھتا پس بر باد داد مفہوم عام ہے دونوں کو شامل۔

حافظ ببر تو گوئے فصاحت کہ مدعی　　ہیچش ہنر نبود و خبر نیز ہم نداشت

مطلب یہ کہ تم مضامین عشق کلام فصیح سے کہے جاؤ اور مدعی منکر و مانع کی طرف التفات نہ کرو کہ نہ اُس کو ہنر عشق حاصل ہے کہ اُس کا محقق ہو اور نہ کچھ سُنی سنائی خبر رکھتا ہے کہ مقلد ہو اس لیے اُس کا انکار قابل التفات نہیں۔ اور بعض نسخوں میں گوی سعادت ہے یعنی تم تحصیل سعادت عشق میں لگے رہو اور مدعی کی طرف الخ

غزل

بروای زاہد و دعوت مکنم سوی بہشت　　کہ خدا در ازل از بہر بہشتم نسرشت

یکجو از خرمن ہستی نتواند بر داشت　　ہر کہ در راہ فنا در رہ حق دانہ نہ کشت

تو و تسبیح و مصلی ورہ زہد و ورع　　من و میخانہ و ناقوس ورہ دیر و کنشت

منعم از می مکن ای صوفی صافی کہ حکیم — در ازل طینت ما راز مئے صاف سرشت

صوفی صاف بہشتی نبود زانکہ چو من — خرقہ در میکدہ ہا رہن مئی ناب بہشت

لذت از حور بہشت ولب حوضش نبود — ہر کہ او دامن معشوق خود از دست بہشت

حافظا لطف حق ار با تو عنایت دارد — باش فارغ ز غم دوزخ و شادی بہشت

زاہد سے مراد ایسا شخص ہے جو محض اعمال کو کمال سمجھتا ہے گو اُس میں محبت وخلوص نہ ہو اور صوفی صافی بھی اسی کو کہا صوفی باعتبار اُس کے دعوے کے یا تمسخراً اور صافی اس اعتبار سے کہ خلوص سے صاف ہے کذا فی الشرح ۔ اور بہشت اور حور اور لب حوض سے مراد اعمال ہیں کہ وہ کسی درجہ میں سبب ہیں ان مذکورات کے یعنی جب کہ اعمال میں خلوص ہو مگر یہاں مطلق اعمال مراد ہیں ولو من غیر خلوص اور تسبیح و مصلیٰ وغیرہ اور خرقہ سے اعمال کا مراد ہونا بہت ہی ظاہر ہے ۔ اور مے خانہ و اخواتہا اور می اور میکدہ اور دامن معشوق سے مراد محبت وخلوص لبعد حل ان مفردات کے مطلب اشعار کا ظاہر ہے کہ بدوں اخلاص کے اعمال کا بے کار ہونا بیان کر رہے ہیں اور یہی معنی ہیں بہشتی نبود کے جو کہ شعر خامس میں ہے یعنی عدم اخلاص فی العمل کا یہ مقتضا ہے گو اخلاص فی الایمان بہشتی ہونے کا سبب بن جاوے اور شعر ثانی میں فنا کا شرط بقا ہونا مذکور ہے اور مقطع میں جنت و دوزخ کا ملتفت الیہ بالذات نہ ہونے کی تعلیم کر رہے ہیں ۔ اور مرغوب فیہ ومہروب عنہ ہونے کی نفی نہیں کرتے۔

غزل

اے نسیم سحر آرام گہ یار کجاست — منزل آں مہ عاشق کش عیار کجاست

شب تارست وره وادی ایمن درپیش — آتش طور کجا وعدۂ دیدار کجاست

یہ اشعار حالت قبض و استتار کے ہیں جس میں تجلیات و مشاہدات کی تمنا کر رہے ہیں ۔ اور شب تار اور وادی ایمن سے مراد اسباب تجلی مثلاً طلب و مجاہدہ و ذکر و شغل وغیرہ

ہر کہ آمد بجہان نقش خرابی دارد — در خرابات مپرسید کہ ہشیار کجاست

اگر خرابی سے مراد فنا ہے تب تو تعلیم ہے مراقبہ موت کی اور مصرعہ ثانیہ بطور مثل کے ہے یعنی چنانکہ در خرابات ہشیار نباشد ہمچنیں در جہان کسے بے خرابی نباشد ۔ اور اگر مراد اس سے صعوبت قبض ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ کوئی سالک اس سے خالی نہیں پس اس میں ایک گونہ تسلی ہے اور اس صورت میں خرابات سے مراد طریق اور ہشیار سے مراد سالم اس صعوبت مذکورہ سے اور یہ حکم باعتبار اکثر کے ہے ۔

آنکس ست اہل بشارت کہ اشارت داند　　نکتہ ہاہست بسے محرم اسرار کجاست

شاید اشارہ اس طرف ہو کہ ہم اپنے کلام میں بلسان اشارت نکات تصوف کے بیان کرتے ہیں جو ان اشارات کو سمجھ لے اس کو بشارت ہو اور نکات از قبیل علوم مکاشفات کے ہم کو بہت سے معلوم ہیں مگر چونکہ محرم اسرار کم ہیں اس لیے بقدر ضرورت بعضے نکات از قبیل علوم معاملہ بیان کر دیے ہیں ۔ اس تقریر پر اس میں دلالت ہو گئی اس پر کہ ایسے اشعار سے کسی ظاہری لفظ کو کسی عقیدہ کا مدار نہ ٹھہرا لیا جاوے بلکہ جو مسئلہ دوسرے دلائل واضحہ سے ثابت ہو اُس کو ان اشعار پر منطبق کر لیا جاوے نہ یہ کہ خود ان اشعار سے اخذ اور استدلال کیا جاوے بہت لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں ۔

ہر سر موی مرا با تو ہزاراں کار ست　　ما کجائیم و ملامت گر بے کار کجاست

مطلب یہ کہ طریق باطن امر وجدانی ہے جس کو معاملہ پڑتا ہے وہ تو سمجھتا ہے اور جس کو معاملہ نہیں پڑا اُس کو اس کا ذوق اور ادراک نہیں ہوتا پس ملامت غلطی ہے اور کار و بیکار سے مراد یہی معاملہ اور عدم معاملہ ہے ۔

عاشق خستہ ز درد و غم ہجر تو بسوخت　　خود نہ پرسی تو کہ آں عاشق غمخوار کجاست

بادہ و مطرب و گل جملہ مہیاست ولی　　عیش بے دوست مہیا نشود یار کجاست

عقل دیوانہ شد آں سلسلۂ مشکین کو　　دل ز ما گوشہ گرفت ابروِ دلدار کجاست

ان میں بھی آثار استتار کے ہیں اور خود نہ پرسی عبارت ہے استغنا سے اور بادہ وغیرہ سے مراد

اشغال و اعمال اور عقل دیوانہ شد کے معنی ہیں عقل زاہد شد۔ اور دل زما گوشہ گرفت سے مراد ہے دل گم شد اور سلسلہ مشکین اور ابروِ دلدار سے مراد تجلیات جن کی تمنا ہے اور تقریر مطلب کی سب ظاہر ہے۔

دلم از صومعہ و صحبتِ شیخ ست ملول　　یار ترسا بچہ کو خانۂ خمار کجاست

صومعہ و صحبت شیخ سے مراد اعمال ظاہری بے محبت اور صحبت زاہد خشک۔ اور ترسا بچہ سے مراد مرشد عشق شبہ بہ للحسن و لو تلفاوت بالظاہر والباطن اور خمار سے مراد بھی یہی۔ یعنی زاہدان خشک و زہد خشک وصول الی المقصود کے لیے کافی نہیں مربی باطن کی ضرورت ہے۔

حافظ از بادِ خزاں در چمن دہر مرنج　　فکر معقول بفرما گل بے خار کجاست

گل بے خار کجاست بیان ہے فکر معقول کا اس میں تسلّی ہے حالت مذکورۂ بالا پر یعنی راحت خالی از محنت عالم میں موجود نہیں پس ایسی حالت شاقہ کے پیش آنے سے پریشان مت ہو۔

غزل

خواب آں نرگس فتان تو بے چیزے نیست　　تاب آں زلف پریشان تو بے چیزے نیست

از لبت شیر رواں بود کہ من می گفتم　　کیں شکر گرد نمکدان تو بے چیزے نیست

چشمۂ آب حیات است و ہانت اما　　زیر لب چاہ زنخدان تو بے چیزے نیست

جانِ من باد فدائے تو یقین میدانم　　در کمان ناوکِ مژگان تو بے چیزے نیست

مبتلائی بغم و محنت و اندوہ و فراق　　ای دل ایں نالہ و افغان تو بے چیزے نیست

دوش باد از سر کویش بگلستان بگذشت　　ای گل ایں چاک گریبان تو بے چیزے نیست

درد عشق ارچہ دل از خلق نہاں میدارد　　حافظ ایں دیدہ گریاں تو بے چیزے نیست

اس غزل کے سات شعر میں سے اول کے چار اشعار میں محبوب کے کمالات اور اُن کمالات کے آثار اور اخیر کے تین اشعار میں محب کے حالات کے موثرات مذکور ہیں پس لفظ چیز کہ ردیف میں ہے اول کے اشعار میں بمعنی اثر ہے اور اخیر کے اشعار میں بمعنی موثر اور اول کے اشعار میں مجموعہ مفردات سے مراد مجموعہ مطلق کمالات ہیں خاص مفردات سے خاص کمالات مراد نہیں کہ ہر ایک میں تحقیق وجہ شبہ کی ضرورت ہو اور چشم نرگس کی خوبی خواب سے اور زلف کی خوبی تاب یعنی پیچ سے بڑھ جاتی ہے محض چشم و زلف کی مناسبت سے یہ لائے گئے ہیں۔ اور از لبت شیر روان بود کنایہ ابتدائے ظہور سے ہے اور شکر سے مراد لب اور نمکدان سے مراد دہان۔ مقصود یہ ہے کہ محبوب کے جو کمالات ظاہر ہوئے وہ بے وجہ نہیں بلکہ مقصود اُس سے خاص آثار کا مرتب کرنا تھا جن میں سے اعظم آثار عشاق کا فریفتہ کرنا ہے۔ اور اخیر کے اشعار کا مقصود یہ ہے کہ عشاق کا نالہ و افغاں اور گریبان چاک اور دیدۂ گریاں بے وجہ نہیں بلکہ اس کا سبب موثر کوئی امر عظیم ہے یعنی عشق۔ اور شعر سادس میں ظاہر مدلول کے اعتبار سے حسن التعلیل ہے یعنی اے گل شگفتگی میں تیرا جو گریبان ہوا سے چاک ہوگیا ہے معلوم ہوتا ہے وہ ہوا کوئے محبوب سے گزر کر گلستان میں آئی ہو گی اس لیے اس میں یہ اثر پیدا ہوگیا اور مدلول باطنی کے اعتبار سے عاشق کو خطاب ہے کہ جس عشق سے تیرا گریبان چاک ہوا ہے یہ ایک جاذبہ ہے جو جناب محبوب سے تجھ پر وارد ہوا ہے۔

غزل

دیدمش دوش کہ سر مست و خرامان میرفت ۔۔۔ جام می بر کف و در مجلس رنداں میرفت

چوں ہمی گفتمش اے مونس دیرینہ من ۔۔۔ سخت می گفت دل آزردہ پریشان میرفت

نقش خوارزم و خیال لب جیحون می بست ۔۔۔ باہزاراں گلہ از ملک سلیمان میرفت

میشد آنکس کہ چو او جان سخن کس نشناخت ۔۔۔ من ہمی دیدم و از کالبدم جان میرفت

گفتم اکنوں سخن خوش کہ بگوید با ما ۔۔۔ کان شکر لہجۂ خوشگوئے سخنداں میرفت

لابہ بسیار نمودم کہ مرو سود نداشت | زانکہ کار از نظر رحمت سلطاں میرفت
بادشاہا ز کرم از سر جرمش بگذر | چکند سوختہ از غایت حرماں میرفت
چوں بشد آں صنم از دیدۂ حافظ غائب | اشک ہموارہ ز رخسار بداماں میرفت

معلوم ہوتا ہے کہ مرشد کسی امر پر آزردہ ہوکر چلے گئے ہیں اُس معاملہ کو لکھ رہے ہیں۔ سرمست و خراماں کنایہ استغناء سے ہے۔ جام می برکف کنایہ دلفریبی سے یا شان افاضہ سے جو سبب ہے دلفریبی کا۔ رندان سے مراد عشاق۔ خوارزم ایک شہر کا نام ہے اور جیحون اُس کی نہر کا نام ہے کذا فی القاموس۔ مطلب یہ کہ خوارزم اور جیحون کا نقشہ اور خیال دل میں جمائے ہوئے چلے جارہے تھے یا تو وہ شخص وہاں کے رہنے والے ہوں خواہ کوئی بزرگ ہوں یا کوئی محبوب ہو اور یا مراد اس سے بقرینہ تقابل ملک سلیمان کے مسکنت ہو یعنی مخدومیت سے دل برداشتہ ہوکر مسکینی کو پسند کر کے چل دیے جیسا آزاد مزاجوں کا مشرب ہوتا ہے۔ از ملک متعلق گلہ کے ہے اور باہزاراں گلہ حال ہے جس کا عامل میرفت ہے اس سے مراد یہ ہے کہ سلطنت سلیمان یعنی مخدومیت کی بھی پروا نہ ہوئی کیونکہ آزاد مزاج تھے۔ اور جملہ چو او جان سخن الخ صفت ہے آنکس کی جان سخن مغز سخن یعنی وہ سخن فہم تھے ہمی دیدم کا مفعول رفتن اور امحذوف ہے کہ بگویدیں کاف کدامیہ ہے مراد اس سے سخنان حقایق و معارف کار از نظر رحمت سلطان میرفت کے معنی یہ ہیں کہ کارروائی از لابہ نمیشد از نظر رحمت سلطان یعنی مرشد میشد و آں بوقوع نیامدہ ازاں سودی نشد۔ بادشاہا الی حرماں بیان لابہ و میرفت اندریں شعر بیان سود نداشت۔ واز غایت حرماں متعلق بسوختہ۔ اور تقریر اشعار کی بعد حل ان اجزا کے ظاہر ہے شاید مقصود اس حکایت سے ناواقفوں کو یہ تبلانا ہو کہ راہ میں ایسے امور بھی پیش آجاتے ہیں۔ تاکہ وقوع کے وقت پریشان و بد دل نہ ہو جاویں کہ یہ سلوک میں سخت مضر ہے۔

غزل

ہر آں خجستہ نظر کز پئے سعادت رفت | بر کنج میکدۂ و خانۂ ارادت رفت

زرطلِ دُرد کشاں کشف کرد سالکِ راہ — رموزِ غیب کہ در عالمِ شہادت رفت
بیا و معرفتِ من شنو کہ در سخنم — زفیضِ روحِ قدس نکتۂ سعادت رفت

مجو ز طالعِ مولودِ من بجز رندی — کہ ایں معاملہ با کوکبِ ولادت رفت
زبامداد بدستِ دگر بر آمدہٗ — وظیفۂ مئے دوشین مگر زیادت رفت
مگر بمعجزہ کو شد طبیبِ عیسےٰ دم — چرا کہ کارِ منِ خستہ از عیادت رفت
ہزار شکر کہ حافظ زراہِ میکدہ دوش — بکنجِ زاویۂ طاعت و عبادت رفت

اس غزل میں بیان ہے فضل و آثارِ عشق کا اور سعادت سے یہی مراد ہے اور کنجِ میکدہ اور خانہ ارادت بھی اسی کو کہا ارادت کا ترجمہ ہے مریدی اور بعض نسخوں میں ہے از خانہ الخ اُس صورت میں ارادت کے معنی یا تو رسمی مریدی کے ہیں جس سے اعراض ضروری ہے اور یا ارادہ سے مراد ارادہ و خواہش حظوظ ہے اس کا ترک بھی ضروری ہے۔ اور رطلِ دردکشاں سے مراد بھی عشق ہے اور رموزِ غیب سے مراد تمام رموزِ غیب نہیں کیونکہ کشف لوازمِ ولایت سے نہیں بلکہ خاص رموزِ عشق ہیں اور اُن کا وقوع ظاہر ہے کہ عالمِ شہادت ہی میں ہوتا ہے مگر بوجہ غیر مدرک بالعقول العامہ ہونے کے رموز کہہ دیا اور ظاہر ہے کہ حصولِ عشق سے اسرارِ عشق کہ وجدانی ہیں مدرک ہوتے ہیں

اور معرفت سے مراد علمِ معرفت مراد یہ کہ میرے ملفوظات میں نکاتِ سعادت یعنی عشق کے مذکور ہیں۔ اور رندی سے مراد بھی عشق ہے۔ اور کوکبِ ولادت سے مقصود یہ ہے کہ میرا مذاق فطری عشق ہے۔ اور دست کے معنی ہیں طرز و روش کذا فی الغیاث اور بعض نسخوں میں بطرزِ دگر لکھا ہے۔ اور زبامداد الخ میں سہل یہ ہے کہ خطاب مرشد کو ہو۔ یعنی پہلے تو آپ کو میرے حال پہ توجہ تھی مگر اب کچھ طرز بدلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ آگے کہتے ہیں کہ میری بیماری اس درجہ تک پہنچ گئی ہے کہ خالی تسلی و ہمدردی سے کام نہیں چلتا مرشد کے تصرف کی ضرورت ہے (اشارہ اس طرف ہے کہ تصرف یعنی ہمت و توجہ کی

ایسے وقت احتیاج ہوتی ہے جب کہ تعلیم محض نافع نہ ہو اسی واسطے اکابر نے تصریح کی ہے کہ کہ جب طالب ذکر سے متاثر نہ ہو تو شیخ ہمت سے کام لے، آگے مقطع میں اس پر شکر کرتے ہیں کہ سکر سے صحو میں آ گئے کیونکہ آخری حالت میں صحو ہی ہو جاتا ہے۔ اور بعض نسخوں میں زراہ کی جگہ براہ اور بکنج کی جگہ زکنج ہے اُس وقت معنی یہ ہوں گے کہ زہد ریائی سے عشق و خلوص میں آ گئے وکلاہما صحیح۔

غزل

خمے کہ ابروی شوخ تو در کمان انداخت — بقصد جان من زار ناتواں انداخت

خم سے ابرو کا حسن بڑھ جاتا ہے مراد اس سے ظہور حسن ہے یعنی ظہور جمال سے محبوب حقیقی کا یہ مقصود تھا کہ طالبوں کو تعلق و تعشق ہو اور اس سے حصر اس مقصود میں لازم نہیں آتا، قال اللہ تعالیٰ ان فی خلق السمٰوات والارض واختلاف اللیل والنہار لآیات لاولی الالباب اس سے ظاہر ہے کہ خلق کائنات میں کہ مظہر جمال ہے حکمت اعتبار کی ہے اور اعتبار پر معرفت اور معرفت پر محبت کا ترتب ظاہر ہے پس ظہور جمال میں حکمت ترتب محبت کی ثابت ہو گئی ہے

شراب خوردہ وخوی کردہ کے شدی بچمن — کہ آبروی تو آتش در ارغوان انداخت

شراب خوردہ مست کنایہ از استغنا کہ موجب افزونی ربودگی دل عاشق باشد۔ وعرق کردہ مراد ازاں باکمال جمال چہ عرق بر روئے موجب از دیاد حسن ست۔ چمن دل عاشق۔ ارغوان چوں سرخ باشد کنایہ از دل خونین عاشق یا پارۂ از دل چناں کہ ارغوان جزوی از چمن باشد ولطافت لفظ آبروی پر ظاہر ست۔ مضمون شاعرانہ میں تو حسن التعلیل ہے کہ ارغوان کے خونین ہونے کی وجہ محبوب کا چمن میں گزر کرنا ہے کہ اس کو دیکھ کر وہ خوں بار ہو گیا اور مقصود معنوی وہ ہی ہے جو اوپر کے شعر میں تھا کہ ظہور جمال محبوب سبب ہو گیا دل عاشق کے خونین ہونے کا۔ اور کے شدی سے مقصود اثبات ہے نہ کہ استفہام یعنی خود میدانی

بیک کرشمہ کہ نرگس بخود فروشی کرد — فریب چشم تو صد فتنہ در جہان انداخت

زشرم آنکہ بروی تو نسبتش کردند — سمن بدست صبا خاک در دہان انداخت

ببر نگاہ چمن دوش مست بگذشتم ۔۔۔ کہ از دہان توام غنچہ در گماں انداخت

بنفشہ طرۂ مفتول خود گرہ میزد ۔۔۔ صبا حکایت زلف تو در میان انداخت

ان چاروں شعر میں امر مشترک حسن محبوب کو ترجیح دینا ہے دوسرے محبوبوں کے حسن پر خاص خاص عنوان سے ۔ چنانچہ شعر اول میں نرگس پر چشم کو اس طرح ترجیح دیتے ہیں کہ نرگس نے دعوے سے ایک ہی کرشمہ کیا تھا کہ اُس کے مقابلہ میں تیری فریب چشم نے صد ہا فتنے برپا کر دیے اور ایک کرشمہ اس لیے کہا کہ اُس کا حسن ناقص اور متناہی ہے گویا صد کے مقابلہ میں ایک ۔ اور شعر ثانی میں روئے محبوب کو سمن پر اس طرح ترجیح دیتے ہیں کہ کہیں کسی نے سمن کو تیرے رخ سے تشبیہ دی تھی شرم کے مارے اُس نے اپنے منہ میں صبا کے ہاتھوں خاک جھونک لی یعنی ہوا سے جو خاک اُڑ کر اُس پر جا پڑی گویا اُس کی وجہ یہ ہے ۔ شعر ثالث میں دہن کو غنچہ پر اس طرح ترجیح دیتے ہیں کہ میں جو چمن میں گزرا اُس کی وجہ یہ ہے کہ غنچہ کو دیکھ کر تیرے دہن کا خیال آگیا ورنہ میرا چمن اور غنچہ سے کیا سروکار کیونکہ غنچہ ناقص ہے اور دہان کامل ۔ اور شعر رابع میں زلف کو بنفشہ پر اس طرح ترجیح دیتے ہیں کہ بنفشہ اپنے کو آراستہ کر رہا تھا کہ صبا نے تیری زلف کی حکایت اُس سے بیان کر دی بے چارہ شرمندہ ہو کر رہ گیا ۔ ؂

کنوں بآب مئی لعل خرقہ مے شویم ۔۔۔ نصیبۂ ازل از خود نمی تواں انداخت

نمی تواں انداخت ای نمی تواں دور کرد یعنی مذاق عشقی میرا فطری و جبلی ہے و جبل گرد د و جبلی نگرد د فلا ینفع اللوم ۔ ؂

نبود رنگ دو عالم کہ نقش الفت بود ۔۔۔ زمانہ طرح محبت نہ ایں زماں انداخت

غالباً اشارہ ہے مضمون کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف الخ کی طرف پس یہ محبت جو احببت میں مذکور ہے دو عالم کے وجود پر سابق ہے اور یہ محبت حادثہ اسی کا فیض ہے مقصود اس سے مدح ہے محبت کی ۔ ؂

من از ورع می و مطرب ندیدمی ہرگز ۔۔۔ ہوای مغبچگانم دریں و آں انداخت

ایں وآں اشارہ لبوئے می ومطرب۔ ومغبچگان محبوبان والمیعنۃ للجنس یعنی یہ آثار عشقیہ کہ دیانا
مخل ظاہر تقویٰ ہو جاتے ہیں محض غلبۂ عشق سے صادر ہوتے ہیں معذور کہنا چاہیے۔ ت

جہان بکار دل اکنوں شود کہ دور زمان   مرا بہ بندگی خواجۂ زمان انداخت

خواجۂ زمان سے مراد مرشد کامل اس میں اپنے نفس کو بشارت دیتے ہیں کہ اب سب کام مرضی موافق ہوں جاویں گے اور اس میں اشارہ ہے کہ مرشد کامل میسر ہونے کے بعد تسلی اور امید کامیابی کی رکھنا چاہیے پریشانی چھوڑ دینا چاہیے گو مفصلاً کوئی امر فہم میں نہ آوے۔ ت

مگر گشایش حافظ دریں خرابی بود   کہ قسمت ازلش در مئی مغان انداخت

خرابی سے مراد عشق کو مخرب ظاہر ہے یعنی میرے لیے جو طریق عشق تجویز ہوا ہے معلوم ہوتا ہے میری تربیت اسی سے وابستہ ہے۔

غزل

روشن از پرتو رویت نظرے نیست کہ نیست   منت خاک درت بر بصرے نیست کہ نیست

ناظر روی تو صاحب نظرانند ولے   سر گیسوی تو در ہیچ سرے نیست کہ نیست

شعر اول کے مصرعہ اولیٰ میں جمال محبوب کے ظہور کا اور شعر ثانی کے مصرعہ ثانیہ میں اس کی محبت کا عام ہونا اور اس کے مصرعہ اولیٰ میں معرفت کا خاص ہونا اور شعر اول کے مصرعہ ثانی میں اس معرفت میں محبوب ہی کی منت وفضل ہونا مذکور ہے اور یہ ظہور ومحبت کا عموم سب کے اعتبار سے ہے خواہ کسی کو ادراک ہو یا نہ ہو جن کو ادراک ہے ان کو بلا واسطہ ہے جن کو ادراک نہیں ان کو بواسطہ ہے۔ اور شعر اول کے مصرعہ ثانیہ کی تقریر یہ ہے کہ جن لوگوں کی بصر درست ہو گئی ہے یہ ان کا کمال نہیں ہے بلکہ طفیل ہے آپ کے خاک در کا پس اس میں اشارہ ہو جاوے گا کہ کسی خوبی کو اپنی سعی کا ثمرہ نہ سمجھے بلکہ فضل خداوندی سمجھے۔ ت

اشک غماز من ار سرخ بر آید چہ عجب   خجل از کردۂ خود پردہ درے نیست کہ نیست

پردہ در غماز۔ اصل معنون تو ثابت کرنا ہے اثر عشق سے اشک خونین کے نکلنے کو اور عنوان میں بطور حسن التعلیل کے ایک شاعری لطافت ہے کہ یہ سرخی خجالت سے ہے اور خجالت غمازی سے اور غماز باعتبار دلالت علی العشق کے کہا ہے۔

کمر کین بمن خستہ چہ بندی کہ زمہر   بر میان دل و جانم کمرے نیست کہ نیست

کین قہر۔ و استفہام چہ بندی برائے ترحم۔ و زمہر بیان کمرے در مصرعہ ثانیہ بمعنی پٹکہ و میان بمعنی کمر۔ مطلب یہ کہ میری کمر جان و دل پہ تو عشق کے تمام پٹکے بندھے ہوئے ہیں یعنی میں ہر طرح خادم و عاشق ہوں مجھ پر ترحم فرمائیے اور قہر نہ کیجیے۔

تا بدامن ننشیند ز نسیمت گردے   سیل اشک از نظرم بر گذرے نیست کہ نیست

گذر راہ و تا در نسیمت مضاف الیہ دامن۔ ترجمہ تو یہ ہے کہ اس خیال سے کہ ہوا چلنے سے کبھی آپ کے دامن پر گرد نہ بیٹھ جاوے میں تمام سڑکوں پر سیل اشک آنکھوں سے بہاتا ہوں تاکہ گرد جمی رہے اور مقصود یہ ہے کہ میں اس لیے روتا رہتا ہوں تاکہ محبوب کے دامن خاطر پر میری باد تقصیر سے غبار نہ بیٹھ جاوے یعنی تاکہ ہمارے گناہوں سے ناراض نہ ہو جاویں پس اس میں اشارہ ہوگا کہ بندہ کو ہمیشہ نادم اپنے افعال پر رہنا چاہیے۔

تا دم از شام سر زلف تو ہر جا نزند   با صبا گفت و شنیدم سحرے نیست کہ نیست

شام سے تشبیہ زلف کی باعتبار سیاہی کے ہے اور مقابلہ اس کا سحر سے لطافت شاعری ہے ترجمہ لفظی تو یہ ہے کہ میں صبا سے ہر سحر کو یہ گفت و شنید رکھتا ہوں کہ تیری زلف کی حکایت ہر جگہ بیان نہ کرے اور بلسان اشارت مقصود یہ ہے کہ میں اہل معرفت کو سمجھاتا ہوں کہ اسرار باطنی ہر مجلس میں نہ کہیں بلکہ جب مخاطب صحیح ہو۔ اس میں نہی ہے افشائے اسرار سے غیر اہل کے سامنے۔

من ازیں طالع شوریدہ برنجم ورنہ   بہرہ مند از سر کویت دگرے نیست کہ نیست

مطلب یہ کہ محبوب کی طرف سے بخل افاضہ میں نہیں مگر میرا نقصان استعداد موجب خسران

ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ کمی کا سبب اپنی حالت ہوتی ہے نہ کہ محبوب کی بے توجہی۔ اور طالب صادق کی کمی باعتبار اُس کی کسی خاص خواہش کے ہوتی ہے ورنہ فی نفسہ وہ کمی ہی اُس کے حق میں مصلحت ہے مثلاً بعضے طالب مواجید کے ہوتے ہیں اور وہ اُن کے لیے خلاف مصلحت ہوتے ہیں۔

از خیال لبِ نوشین تو ای چشمۂ نوش — غرق آب و عرق اکنون شکرے نیست کہ نیست

نوش شیریں و گوارا و آب حیات کذا فی الغیاث یعنی شکر بھی محبوب کے خیالِ لب سے غرق آب و عرق ہے مقصود یہ ہے کہ محبوبانِ مجازی محبوب حقیقی کے روبرو ناقص ہیں اس تبلانے سے غرض یہ ہے کہ اُدھر التفات مت کرو۔

آب چشمم کہ بر و منتِ خاکِ درِ تست — زیرِ صد منتِ او خاکِ درے نیست کہ نیست

یعنی میرا آب چشم تو آپ کی خاک در کا ممنون ہے کیونکہ اُسی کے اشتیاق میں وہ رواں ہوا ہے اور دوسرے خاک در اُس آب چشم کے ممنون ہیں کیونکہ وہ آب چشم کثرت گریہ سے ہر جگہ بہتا پھرتا ہے پس سب کو اُس سے حصہ ملا۔ اور بلسان اشارت اس میں بیان اس کا ہے کہ جس طرح سالک پر حق تعالیٰ کا احسان ہے اسی طرح کسی درجہ میں سالک کا احسان دوسروں پر ہے کہ وہ اُن کی رہبری کرتا ہے بلکہ اُس کی حالت محبت و طلب یا گریہ و نالہ کی دیکھ کر بھی دوسروں کو نفع پہنچتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے مضمون من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ کی طرف۔

از وجود آنقدرم نام و نشانے ست کہ ہست — ورنہ از ضعف در آنجا اثرے نیست کہ نیست

مطلب ظاہر ہے کہ غایت ضعف کا بیان کر رہے ہیں جس سے تمام قوت زائل ہوگئی صرف وجود کا حکم باقی ہے اور اس میں بیان ہے اثر عشق کا۔

شیر در بادیۂ عشق تو روباہ شود — آہ ازیں راہ کہ در وے خطرے نیست کہ نیست

مطلب یہ کہ طریق عشق میں کہ پُر خطر ہے بڑے بڑے اقویا، عاجز ہو جاتے ہیں۔ اس میں

بھی اشارہ ہے تعلیم تنگشتگی کی طرف کہ یہاں زاری کا کام ہے زور کا کام نہیں کما قال الرومی

فہم وخاطر تیز کردن نیست راہ　　جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

نہ من دل شدہ از دستِ تو خونین جگرم　　از غمِ عشق تو پر خون جگرے نیست کہ نیست

جگرے نکرہ تحت نفی ہیں ہونے سے عام ہے اور عام بمعنی کثیر کے بھی آتا ہے پس اگر مراد کثرت ہے تو ظاہر ہے کہ عشاق حق کثرت سے ہیں اور اگر عموم ہی مراد ہے تو عشق عام ہے بواسطہ وبلا واسطہ ومع الادراک وبلا ادراک کو اور اس کا عموم لجمیع القلوب صحیح ہے۔

از سر کوئے تو رفتن نتوانم گامے　　ورنہ اندر دلِ بیدل سفرے نیست کہ نیست

یعنی سفر تو بڑے بڑے دل میں آتے ہیں مگر غلبۂ عشق سے ایک قدم بھی کہیں نہیں جا سکتا۔ سفر سے مراد میلان الی العادات الطبعیہ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ عشق سے امور طبعیہ کا ازالہ نہیں ہوتا البتہ مغلوب ہو جاتے ہیں پس احیاناً وسوسہ یا صدور کسی امر طبعی کا مستبعد نہیں نہ منافی کمال ہے جیسا بعض منکرین معاندین خفیف خفیف امور پر اعتراض کیا کرتے ہیں یا بعضے ناواقف طالبین ایسے امور پر عقیدت میں فتور ڈال لیتے ہیں۔

تو خود ای شعلۂ رخشندہ چہ داری در سر　　کہ کباب از حرکاتت جگرے نیست کہ نیست

چہ داری درسر یعنی چہ خیال وچہ ارادہ داری۔ وکاتت کنایت از ظہور وخفا ورافت وصورت استغنا اور یہ استفہام سوال کے لیے نہیں بلکہ اثبات کے لیے ہے۔ یعنی ان معاملات میں کہ عشاق کے ساتھ واقع ہوتے ہیں۔ کوئی بڑی ہی حکمت ومصلحت ہے اس میں اشارہ ہو گیا کہ جو کچھ ادھر پیش آوے اُس پر راضی رہے اور یہ نہایت معین ہے سلوک پر۔

مصلحت نیست کہ از پردہ برُوں افتد راز　　ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

اس کا بھی وہی مقصود ہے جو غزل ہذا کے شعر سادس تادم از شام الخ کا ہے یعنی علوم معاملہ جو اپنے ساتھ متعلق ہیں نااہل سے نہ کہنا چاہیے۔

بجز ایں نکتہ کہ حافظ زتو ناخوشنود ست　　در سراپای وجودت ہنرے نیست کہ نیست

ز تو نا خوشنود ست کے یہ معنی نہیں کہ از تو ناراض ست یعنی یہ از صلہ کا نہیں بلکہ ابتدائیہ ہے یعنی اورا از جانب او گاہے مسرت رو نمودہ - اس میں شکایت ہے مرشد کی بے توجہی کی کہ توجہ جو مایۂ مسرت ہے کبھی نصیب نہ ہوئی حاصل یہ کہ آپ میں سب خوبیاں ہیں مگر اتنی کسر ہے کہ بے توجہی کی عادت ہے - یہ مضمون ذرا لبسط کے ساتھ ردیف الالف غزل صبا بلطف بگو شعر جز این قدر الخ کی شرح میں لکھا جا چکا ہے دیکھ لیا جاوے -

غزل

کس نیست کہ افتادۂ آں زلف دوتا نیست
در رہ گذری نیست کہ دامی ز بلا نیست

روئے تو مگر آئینۂ لطف آلٰہی ست
حقا کہ چنیں ست دریں روی و ریا نیست

زاہد دہدم توبہ ز روی تو زہے روے
ہیچش ز خدا شرم و ز روی تو حیا نیست

نرگس طلبد شیوۂ چشم تو زہے چشم
مسکیں خبرش از سر و در دیدہ حیا نیست

از بہر خدا زلف میارای کہ مارا
شب نیست کہ صد عربدہ با باد صبا نیست

باز آی کہ بے روی تو اے شمع دل افروز
در بزم حریفاں اثر نور و ضیا نیست

دی میشد و گفتم صنما عہد بجا آر
گفتا غلط ای خواجہ دریں عہد وفا نیست

تیمار غریباں سبب ذکر جمیل ست
جانا مگر ایں قاعدہ در شہر شما نیست

چوں چشم تو دل می برد از گوشہ نشیناں
دنبال تو بودن گنہ از جانب ما نیست

گر پیر مغاں مرشد ما شد چہ تفاوت
در ہیچ سرے نیست کہ سرے ز خدا نیست

گفتن بر خورشید کہ من چشمۂ نورم
دانند بزرگاں کہ سزاوار سہا نیست

عاشق چہ کند گر نخورد تیر ملامت
با ہیچ دلاور سپر تیر قضا نیست

درصومعۂ زاہد و در خلوت عابد   جز گوشۂ ابروی تو محراب دعا نیست

ای چنگ فرو بردہ بخون دل حافظ   فکرت مگر از غیرت قرآن خدا نیست

یہ تمام غزل بجز مقطع کے قبل والے شعر کے معاملات متعلقہ مرشد پر منطبق ہے یعنی ہر شخص (مراد بکثرت) آپ کے شیدا ہیں جس طرف آپ گزرتے ہیں طالبین مسخر ہوتے چلے جاتے ہیں آپ کا سیما آئینہ لطف الٰہی ہے جیسا حدیث میں ہے اذا راؤ ذکر اللہ اور یہ امر بالکل بلا روی و ریا کہتا ہوں (یعنی خوشامد و تصنع سے نہیں کہتا) زاہد خشک مجھ کو آپ کے سلسلہ سے ہٹانا چاہتا ہے ذرا منہ تو دھو رکھے اُس زاہد کو نہ خدا کی شرم رہی نہ آپ کے کمالات کی وہ زاہد بے چارہ کہ نرگس کی طرح جو کہ بشکل چشم ہے مگر بینائی سے معرا شیخ بن کر آپ سے تشبہ کرنا چاہتا ہے اور اپنی بیعت کی طرف بلاتا ہے چشم نرگس بالمعنی المذکور بھی عجب چشم ہے کہ آپ کی چشم کا مقابلہ کرتی ہے اُس غریب کو حقیقت (ترجمہ میر بالکسر) کی خبر نہیں اور نہ آنکھ میں حیا ہے ہم تو آپ کے پورے معتقد ہیں اور کمالات کو ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں (وھذا ھو المراد بقولہ زلف میارا) جیسا کہ شیوخ احیاناً کسی مرید کی استواری عقیدہ کی مصلحت سے ایسا کرتے ہیں وفی ہذا قیل ریاء الشیخ خیر من اخلاص المرید کیونکہ ہمیشہ ویسے ہی غمازین و مخالفین سے ہمارا عربدہ رہتا ہے اب اظہار کمال سے اُن کو اور حسد ہوگا اور وہ زیادہ مخالفت کریں گے ہمارا عربدہ اور بڑھے گا اور ترجمہ لفظیہ شعر ہذا کی یہ تقریر ہے کہ تم اپنی زلف کو آراستہ مت کرو کیونکہ صبا اُس کو پریشان کرے گی اور اس پر ہمارا اُس سے عربدہ رہا کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ پریشان کرنا ایک قسم کی مزاحمت غرض تزئین کی ہے اس لیے میں نے اُس کو کنایہ مخالفت سے قرار دیا اور اگر یہ شبہ ہو کہ پریشان کرنے سے اور بھی حسن میں افزونی ہو جاتی ہے یہ مخالفت کیا ہوئی جواب یہ ہے کہ بالذات تو مخالفت ہی ہے بالعرض سبب ازدیاد حسن کا ہو جاتا ہے سو بزرگوں کی مخالفت سے بھی اسی طرح اُن کے کمالات کی دونی خوبی ظاہر ہوتی ہے اور یہ امر مشاہد ہے۔ آگے باز آئی میں مرشد کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں اور بدوں اُن کے مجلس کا فیوض سے خالی ہونا ظاہر کرتے ہیں آگے بے توجہی مزعوم و موہوم کی شکایت ہے اور مرشد کا جواب دریں عہد وفا نیست یہ حسب مذاق مخاطب کے ہے جس نے عہد بجا آر کہنے میں گستاخی کی ہے

ورنہ جواب یہ ہے کہ میرا عہد بالتوجہ جن شرائط سے مقید تھا وہ شرطیں نہیں رہیں۔ آگے تیمار غریباں الخ کا حاصل مثل شعر بالا کے ہے اور اسی کے مثل اس میں بھی شوخی ہے۔ آگے اپنے اس تعشق و تعلق شدید کا سبب تبلاتے ہیں کہ جب گوشہ نشین جو دوسری طرف بھی یعنی عبادات و ریاضات میں متوجہ و مشغول ہیں آپ کی محبت سے خالی نہیں حالانکہ ایک طرف تعلق ہونا مانع ہوتا ہے دوسری طرف تعلق ہونے کو تو اگر ہم پیچھے پیچھے پھریں تو ہماری کیا خطا کیونکہ ہم کو تو ابھی کوئی مشغولی بھی نہیں محض مرشد کی تلاش ہی شغل ہے اور اگر ہم نے مذاق عشقی کا مرشد اختیار کر لیا تو ملامت گر زاہد وغیرہ ہم پر کیوں الزام دیتا ہے ہر سر میں (یعنی بکثرت) خدا تعالیٰ کی طلب ہے (ولکونہ مخفیا عبر عنہ بالسر) اور طالب اپنا رہبر اپنے مذاق کے موافق تلاش کرتا ہی ہے سو ہم نے بھی تجویز کر لیا آگے اس زاہد مدعی مشیخت کو نصیحت ہے کہ کامل کے سامنے دعویٰ مذموم ہے۔ آگے ملامت سے اپنی بے پروائی بیان کرتے ہیں کہ ہماری تقدیر میں یہی تھا کیا علاج کریں۔ آگے در صومعہ الخ میں خطاب محبوب حقیقی کو ہے کہ سب سالک آپ ہی کے طالب ہیں اس سے بھی شاید زاہد کو سنانا ہو کہ پھر ہماری طلب پر کیوں ملامت کرتا ہے فیکون تقریرہ کتقریر الشعر گر پیر مغان الخ آگے مرشد کو تنگ ہو کر کہتے ہیں کہ بے توجہی سے کیوں قتل کرتے ہو کچھ حافظ قرآن ہونے کا تو پاس کرو والعذر عن امثال ہذا ہو الغلبۃ۔

غزل

رواق منظر چشم من آشیانۂ تست | کرم نما و فرود آ کہ خانہ خانۂ تست

بلطف خال و خط از عارفان ربودی دل | لطیفہای عجب زیر دام و دانۂ تست

دلت بوصل گل ای بلبل چمن خوش باد | کہ در چمن ہمہ گلبانگ عاشقانۂ تست

علاج ضعف دل ما بلب حوالت کن | کہ آں مفرح یاقوت در خزانۂ تست

بہ تن مقصرم از دولت ملازمتت | ولے خلاصہ جان خاک آستانۂ تست

چہ جای من کہ بلغزد سپہر شعبدہ باز | ازیں حیل کہ در انبانۂ بہانۂ تست

من آں نیم کہ دہم نقد دل بہر شوخے — درِ خزانہ بمہر تو و نشانۂ تست

تو خود چہ لعبتی ای شہسوار شیریں کار — کہ توسنے چو فلک رام تازیانۂ تست

سرودِ مجلست اکنوں فلک برقص آورد — کہ شعر حافظ شیریں سخن ترانۂ تست

شرح میں ہے ایں غزل در جدائی مرشد ست میں کہتا ہوں کہ بعض اشعار کا محبوب حقیقی کے متعلق ہونا زیادہ انسب ہے وقلیل ما ہو۔ رواق سقفے کہ در مقدم خانہ سازند اور شرح میں ہے رواق منظر چشم مردمک دیدہ کذا فی اصطلاح الشعراء اب معنی شعر اول کے ظاہر ہیں اور شعر ثانی میں خطاب محبوب حقیقی کو کہا جانا بہتر ہے کہ عارفین کا جاذب اُسی کا کمال ہے گو یہ بھی احتمال ہے کہ مرشد کا مرجع العارفین و محبوب العارفین ہونا بیان کرتے ہوں اور زیر دام و دانہ ہونا کنایہ ہے مخفی ہونے سے معنی یہ ہوئے کہ آپ کے پاس عجب لطائف مخفیہ ہیں مراد ان لطائف سے وہی کمالات ہیں جو کہ جاذب عارفین ہیں اور شعر ثالث میں دعا دیتے ہیں کہ آپ کو خدا تعالیٰ ہمیشہ مشرف بوصال رکھے کہ عالم میں تمام تر آپ ہی کے ارشادات کے فیوض ہیں۔ شعر رابع میں درخواست سخنان لطف کی کہ تعلیم وتلقین بھی اُس میں داخل ہے کرتے ہیں کہ یہ ہمارے امراض باطنی کا علاج ہے بعض امراض مثل حزن و وسوسہ کم توجہی کا تو نفس خطاب اور بعض کا عمل بحسب تعلیم۔ اور شعر خامس میں کہتے ہیں کہ گو ظاہر جسم کے اعتبار سے میں آپ کی خدمت میں حاضر رہنے سے مقصر ہوں (کیونکہ جدائی کی حالت میں لکھ رہے ہیں) لیکن روح وقلب سے آپ ہی کے آستانہ پر پڑا ہوں اور یہ شعر محبوب حقیقی کے خطاب میں بھی ہو سکتا ہے اور معنی ظاہر ہیں کہ اُس قرب واتصال جسمانی نہیں ہے کیونکہ اتصال جسمانی موقوف ہے متصلین کی جسمیت پر ہو ممتنع اور شعر سادس میں کہتے ہیں کہ میں تو کیا چیز ہوں آپ کی خفی تدبیروں اور خفی حکمتوں سے بڑے بڑے عاقل مدبر عاجز ہیں۔ شاید اس سے مقصود یہ ہو کہ اگر سالک کو کوئی امر ناگوار پیش آوے تو اُس کو قرین حکمت سمجھے یا یہ مقصود ہو کہ اپنے تصرفات وغیرہ پر ناز نہ کرے شاید وہ استدراج نہ ہو یہ شعر محبوب حقیقی ہی کی شان میں ہو سکتا ہے۔ شعر سابع میں کہتے ہیں کہ میں محبوبان مجازی کے ساتھ دل کو وابستہ نہیں کرتا تا خزانۂ قلب کے دروازہ

پر آپ ہی کی مہر اور نشان لگ رہا ہے اس میں مذمت ہے تعلق محبوبان مجازی کی شعر ثانی میں لعبت جو آیا ہے اُس کے معنی ہیں کھلونا چونکہ عادۃً کھلونا خوبصورت اور خوبصورتی کی وجہ سے محبوب ہوتا ہے حاصل معنی اس کے محبوب ہوئے یعنی آپ کی محبوبیت اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ فلک اتنا بڑا جسم جس پر کسی کی قدرت نہیں یعنی آپ کے تحت القدرۃ ہے اور اس کو محبوبیت کا اثر اس لیے کہنا صحیح ہے کہ قدرت ایک کمال عظیم ہے اور کمال سبب ہے محبوبیت حق تعالےٰ کا پس مسخر قدرت اور مسخر کمال اور مسخر محبوبیت سب کہنا صحیح ہے بالخصوص جب قالتا اتینا طائعین پر نظر کی جاوے تو بلا واسطہ بھی مسخر محبوبیت کہنا بے غبار ہے کیونکہ طوع خود حاصل ہے محبتہ کا۔ یہ شعر محبوب حقیقی ہی کی شان میں ہو سکتا ہے اور شعر تاسع میں اپنے کلام کی کہ وصف معشوق میں ہے مدح کرتے ہیں کہ آپ کی مجلس میں جو سرود ہوتا ہے اُس کا اثر فلک پر بھی ہوتا ہے یعنی جو شئے کسی سے متاثر نہ ہو وہ بھی متاثر ہوتی ہے کیونکہ حافظ کا کلام آپ کے ترانۂ مدح پر مشتمل ہے اور آپ کی مجلس میں اُسی کا سرود ہوتا ہے اس میں بیان ہے تاثیر کلمات عشقیہ کا۔

غزل

ساقی بیا کہ یار ز رخ پردہ برگرفت　　کار چراغ خلوتیان باز درگرفت

آں شمع سرگرفتہ دگر چہرہ برفروخت　　واں پیر سال خوردہ جوانی ز سر گرفت

حاشیہ میں ہے وایں شعر در حال بسط بعد قبض گفتہ۔ پردہ مفعول برگرفت وضمیر فاعل راجع بسوی یار۔ کار چراغ الخ مراد رونق تازہ گرفت۔ شمع سرگرفتہ و پیر سال خوردہ کنایہ از دل کہ از افسردگی چوں شمع کہ قریب مردن باشد نزدیک بود کہ سر در پردہ ظلمت کشد و ہمچو پیر ضعیف شدہ بود پس از بسط مسرور شد۔ یا مراد از شمع سرگرفتہ واردات کہ مخفی و سر در گریبان شدہ بودند۔ یا معنی سرگرفتہ آنکہ گل او گرفتہ باشند کہ ازاں پس روشن می شود پس مراد بریں تقدیر دل باشد و بس واشارہ بایں باشد کہ ہمیں شان بسط بعد قبض می شود مایوس نباید بود واللہ اعلم۔

آں عشوہ داد عشق کہ مفتی ز رہ برفت　　واں لطف کرد دوست کہ دشمن حذر گرفت

مفتی سے مراد خواص منکرین اور دشمن سے مراد عوام منکرین یعنی عشق کے آثار ہم پر اس طرح وارد ہوئے کہ خواص مذکورین بھی متاثر ہو گئے اور عوام بھی دم بخود رہ گئے اس اثر کے دوام ترتب کا حکم نہیں کرتے بلکہ احیاناً ایسا بھی ہوتا ہے کہ مخالفین پر بھی اثر پڑنے لگتا ہے کما ذکرنا۔

زنہار زین عبارت شیرین دل فریب　　گوئی کہ پستہ تو سخن در شکر گرفت

بہ زنہار استعاذہ کے لیے نہیں بلکہ استعظام کے لیے ہے یعنی اللہ اکبر محبوب کا کلام کس درجہ شیریں ہے گویا اُس کے پستۂ دہن نے اپنے سخن کو شکر میں لپیٹ رکھا ہے۔ مقصود بیان کرنا ہے ایک کمال محبوب کا تاکہ غیر طالبین کو زیادت طلب پیدا ہو۔

بار غمے کہ خاطر ما خستہ کردہ بود　　عیسیٰ دمے خدا بفرستاد و برگرفت

برگرفت یعنی دور کرد آں بار غم را۔ اس میں تشکر یہ ہے مرشد کا کہ اُن کی ہمت یا تلقین سے قبض رفع ہوا ہوگا۔

ہر سرو قد کہ بر مہ و خور حسن می فروخت　　چوں تو در آمدی پئے کار دگر گرفت

حسن می فروخت یعنی تفاخر می کرد۔ مطلب یہ کہ جو اپنے کو ماہ و خور سے بھی زیادہ حسین سمجھتے تھے جب محبوب حقیقی کا حسن ظاہر ہو گیا وہ اور کام میں لگ گئے کنایہ اس سے ہے کہ دعوے چھوڑ دیا اور بہتر ہے کہ اور کام سے مراد عاشقی ہو یعنی وہ خود ہی عاشق ہو گئے پس درآمدی سے مراد در آمدی بر دلہای ایشان اور اگر درآمدی کے معنی ہوں درآمدی بر دلہای طالبان تو معنی یہ ہوں گے کہ جن طالبین کے سامنے محبوبان مجازی دعوے کرتے تھے جب اُن طالبین کے قلوب میں آپ کی معرفت ہو گئی اور اُن حسینوں نے اپنی بے قدری دیکھی اور اُمید التفات نہ رہی اپنے دوسرے کام میں لگ گئے۔

زیں قصہ ہفت گنبد افلاک پر صداست　　کوتہ نظر ببین کہ سخن مختصر گرفت

ایں قصہ سے مراد عشق ہے۔ مطلب یہ کہ عشق کا سب میں اثر ہے کوتاہ نظر اس کو صرف بعض آدمیوں ہی کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں اور اُن کو ملامت کرتے ہیں۔ عشق سے مراد

مطلق انجذاب الی اللہ خواہ مع الشعور ہو یا بلا شعور اور شعور کے ساتھ خواہ خود اُس انجذاب کا ادراک ہو یا نہ ہو اور خواہ بلا واسطہ ہو یا بواسطہ جیسا اس کے قبل بھی بعض بعض جگہ بیان کیا گیا ہے۔ اس تقریر پر اس میں جواب ہوگا لائم کو اور ممکن ہے کہ فضیلت عشق کی بیان کرنا ہو۔

حافظؔ تو ایں دعا ز کہ آموختی کہ یار
تعویذ کرد شعر ترا وبزر گرفت

دعا سے مراد مطلق کلام کہ مشتمل ہے ثنا پر۔ تعویذ کرد یعنی اور امثل تعویذ شمار کر دیعنی گرامی داشت وبزر گرفت یعنی خرید چنانچہ تعویذ زا می خرند مراد آنکہ شعر را گرامی داشت و برآں صلہ داد از لطف وکرم خویش۔ اور یار سے مراد اگر محبوب حقیقی ہے تو زکہ ہیں کاف سے بھی وہی مراد ہے اور معنی یہ ہوں گے کہ جو چیز عند اللہ مکرم ہو اُس کی تعلیم کرنے والا اور کون ہوگا تونے بھی سو اُن کے کس سے سیکھا ہے یعنی اُن ہی سے سیکھا ہے پس مقصود یہ ہوگا کہ جو عمل مبرور صادر ہو جاوے وہ اُن ہی کا احسان ہے مغرور نہ ہو۔ اور اگر یار سے مراد مرشد ہو تو کاف ہیں دو احتمال ہیں ایک تو وہی جو مذکور ہوا پس مقصود یہ ہوگا کہ مرشد کی عنایت بھی اللہ تعالےٰ کی ایک نعمت ہے۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ کاف سے مراد بھی مرشد ہو اور آموختن ظاہری ہو یعنی یہ اُن ہی کی تعلیم وتلقین کا فیض ہے اور آموختن کے اس معنی پر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یار سے مراد محبوب حقیقی ہو اور کاف سے مراد مرشد۔

غزل

شنیدہ ام سخن خوش کہ پیر کنعان گفت
فراق یار نہ آں میکند کہ بتواں گفت

حدیث ہول قیامت کہ گفت واعظ شہر
کنایتے ست کہ از روزگار ہجراں گفت

نشانِ یارِ سفر کردہ از کہ پرسم باز
کہ ہر چہ گفت برید صبا پریشاں گفت

فغاں کہ آں مہ نا مہرباں دشمن دوست
بترک صحبتِ یارانِ خود چہ آساں گفت

غم کہن بمئی سال خوردہ دفع کنید
کہ تخم خوشدلی ایں ست پیر دہقاں گفت

من و مقام رضا بعد ازیں و شکر رقیب | کہ دل بدرد تو خو کرد و ترک درمان گفت
گرہ بباد مزن گرچہ بر مراد وزد | کہ ایں سخن بمثل باد با سلیمان گفت
مزن بچون و چرا دم کہ بندۂ مقبل | قبول کرد بجان ہر سخن کہ جانان گفت
بعشوۂ کہ سپہرت دہد ز راہ مرو | ترا کہ گفت کہ ایں زال ترک دستان گفت
بیار بادہ بخور زانکہ پیر میکدہ دوش | بسے حدیث غفور و رحیم و رحمان گفت
کہ گفت حافظ از اندیشۂ تو آمد باز | من ایں نگفتہ ام آں کس کہ گفت بہتان گفت

یہ غزل حالت قبض پر منطبق ہوتی ہے۔ پیر کنعان یعقوب علیہ السلام اور ہول قیامت روزگار ہجراں سے کنایہ اور شعبہ ہونا اس لیے صحیح ہے کہ حقیقت عذاب کی بعد عن الحق ہے اور سب انواع عذاب کے اُس کے آثار و طرق ہیں۔ اور سفر کردہ کے معنی ہیں در حجاب شدہ مجازاً کیونکہ سفر سبب ہے حجاب کا۔ اور برید صبا سے مراد ہیں۔ شیوخ غیر محققین جو قبض کی حکمتیں نہیں جانتے اور طرح طرح سے اُس کے ازالہ ہی کی تدبیریں کرتے ہیں اور بعض اوقات وہ تدبیریں سب ناکافی ہوتی ہیں کیونکہ اُس وقت اللہ تعالےٰ کو قبض ہی سے تربیت مقصود ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اس استتار کے متعلق کس سے تحقیق کروں کہ ان غیر محققین سے تو کوئی بات جمعیت بخش نہیں ملی پریشان اسی کو کہا (برید بمعنی قاصد) اس میں اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ غیر محقق سے احوال باطنی میں رجوع نہ کرے اور نامہربان کا ترجمہ ہے قاہر کہ قہر ضد مہر ہست اور نعوذ باللہ مطلق مہر کی نفی مقصود نہیں بلکہ خاص اُسی معاملہ میں جس میں قہر ہوا ہے ظاہر ہے کہ مہر نہیں ہوا اور یہ باعتبار صورت کے ہے ورنہ قبض بھی عین مہر ہے البتہ وہ لطف بصورت قہر ہے تنگ دلی میں صرف قہر کے پہلو پر نظر پڑتی ہے اور چونکہ محبین کے ساتھ انواع معاملات ابتلائیہ پیش آتے ہیں اور ابتلاء صورۃً خلاف محبت ہے اس لیے دشمن دوست باضافت کہہ دیا یعنی کیسی آسانی سے اپنے محبین سے فراق اختیار کر لیا اور آسان ہونا اس کا ترجمہ ہے وکان ذلک علی اللہ یسیرا آگے ایک تعلیم محققین کی حالت قبض کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ ان غموں کا اصل علاج عشق ہے یعنی عشق

ومحبت ہی کو مقصود سمجھو دوسرے ثمرات سے کہ واردات بھی اُس میں داخل ہیں قطع نظر کرو اور وہ حاصل ہی ہے پس اگر دوسرے ثمرات نہیں ہیں نہ سہی قال الرومی رح ؎

روزہا گر رفت گورو باک نیست   تو بمان ای آنکہ چوں تو پاک نیست

بس اس سے پوری تسلی ہو جاتی ہے گو قبض رفع نہ ہو اسی تسلی کو خوش دلی کہا گیا اور شیخ محقق کو پیر دہقان کہا گیا اور می سال خوردہ چونکہ قوی ہوتی ہے مراد اس سے عشق کامل ہے جس کے آثار میں سے ہے خواہشوں کا فنا ہو جانا آگے بھی گویا اسی مضمون کا اعادہ بعنوان دیگر ہے کہ آئندہ سے میں رضا اختیار کروں گا اور رقیب سے مراد وہی غیر محققین کہ وہ طالب بھی ہیں مگر دوسرے طالب کے لیے موصل الی الحبیب نہیں بلکہ تعلیم ناقص سے طالب کے پریشان کرنے والے ہیں اور یہی شان ہوتی ہے رقیب کی اُن کا شکر اس لیے ادا کرتے ہیں کہ اُن کی تعلیم کے لیے ناکافی ہونے کا تجربہ ہو کر دل یکسو ہو گیا اور تزاید غموم سے کہ ایک غم قبض کا تھا دوسرا تدبیرات کے غیر مفید ہونے کا اور بھی دل کو عادت پڑ گئی اور اخیر میں علاج چھوڑ دیا کہ حقیقت میں یہی علاج تھا اس لیے رقیب کا بھی شکر ادا کرتے ہیں کہ اس کے حصول میں اُس کو بھی من وجہ دخل ہے آگے بسط پر مغرور نہ ہونے کو فرماتے ہیں دگرہ بباد زدن تکیہ واعتماد بر کار بے بقا کردن کذا فی الغیاث) آگے مضمون رضا کا اعادہ ہے اور حالانکہ ظاہراً مقام رضا علی الفعل کا ہے مگر سخن اس لیے کہا کہ کلام خداوندی میں رضا علی الفعل کا امر ہے تو اُس کو قبول کرنے سے رضا علی الفعل حاصل ہو گی اور یاجانان سے مراد مرشد یعنی مرشد نے جو یہ علاج تبلایا ہے گو تمہاری سمجھ میں نہ آوے مگر مان لینا کہ یہ اطاعت نافع ہو گی اور آگے بھی امر ہے ترک غرور علی البسط کا اور یہ کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ یہ زائل نہ ہو گا اسی کو دستان کہا گیا اور سپہر بمعنی زمان کی طرف نسبت اسناد مجازی الی الزمان ہے پس اُس کا فاعل ہونا لازم نہیں آتا اور زال باعتبار کہنہ کے کہا اور دستان چونکہ لقب زال پدر رستم کا بھی ہے اس لیے اس کی لطافت شاعری ظاہر ہے اور چونکہ اوپر عشق کو علاج تبلایا ہے اور اُس میں بعضے ناواقف بوجہ اُس کے بعض آثار کے شبہ غیر مشروع ہونے کا ڈال دیتے ہیں اور یہ شبہ مانع ہوتا ہے اُس کے اختیار کرنے سے اس لیے اس وسوسہ کو دفع کرتے ہیں اور علی سبیل التنزل کہتے ہیں کہ اگر فرضاً ایسا ہو بھی تو نصوص رحمت ومغفرت کے یاد کرو۔ آگے مقطع میں یہ تبلانا ہے کہ قبض وغیرہ کیسے ہی شدائد پیش آویں

محبوب حقیقی یا مرشد سے تعلق قطع نہ کرنا چاہیے ثبات چاہیے۔

غزل

اس میں بیان ہے بعض آثار عشق کا تاکہ عشاق اس کے لیے تیار رہیں اور گھبراویں نہیں۔

مدامم مست میدارد نسیم جعد گیسویت　　خرابم میکند ہر دم فریب چشم جادویت

اس میں بیان ہے فریفتگی عاشق کا علی الدوام جو کہ اثر ہے عشق کا۔

پس از چندیں شکیبائی شبے یارب تواں دیدن　　کہ شمع دیدہ افروزیم در محراب ابرویت

تواں دیدن مقصود استفہام ست۔ افروزیم صیغۂ جمع متکلم۔ اس میں طلب ہے تجلی کی یا قرب کی اول امر طبعی ہے دوسرا امر عقلی اول تقدیر پر شکیبائی سے مراد قبض ہے اور تقدیر ثانی پر مجاہدہ و مشاق اور اظہار شکیبائی سے دعوے مقصود نہیں بلکہ استمالت۔

سواد لوح بینش را عزیز از بہر آں دارم　　کہ جاں را نسخہ باشد ز نقش خال ہندویت

لوح بینش مردمک چشم کذا فی الشرح۔ نسخہ صحیفہ ہندو سیاہ۔ ترجمہ لفظی یہ ہے کہ میں پتلی کی سیاہی کو اس لیے محبوب رکھتا ہوں کہ محبوب کے خال سیاہ کا وہ میری ذات کے لیے ایک نمونہ اور دفتر مطالعہ ہے یعنی پتلی چونکہ مشابہ خال محبوب کے ہے اس لیے اُس کو عزیز سمجھتا ہوں اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ ایک اثر عشق کا یہ بھی ہے کہ محبوب سے جن چیزوں کو تعلق ہے اُن سے بھی محبت رکھے فی الحدیث اللھم ارزقنی حبک وحب من یحبک۔ حب عمل یقربنی الی حبک ومثل ذلک۔

تو گر خواہی کہ جاوید آنجہاں یکسر بہار آئی　　صبا را گو کہ بردارد زمانے برقع از رویت

مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ محبوب کے جمال و کمال کا انکشاف قلوب کی عمارت و نورانیت ہے پس یہ نور بھی اثر عشق کا ہوا کیونکہ اس کا سبب کہ انکشاف ہے، خود مسبب ہے محبت سے اور آنجہاں سے مراد یا تو عالم ابصار ہے جو اوپر کے شعر میں مذکور ہے یعنی اگر خواہی کہ دیدہ ہا را ہمیشہ با نور داری پس پیش دیدہ ہا متجلی بباش۔ اور اگر اس شعر کا ماقبل سے اتصال

ملحوظ نہ رکھا جاوے تو آنجہاں سے مراد ہر وہ مقام ہو گا جہاں تجلی ہو یعنی جس مقام کو منور کرنا ہو اُسی مقام میں تجلی فرمایئے پس آں کا مشارالیہ مصرعہ ثانیہ سے مفہوم ہو گا۔

دگر رسم فنا خواہی کہ از عالم براندازی　　بیفشاں زلف تا ریزد ہزاراں جان ز ہر مو بیت

اس میں اس کا بیان ہے کہ تعلق مع اللہ سے حیات جاوید حاصل ہوتی ہے ہرگز نمیرد آنکہ الخ اور حیات سے مراد حیات لذیذہ ہے فلا یرد حیوۃ اہل النار اور یہ حیات بھی اثر عشق کا ہے۔

من و باد صبا مسکین و سرگرداں و بے حاصل　　من از افسون چشمت مست و او از بوی گیسو بیت

اس میں بیان ہے عموم آثار عشق کا کہ میری طرح اور بھی عشاق ان آثار سے متاثر ہیں۔

من از لطف صبا دارم سپاس نکہت جاناں　　وگرنہ کے گذر بودے بسحرگاہاں ازیں سو بیت

یعنی نکہت جاناں جو مجھ تک پہنچ گئی جس کا میں شکر گزار ہوں سو یہ بدولت لطف صبا کے ہے ورنہ محبوب کا ادھر کاہے کو گذر ہوتا کہ میں بلا واسطہ اس نکہت سے کامیاب ہوتا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ مرشد کا شکر گزار ہونا ضروری ہے کہ اُس کی بدولت معرفت میسر ہوئی ورنہ بلا واسطہ ہادی کے کسی کو یہ دولت نصیب نہیں ہوتی خواہ وہ ہادی نبی ہو یا ولی یا الہام ملک جس کے پاس نبی وغیرہ نہ پہنچیں اور احیاناً وہ مشرف ہو جاوے وقد ذم اللہ تعالیٰ قوما ارادوا الوصول بلا واسطۃ فقال الذین لا یعلمون لولا یکلمنا اللہ الخ پس نکہت جاناں مشکور علیہ ہے مشکور نہیں بلکہ مشکور باد صبا ہے اور یہ بھی ایک اثر ہے محبت کا کہ واسطہ وصول کی شکر گزاری کرے۔

سواد دیدہ ہر وقتی بخون دل ہمی دیدم　　عزیزش دارم ایں ساعت بیاد خال ہندو بیت

بخون دل ہمی دیدم یعنی دشمن میداشتم کذا فی الحاشیۃ۔ یہ شعر ہم معنی ہے اس غزل کے شعر ثالث سواد لوح الخ کا جس کی شرح گزر چکی ہے۔

زہے ہمت کہ حافظ رست از دنیا و از عقبیٰ　　نیاید ہیچ در چشمش بجز خاک سر کو بیت

اس میں بیان ہے عشق کے اس اثر کا کہ دنیا متروک اور عقبیٰ غیر ملتفت الیہ بالذات ہو جاتی ہے۔ ؎

غزل

مردم دیدۂ ماجز برخت ناظر نیست　　دل سرگشتۂ ما غیر ترا ذاکر نیست

اس میں بضمن حکایت اشارۃً تعلیم ہے طالب کو کہ بجز مطلوب حقیقی کے کسی طرف التفات نہ کرے۔ ؎

اشکم احرام طواف حرمت می بندد　　گرچہ از خون دل ریش دمی طاہر نیست

اس میں تعلیم ہے کہ ہجر و پریشانی میں بھی طلب سے تقاعد نہ کرے اور پریشانی کو مانع نہ بنائے جیسے معذور کو حکم ہے کہ گو دم سے طہارت نہ ہو مگر اس کو مانع نہ سمجھے جیسے بعضے لوگ ایسے احوال یعنی ہجر و معذوری میں معطل ہو جاتے ہیں۔

بستۂ دام قفس باد چو مرغ وحشی　　طائر سدرہ اگر در طلبت سائر نیست

بستۂ دام باد دعای ہلاکت است۔ و طائر سدرہ جبریل مراد سالک۔ و سائر روندہ مراد ساعی و مجاہد۔ اس میں تعلیم ہے مجاہدہ و تحمل مشاق کی سلوک میں اور تہدید ہے استحقاق ہلاکت سے اس کے خلاف میں و ہذا کقول الرومی ع ہر کہ ایں آتش ندارد نیست باد۔ ؎

عاشق مفلس اگر قلب دلش کرد نثار　　مکنش عیب کہ بر نقد رواں قادر نیست

اس میں تعلیم ہے کہ عبادات کے کمال پر قادر ہونے کا انتظار نہ کرے جیسی بھی ہو جاوے ترک نہ کرے کہ وہی مفتاح مقصود ہو جاتی ہے اور کمال عبادت بھی تدریجاً اسی سے میسر ہو جاتا ہے بہت لوگ اس انتظار میں عمر بھر بطالت میں گرفتار رہے ہیں۔ ؎

عاقبت دست بر آں سرو بلندش برسد　　ہر کرا در طلبش ہمت او قاصر نیست

اس میں تعلیم ہے طلب میں عالی ہمتی کی اور بشارت ہے وصول الی المقصود کی اس کے ذریعہ

سے۔ ؎

ازرواں بخشیٔ عیسیٰ نزنم پیش تو دم　　　　زانکہ در روح فزائی چو دمست قادر نیست

اگر اس میں خطاب محبوب حقیقی کو ہو تو معنی بے تکلف ہیں اور اس میں اس مسئلہ کا بیان ہو جاوے گا کہ کمالات ممکن کمال واجب کے سامنے لاشی محض ہیں اور فائدہ اس کی تفریح سے یہ ہو سکتا ہے کہ ممکن و واجب میں تباین کا اعتقاد واجب ہے۔ اور حلول و اتحاد کا اعتقاد باطل۔ اور اگر خطاب مرشد کو ہو تو عیسیٰ سے مراد مجازاً دوسرے شیوخ جو مدعی احیا قلوب کے ہیں اُن کے زعم کے اعتبار سے اُن کو عیسیٰ کہہ دیا پس تعلیم اس کی ہوگی کہ اپنے شیخ کو سب شیوخ سے افضل یعنی نافعیت میں اکمل سمجھے جیسا کہ در روح فزائی کی قید اس کا قرینہ بھی ہو سکتا ہے یعنی تربیت باطنی میں آپ کے برابر نہیں۔ اور مجاز پر محمول کرنا اس لیے ضروری ہے کہ اعتقاد تفضیل ولی کا نبی پر کفر ہے ؎

منکہ از آتش سودای تو آہے نہ زنم　　　　کے تواں گفت کہ بر داغ دلم صابر نیست

دلم مبتدا و صابر خبر و داغ بلا اضافت ست۔ اس میں تعلیم ہے تحمل و صبر کی اور یہ کہ زیادہ کمال ضبط ہی میں ہے کہ اس میں باطن کی بھی زیادہ ترقی ہے اور البعد عن الریا بھی ہے کہ عوام اکثر اہل شورش کو زیادہ کامل سمجھتے ہیں اور جو قادر ہی نہ رہے وہ مستثنیٰ ہے۔ اور بعض نسخو ں میں آہے بزنم مطلب یہ ہو جاوے گا کہ میں جو کبھی کبھی ایک آدھ آہ کر دیتا ہوں تو مجھ کو غیر صابر نہ سمجھا جاوے مگر جب طاقت ہی ضبط کی طاق ہو جاوے تو مجبوری ہے ورنہ باختیار آہ نہیں کرتا۔ قال الشیخ رح ؎

بہ تسلیم سر در گریبان برند　　　　چو طاقت نماند گریبان درند ؎

روز اول کہ سر زلف تو دیدم گفتم　　　　کہ پریشانی ایں سلسلہ را آخر نیست

روز اول سے مراد جس روز متکلم کو انکشاف آثار عشق کا ہوا ہے یعنی میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ اس کے آثار لاتقف عند حد ہیں۔ اس میں تعلیم ہے کہ عشاق کو ہمیشہ ان آثار کے لیے آمادہ رہنا چاہیے۔ ؎

سر پیوند تو تنہا نہ دل حافظ راست　　　　کیست آنکس سر پیوند تو در خاطر نیست

پیوند وصل۔ مطلب یہ کہ آپ کے بہت عشاق ہیں اس میں تعلیم ہو سکتی ہے اس کی کہ کوئی اپنے عشق و محبت پر ناز نہ کرے یہاں ایسے ایسے بے انتہا ہیں۔

غزل

یہ غزل مرشد کے فراق میں ہو سکتی ہے اور اس میں اشارہ اس تعلیم کی طرف ہو سکتا ہے کہ مرشد سے کمال محبت شرط نفع ہے طبعی ہو یا عقلی۔

بے مہر رخت روز مرا نور نماندہ است　　　　وز عمر مرا جز شب دیجور نماندہ است

ہنگام وداع تو ز بس گریہ کہ کردم　　　　دور از رخ تو چشم مرا نور نماندہ است

دور از رخ تو ترکیب میں حال ہے جس میں کردم عامل ہے اور ضمیر متکلم کی ذو الحال۔ اور ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ جملہ دعا ہو مطلب یہ کہ میں جو کہہ رہا ہوں چشم مرا نور نماندہ است اور ایک معنی کہ ای محبوب تم بھی میری چشم ہو تو خدا نہ کرے تمہاری نسبت نہیں کہتا اس بے نوری کو خدا تمہاری ذات سے دور رکھے۔

من بعد چہ سود ار قدمے رنجہ کند دوست　　　　کز جان رمقے در تن رنجور نماندہ است

چہ سود کی وجہ ظاہر ہے کہ تربیت باطن کی بعد مرگ نہیں ہوتی لانقطاع العمل۔

می رفت خیال تو ز چشم من و می گفت　　　　ہیہات ازیں گوشہ کہ معمور نماندہ است

خیال ہے مراد عکس مرئی کا جو پتلی میں پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کے لیے محاذاۃ شرط ہے جب محبوب محجوب ہو گیا تو وہ عکس بھی زائل ہو گیا پس کہتے ہیں کہ وہ خیال بھی میرے گوشۂ چشم کے غیر معمور رہنے پر افسوس کرتا تھا مقصود اس ادعا سے مبالغہ ہے اپنی خرابی حالت کے بیان میں۔

نزدیک شد آندم کہ رقیبان تو گویند　　　　دور از درت آں خستہ رنجور نماندہ است

دور از درت حال ہے یعنی بہت جلد میرے مرنے کی خبر سن لوگے اور رقیبان کی اضافت ضمیر مخاطب کی طرف ادنی ملابستہ سے ہے یعنی رقیبان من کہ در عشق تو شریک من اند۔ یا بالمعنی اللغوی اضافت مفعول کی طرف بھی ہو سکتی ہے یعنی نگہبانان تو و مانعان تو از ملاقات دیگر عشاق ہے

وصل تو اجل را از سرم دور ہمیں داشت ۔۔۔ از دولت ہجر تو کنون دور نماندہ است

حرف از در مصرعہ ثانیہ برای سببیت است ہجران۔ اور دولت اس لیے کہا کہ ہر چہ از دوست میرسد نیکوست یا دولت لغۃً بمعنی نوبت ہے یعنی پہلے تو وصل کی نوبت تھی اب ہجر کی جو نوبت آئی تو اُس کا یہ اثر ہوا جو شعر میں مذکور ہے۔

صبر ست مرا چارہ ز ہجران تو لیکن ۔۔۔ چوں صبر تواں کرد کہ مقدور نماندہ است

یعنی اصل میں تو ہجر کا علاج صبر ہی ہے مگر صبر کیونکر کیا جاوے کہ خارج از قدرت ہو گیا ہے

در ہجر تو گر چشم مرا آب نماندہ ۔۔۔ گو خون جگر ریز کہ معذور نماندہ است

یعنی گو پانی تو آنکھوں کا سب خرچ ہو چکا لیکن اُس سے کہیے کہ خون جگر بہا کہ وہ اس سے بھی عذر نہ کرے گا۔ یعنی بعد اشکباری کے خون باری کے لیے تیار ہے۔

حافظ ز غم از گریہ نپرداخت بخندہ ۔۔۔ ماتم زدہ را داعیۂ سور نماندہ است

داعیہ خواہش و سور جشن و شادی عروسی کنایہ از مسرت۔ اس میں بیان ہے بالکلیہ زوال سرور کا اور علی الدوام شغل گریہ کا۔ اور مصرعہ ثانیہ بطور مثال کے ہے۔

غزل

مدتے شد کاتش سودای او در جان ماست ۔۔۔ وین تمنا بیں کہ دائم در دل ویران ماست

در مصرعہ ثانیہ ضمیر در رابط بسوی تمنا و جملہ دائم الخ صفت تمنا۔ بیان کرتے ہیں اپنے عشق اور تمنائے وصال کا کہ آثار عشق سے ہے۔

مردم چشم بخوناب جگر غرق اند از آنکہ ۔۔۔ چشمۂ مہر رخش در سینۂ نالاں ماست

یعنی چونکہ اُس کا آفتاب رُخ میرے سینہ میں ہے اُس کے اثر سے میری پتلی خون جگر میں غرق ہے۔اس میں بیان کرنا ہے اپنی یاد اور گریہ کا۔

آب حیوان قطرهٔ از لعل ہمچوں شکرش — قرص خور عکسے ز روی آں مہ تاباں ماست

یعنی آب حیات اُس کے لب سے اور قرص خور اُس کے رخ سے مکتر ہے۔اس میں بیان ہے محبوب حقیقی کے حسن کے سامنے محبوبان مجازی کے حسن کے کم ہونے کا۔

تا نفخت فیہ من روحی شنیدم شد یقین — بر من ایں معنی کہ ما زاں ویم وی زانِ ماست

یقین بہ معنی یتیقن و ایں معنی اسم شد و یقین خبر شد۔یعنی اس آیت میں جو اضافہ تشریفیہ ہے اس سے اختصاص آدم علیہ السلام کا حق تعالےٰ کے ساتھ اور اُن کے واسطہ سے بنی آدم کا معلوم ہو گیا خصوص جب کہ مطلق انسان کے لیے بھی قرآن میں اسی قسم کی اضافہ آئی ہے ثم سواه و نفخ فیہ من روحہ اور ظاہر ہے کہ اختصاص نسبت فی الجانبین ہے اس لیے ما زان ویم وے زاں ماست ثابت ہو گیا۔مقصود یہ ہے کہ حق تعالےٰ نے انسان کو بدو خلقت میں شرف و اختصاص اپنی ذات پاک کے ساتھ بخشا ہے اگر کوئی ضائع نہ کرے وہ باقی رہتا ہے ورنہ ضعیف یا زائل ہو جاتا ہے پس اس میں تعلیم ہے اُس کو تضییع سے محفوظ رکھنے کی اور تضییع ہوتی ہے غفلت و معصیت سے پس مقصود ان سے نہی کرنا ہے۔

ہر دلے را اطلاعے نیست بر اسرار غیب — محرم ایں سر معنی دار علوی جان ماست

غیب سے مراد عشق کہ اکثروں سے اُس کے اسرار و آثار مخفی ہیں اور معنی دار صفت اوّل سر کی اور علوی صفت ثانیہ اُس کی یعنی یہ جو از بامعنی عالیشان ہے اس سے ہم ہی واقف ہیں شاید مقصود اس سے یہ ہو کہ ناواقفوں کو واقفوں سے دعوئ ہمسری نہ چاہیے جیسا کہ

ہمسری با انبیا برداشتند — اولیاء را ہمچو خود پنداشتند

بلکہ اُن سے بہ نیاز و اقتباس فیوض پیش آنا چاہیے۔

چند گوئی ای مذکر شرح دین خاموش باش — دین ما در ہر دو عالم صحبتِ جاناں ماست

یہ مطلب نہیں کہ دین کی شرح کو سُننا نہیں چاہتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ تو دین حقیقی کی شرح جانتا نہیں پھر بیان کرنے سے کیا فائدہ تو صرف صورت دین کو جانتا ہے جس میں اعمال بے خلوص وبے معیت حق ہوں ہمارے نزدیک تو دین حقیقی کی روح معیت حق ہے جس سے تو تعرض ہی نہیں کرتا پس اعمال کی نفی بھی نہ ہوئی بلکہ تعلیم ہے خلوص کی کہ شرائط سلوک سے ہے۔

حافظا تا روز آخر شکر ایں نعمت گزار | کاں صنم از روز اوّل داد وی در دامان ماست

روز آخر روز مرگ۔ از روز اول یعنی از ابتدا وجود ما۔ مطلب یہ کہ ہمیشہ سے ہم پر فضل رہا ہے۔ اس میں تعلیم ہے شکر کی کہ واجبات سلوک سے ہے۔

غزل

امروز شاہ انجمن دلبراں یکی ست | دلبر اگر ہزار بود دل بر آں یکے ست

من بہر آں یکے دل و دیں دادہ ام بباد | عیبم مکن کہ حاصل ہر دو جہان یکے ست

سودائیان عالم پندار را بگوے | سرمایہ گم کنید کہ سود و زیاں یکے ست

خلقے زبان بدعوئ عشقش کشادہ اند | ای من غلام آنکہ دلش با زبان یکے ست

حافظ بر آستانۂ دولت نہادہ سر | دولت دراں سرست کہ با آستاں یکے ست

اس غزل میں تعلیم ہے اخلاص کی کہ توحید حقیقی ہے۔ یعنی کوئی محبوب مطلوب نہیں سلطان المحبوبین ایک ہی ہے اور گو ظاہر میں بہت سے محبوب ہیں مگر دل ایک ہی پر ہے (پس بر حرف جار اور آں اسم اشارہ ہے اس میں ارشاد ہے کہ التفات ذات واحد ہی کی طرف چاہیے۔ اور دین کے برباد کرنے کے دو معنے ہو سکتے ہیں یا تو زہد ریائی کہ اخلاص سے ریا مرتفع ہو ہی جاوے گا اور یا دین بمعنی ایمان مرادف ہے تصدیق و علم کا اور بعض احوال عشقیہ میں علم و شعور بھی مضمحل ہو جاتا ہے اور حاصل ہر دو جہان کے معنے یہ ہیں کہ چیزیکہ در دو جہاں حاصل کردنی ست اور یکے سے مراد وہی جو آں یکے میں مراد ہے اور سودا بمعنی خیال یعنی جن لوگوں نے طاعات سے طرح طرح کے خیال مال و جاہ وغیرہ کے پکا رکھے ہیں ان سے کہہ دیا جاوے کہ

اس سرمایۂ مال وجاہ کو دل سے گم کرو کہ ان کا حصول کہ سود ہے اور عدم حصول کو زیاں ہے سب برابر ہے یعنی طاعت سے اور ہی مقصود ہے خواہ یہ امور ہوں یا نہ ہوں اور نرے دعویٰ محبت سے کیا ہوتا ہے قلب ولسان میں مواطاۃ ضروری ہے یعنی جس طرح زبان سے اقرار ہے خلوص کا اسی طرح قلب میں بھی خلوص ہونا چاہیے اور حافظ نے تو روی اخلاص آستانہ پہ رکھ چھوڑا ہے وہی شخص بادولت ہے جو اس آستانہ پر سر کو فدا کر دے یعنی دوسرے کی طرف توجہ نہ کرے اور یہ بدوں اخلاص کے ہوتا نہیں یعنی اخلاص اختیار کرے

غزل

المنۃ للہ کہ درِ میکدہ باز ست — زاں رو کہ مرا بر درِ او روی نیاز ست

خمہا ہمہ در جوشش و خروش اند ز مستی — واں می کہ در آنجاست حقیقت نہ مجاز ست

یعنی چونکہ میں اُس درگاہ میں عجز وزاری رکھتا ہوں اللہ تعالےٰ کا احسان ہے کہ دروازہ فیوض مفتوح ہے اور فیوض کا ورود ہے (اس میں اشارہ دو امر کی طرف ہوگیا ایک یہ کہ توجہ رحمت الٰہیہ کے لیے عادۃً توجہ عبد کی شرط ہے قال تعالےٰ انلزمکموہا وانتم لہا کارہون وقال علیہ السلام ان اللہ لایستجیب الدعاء من قلبٍ لاہٍ ۔ دوسرا امر یہ کہ پھر بھی حق تعالےٰ ہی کا احسان ہے کیونکہ ہمارا عمل ناقص اُن کی رحمت کاملہ کے متوجہ ہونے میں موثر نہیں ہو سکتا) اور چونکہ رحمت الٰہیہ متوجہ ہے اس لیے قاسمان فیوض (کہ ملائکہ ہیں یا مرشدین) سب جوش میں ہیں (چنانچہ طالب صادق کو نفع پہنچانے کے لیے سب مستعد ہوتے ہیں ملائکہ عقلاً اور بشر طبعاً بھی) اور جو شراب وہاں ہے وہ حقیقت ہے مجاز نہیں یعنی اُس کا اثر دائمی ہے عارضی نہیں مثل خمر ظاہری کے کہ تاثیر اُس کی عارضی ہے ؎

ہر گز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق — ثابت است بر جریدہ عالم دوام ما

اس مدح میں ترغیب ہے اُس کے تحصیل کی ؎

از وی ہمہ مستی و غرور ست و تکبر — وز ما ہمہ بیچارگی و عجز و نیاز ست

مستی وغیرہ سے مراد استغناء بمعنی عدم احتیاج نہ بمعنی بے توجہی و تقابلش بہ عجز و نیاز ہم قرینہ بر آں ست مطلب یہ کہ اُس کو ہم سے حاجت نہیں ہم کو اُس سے حاجت ہے

اس میں عقیدہ کی بھی تصحیح ہے اور اس کی بھی تعلیم ہے کہ محتاج کو طلب میں کمی نہ چاہیے۔

شرح شکن زلف خم اندر خم جاناں　　کوتہ نتواں کرد کہ ایں قصہ درازست

شرح مضاف مضاف بہ شکن واو مضاف بزلف واو مضاف بجاناں دخم اندر خم صفت زلف ومجموعہ مفعول نتواں کرد۔ مراد اس سے یا تو محبوب کے کمالات ہیں کہ غیر متناہی بالفعل ہیں اور یا آثار عشق کے ہیں کہ لا تقف عند حد ہیں پس یا مدح محبوب کی مقصود ہے اور یا مدح محبت کی۔

بار دل مجنون وخم طرۂ لیلیٰ ست　　رخسارۂ محمود وکف پای ایازست

بار بمعنی دخل یا بارگاہ۔ مطلب یہ کہ دل مجنون کا مرجع خم زلف لیلیٰ ہے اسی طرح رخسارہ محمود کا قرارگاہ کف پائے ایاز ہے۔ اس میں تعلیم ہے کہ محب کو غیر محبوب کی طرف التفات نہ چاہیے اور نیز محبوب کے ساتھ عجز ونیاز سے پیش آنا چاہیے۔

بر دوختہ ام دیدہ چو باز از ہمہ عالم　　تا دیدۂ من بر رُخ زیبای تو بازست

اس کا بھی حاصل وہی ترک التفات الی ماسویٰ المحبوب ہے۔ اور تشبیہ باز سے اس لیے دی کہ اُس کی آنکھیں باندھے رکھتے ہیں شکار کے وقت کھول دیتے ہیں۔

رازیکہ بر خلق نہفتیم و نگفتیم　　با دوست بگوئیم کہ او محرم رازست

تعلیم اس کی ہے کہ اپنے حالات باطنی ہر کس وناکس سے نہ کہے صرف اپنے شیخ یا اُس کے مثل کوئی مربی ہو اُس ہی سے کہے۔

در کعبۂ کوی تو ہر آں کس کہ در آید　　با قبلۂ ابروی تو در عین نمازست

اس میں نماز کی روح کا بیان ہے صورت نماز کی نفی نہیں۔ ترجمہ یہ ہے کہ جو شخص آپ کے کعبہ محبت میں پہنچ گیا وہ آپ کے قبلۂ ابرو کی طرف متوجہ ہو جانے سے عین نماز کے اندر داخل سمجھا جاوے گا۔ یعنی روح نماز یہ ہے کہ محبت کے ساتھ متوجہ الی الحق ہو جاوے

اگر یہ نہیں ہے تو صورت نماز جسد بے معنی ہے پس اس میں تعلیم ہے تکمیل صلوٰۃ کی نہ کہ کتفا بر معنی محض پر کہ صورت کا مفروض ہونا خود منصوص ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس معنی کے صحیح و معتبر ہونے کی شرط یہی صورت ہے و اذا فات الشرط فات المشروط ۔

ای مجلسیان سوز دلِ حافظِ مسکین — از شمع بپرسید کہ در سوز و گداز ست

اس میں بیان اپنے سوز و گداز کا بھی ہے اور یہ بھی ارشاد ہے کہ عاشق کے حال کے ادراک کے لیے عاشقی ہی شرط ہے پس مبادرت الی الانکار خوب نہیں ۔

غزل

میرِ من خوش میروی کاندر سر و پا میرمت — ترک من خوش میخرامی پیش بالا میرمت

گفتہ بودی کے بمیری پیشم این تعجیل چیست — خوش تقاضا میکنی پیش تقاضا میرمت

عاشق و مہجور و مخمورم بت ساقی کجاست — گو خرامان شو کہ پیش قد رعنا میرمت

ایکہ عمری شد کہ تا بیمارم از مژگان تو — تو نگاہے کن کہ پیش چشم شہلا میرمت

گفتۂ لعل منت ہم درد بخشد ہم شفا — گاہ پیش درد گہہ پیش مداوا میرمت

خوش خراماں میروی چشم بد از روی تو دور — دارم اندر سر خیال آنکہ در پا میرمت

گرچہ جای حافظ اندر خلوت وصل تو نیست — ای ہمہ جای تو خوش پیش تو ہر جا میرمت

میر من یعنی اے امیر و سردار من ۔ پیشم متعلق بمیری ۔ این تعجیل جواب ست از عاشق شہلا نوعی ست از نرگس کہ در گل آں بجای زردی سیاہی می باشد مشابہ چشم انسان و شہلا بمعنی چشم سیاہ کہ مائل بہ سرخی باشد ۔ گفتۂ صیغۂ مخاطب اس تمام غزل میں اپنی جانبازی کا بیان ہے ہر حالت میں اور محبوب کی ہر ادا میں چنانچہ اشعار میں وہ احوال و معاملات مختلفہ مذکور ہیں اور جانبازی کو لوازم عشق سے بتلانا یہی فائدہ ہے اس حکایت سے اور ترجمہ ظاہر ہے ۔

غزل

کنوں کہ می دمد از بوستاں نسیم بہشت — من و شراب فرح بخش و یار حور سرشت
چمن حکایت اردی بہشت مے گوید — نہ عاقل ست کہ نسیہ خرید و نقد بہشت
بمی عمارت دل کن کہ ایں جہاں خراب — دراں سرست کہ از خاک ما بسازد خشت
وفا مجوی ز دشمن کہ پرتوے ندہد — چو شمع صومعہ افروزی از چراغ کنشت
مکن بنامہ سیاہی ملامت منِ مست — کہ آگہست کہ تقدیر بر سرش چہ نوشت
گدا چرا نہ زند لاف سلطنت امروز — کہ خیمہ سایہ ابرست و بزم گہ لب کشت
قدم دریغ مدار از جنازۂ حافظ — کہ گرچہ غرق گناہ ست میرود بہ بہشت

اس تمام غزل کا حاصل یہ ہے کہ وقت کو مغتنم سمجھ کر کچھ سرمایہ نجات و قرب جمع کر لینا چاہیے۔ اردی بہشت نام ماہ بہار۔ نسیہ سے مراد آخرت اور نقد سے دنیا نہیں ہے کہ خلاف سیاق وسباق ہے بلکہ تجمیق ہے مسوف کی کہ وقت کو اگلے اوقات کے دھوکا میں ٹالتا ہے۔ دراں سرست یعنی دراں خیال ست مطلب یہ کہ یہ عالم درپئے اہلاک کے ہے یعنی مرنا یقینی ہے پھر کیوں ٹالتے ہو اور دشمن سے مراد یا تو جہان خراب جو کہ اوپر کے شعر میں مذکور ہے یعنی زمانہ کسی سے وفا نہیں کرتا کہ اُس کو ہلاک نہ کرے اور یا نفس وشیطان کہ اعدی عدوک الذی بین جنبیک اور ان الشیطان للانسان عدو مبین مسلم ہے معنی یہ ہوں گے کہ ان کے دھوکہ میں مت آؤ اور وقت کو مت ٹالو کما قال تعالے ولا یغرنکم باللہ الغرور۔ اور پرتوی نہ دہد الخ یہ علت ہے ماقبل کی تشبیہ کے رنگ میں اور پرتوی نہ دہد جزا مقدم ہے اور مصرع ثانیہ شرط موخر ہے اور شمع مفعول ہے افروزی کا معنی یہ ہیں کہ اگر صومعہ کی شمع (مراد صومعہ سے مسجد ہے لقرینہ تقابل) بت خانہ کے چراغ سے روشن کر لو تو وہ کچھ نور نہیں دیتا (یہ مطلب نہیں کہ اُس میں روشنی نہیں ہوتی) بلکہ مقصود یہ ہے کہ کسی درجہ میں بوجہ قبیح ہونے کے اس فعل میں ظلمت ہے یعنی جس طرح کنشت سے نور لینا مستقبح ہے اسی طرح دشمن سے وفا کی اُمید رکھنا مستقبح ہے اور اس تشبیہ کا تناسب اس طرح ہے کہ

کسی رائے پر عمل کرنا گویا اپنی عقل کو اُس شخص کی عقل سے نور دینا ہے پس ماخوذ منہ کا شئی مذموم ہونا مشبہ مشبہ بہ دونوں میں مشترک ہے۔ نامہ سیاہی میں یا مصدری ہے یعنی نامہ سیاہ شدن بمعنی گنہ گاری مطلب یہ کہ معاصی پر مجھ کو ملامت مت کرو (یعنی ایسی ملامت جس میں بوئے تحقیر و ترفع آوے) اور کاف سمر مصرعہ ثانیہ پر کدامیہ ہے اور سرش کی ضمیر مست کی طرف ہے اور بعض نسخوں میں سرم ہے اور وہ بہت ظاہر ہے اور اُس کا حاصل حدیث کا مضمون ہے الاعمال بالخواتیم اس کی مناسبت اس مقام سے یہ ہوگی کہ خود اپنی عمر کو غنیمت سمجھ کر کام میں لگو دوسروں کے درپے کیوں ہوئے کہ بے سود ہے اور یا مقصود یہ ہو کہ میں نے اپنے لیے ذخیرہ بنانے کو عشق تجویز کیا تو اس پر خشک مزاج ملامت کرنے لگے جیسا کہ بعض افعال یا اقوال مستی میں اس قسم کے صادر ہو جاتے ہیں اور گو وہ گناہ نہیں مگر بزعم معترض اُس کو تسلیم کر کے جواب دیا تقریر جواب کی ظاہر ہے۔ اور میں کہ گدا ہوں مثل لاف سلطنت کے کیوں نہ مسرور ہوں کہ موقع دولت عشق حاصل کرنے کا میسر ہے پس خیمہ الخ اس سے کنایہ ہے۔ آگے مقطع میں ارشاد اس کا ہے کہ اہل معصیت یا اہل ملامت کو حقیر نہ سمجھو اور اس کا حاصل بھی وہی دونوں امر ہو سکتے ہیں جو شعر لکن الخ کی شرح میں مذکور ہوئے ہیں۔ لطیفہ۔ بعض حواشی میں شعر مقطع کے متعلق ایک قصہ عجیب لکھا ہے جو بعینہ نقل کیا جاتا ہے۔ منقول ست کہ حافظ ازیں جہاں رحلت فرمود مردماں بہ سبب اعمال رندانہ او بہ نماز جنازہ نمی پرداختند ناگہاں شخصے گفت کہ ایں رند بر پارہائے سفال چیزے می نوشت و در سبوی انداخت از سبو پارہ سفال بر دارید ہر چہ دراں نوشتہ یابید بر آں عمل کنید چوں ایں امر قرار یافت یکے از میاں ازاں سبو پارۂ سفال بر آورد چوں دیدند ہمیں شعر نوشتہ یافتند ازاں وقت معتقد حافظ شدند و از جملہ اشعارش دیوان مرتب کردند و نماز جنازہ خواندند۔ انتہیٰ۔

ردیف الثاء

غزل

درد ما را نیست درمان الغیاث	ہجر ما را نیست پایان الغیاث
دین و دل بردند و قصد جان کنند	الغیاث از جور خوبان الغیاث

در بہائے بوسۂ جانے طلب | میکنند ایں دلستانان الغیاث
خون ما خوردند ایں کافر دلان | ای مسلمانان چہ درمان الغیاث
داد مسکینان بدہ اے روز فضل | از شب یلدای ہجران الغیاث
ہر زمانم درد دیگر میرسد | زیں حریفان بر دل و جان الغیاث
ہمچو حافظ روز و شب بیخویشتن | گشتہ ام سوزان و گریان الغیاث

شعر اول حالت قبض کا معلوم ہوتا ہے شعر ثانی میں بھی اُسی سے تنگ دلی کا اظہار ہے کہ اس میں جان جاتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور جور کے معنے لغوی مراد نہیں کہ ترک عدل ہے بلکہ محض بمعنی قہر کے ہے گو صورۃً ہی ہو اور معنیً لطف ہو۔ اور خوباں کی جمعیت جنسیت کے لیے ہے اور دین سے مراد زہد ہے گو صادق ہی ہو کہ عشق کے غلبہ سے اُس کے آثار بھی مغلوب ہو جاتے ہیں اور شعر ثالث میں بوسہ سے مراد تجلی مشروط بہ فنا ہے اور چونکہ وہ موقوف ہے فنا پر اس لیے در بہائے الخ کہا گیا۔ اور جانے مفعول ہے اپنے مابعد کے فعل کا اور طلب می کنند ایک فعل ہے اور شعر رابع میں کافر دلان کے معنی ہیں سنگین دلان لانہم قیل فیھم ثم قست قلوبکم من بعد ذلک فھی کالحجارۃ کنایہ ہے استغناء و عدم تاثر سے پس نظر باعتبار معنی لغوی کے اس میں کوئی عقلی اشکال نہیں جیسا صمد اسماء الٰہیہ سے ہے اور مآخذ اُس کا لغۃً وہ ہے جو قاموس میں ہے الصمدۃ صخرۃ راسینۃ فی الارض مستویۃ بہا او مرتفعۃ اور لفظ کفر بھی لغۃً قبیح نہیں قال تعالےٰ فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ اور اگر اس شعر کو محبوبان مجازی کے حق میں کہہ دیا جاوے اور غرض اُس کی تنفیر کہی جاوے تاکہ اُن سے اعراض کریں تو یہ اشکالات راساً متوجہ ہی نہ ہوں گے گو سیاق و سباق کے اعتبار سے قدرے بعید ہے اور قدرے اس لیے کہا کہ غزل میں ہر شعر مستقل ہوتا ہے تو بہت زیادہ بعید نہیں اور شعر خامس میں روز فضل سے مراد روز وصل ہے بقرینہ تقابل کے اور اس میں اشارہ ہے اس طرف کو کہ وصل محض فضل ہے استحقاق سے نہیں۔ اور شعر سادس میں حریفان کے معنی ہیں یاران اور جمعیت جنس کے لیے ہے اور شعر سابع میں بیخویشتن بمعنی بیخود حال ہے

ردیف الجیم

غزل

سزد کہ از ہمہ دلبراں ستانی باج چرا کہ بر سر خوباں عالمی چوں تاج

دو چشم شوخ تو برہم زدہ خطا و ختن بچیں زلف تو ما چین و ہند دادہ خراج

بیاض روی تو روشن چو عارض خورشید سواد زلف تو تاریک تر ز ظلمت داج

لب تو خضر و دہان تو آب حیوان ست قد تو سرو و میان تو موی و گردن عاج

داج شب تاریک دراصل داجی بودہ۔ مقصود مشترک ان اشعار کا تفضیل ہے محبوب کی دوسرے محبوبوں پر سب صفات میں اور واجب کا فضل ممکن پر ظاہر ہے اور غرض اس سے تزہید ہے غیر اللہ سے۔ ہ

ازیں مرض بحقیقت کجا شفا یابم کہ از تو درد دل من نمیرسد بعلاج

مصرعہ ثانیہ کا یہ مطلب نہیں کہ تم میرا علاج نہیں کر سکتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ تمہاری طرف سے میرے درد دل کے علاج کی نوبت نہیں پہنچتی یعنی میرا علاج نہیں کرتے پھر اور کس طرح شفا ہوگی کیونکہ شفا تو آپ ہی کے علاج میں منحصر تھی۔ یہ تنگی ہے خاص حالات و واردات کے انقطاع سے۔ ہ

دہان تنگ تو دادہ بآب خضر بقا لب چو قند تو برد از نبات مصر رواج

اس شعر کا بھی وہی مطلب ہے جو اول کے اشعار چارگانہ کا۔ ہ

چرا ہمی شکنی جان من ز سنگدلی دل ضعیف کہ ہست او بنازکی چو زجاج

چرا اعتراض کے لیے نہیں بلکہ استفادہ حکمت کے لیے ہے اور جان من منادی ہے اور دل ضعیف مفعول ہے می شکنی کا۔ زجاج کانچ۔ سنگدلی کی تحقیق اس سے اوپر کی غزل میں گزر چکی ہے اور زجاج سے تشبیہ بوجہ ضعف کے ہے خلق الانسان ضعیفا اس میں نص ہے۔ باقی

تقریر شعر کی ظاہر ہے۔

فتادہ در دل حافظ ہوائے چوں تو شہے کمینہ بندہ خاک در تو بودے کاج

کاج بمعنی کاش۔ مصرعہ اول میں اظہار ہے اپنے عشق کا اور مصرعہ ثانیہ میں تمنا ہے عنایت کی یعنی کاش آپ کے ملازمان درگاہ میں داخل اور شمار ہوتا گو ادنیٰ ہی درجہ میں سہی۔

ردیف الحاء

غزل

اگر بمذہب تو خون عاشق ست مباح صلاح ماہمہ آں ست کاں تراست صلاح

اس میں رضا وتسلیم کا اظہار ہے اور اشارہ اس طرف ہے کہ شدائد و مکارہ میں بھی حکمت ہوتی ہے اس پر بھی رضا چاہیے۔

سواد موی تو تفسیر جاعل الظلمات بیاض روی تو تبیان فالق الاصباح

مقصود اس سے کمال بیان کرنا ہے صفات محبوب کا۔ تقریر ظاہر ہے۔

ز دیدہ ام شدہ صد چشم در کنار رواں کہ خود شنا نکند در میان آں ملاح

یعنی اتنا پانی نکلا ہے کہ اس میں ملاح بھی جو کہ شناوری میں کامل ہوتا ہے شناوری نہیں کر سکتا۔ مقصود بیان کرنا ہے کثرت گریہ کا جو کہ بعض احوال کے طاری ہونے سے واقع ہوتا ہے۔

لب چو آب حیات تو ہست قوت روح وجود خاکی ما را ازوست قوت راح

راح شراب یعنی قوتیکہ از شراب حاصل می شود۔ اس میں بیان ہے صفت قبولیت کا جس کا استحضار و مراقبہ معین ہے کمال توحید کا۔

ز چنگ زلف کمندت کسے نیافت خلاص نہ کہ از کمانچہ ابرو و تیر غمزہ نجاح

یعنی نجاح نیافت۔ بیان کرنا ہے کمال محبوبیت اور اُس پر عموم محبیت کے مرتب ہونے کا بمعنی کثرت محبین یا استیعاب جب کہ محبت کو بواسطہ و بلاواسطہ و مع الادراک و بلا ادراک سے عام لیا جاوے کما ذکر غیر مرۃ۔

بیا کہ خون دل خویشتن بحل کردم　　اگر بمذہب تو خون عاشق ست مباح

یعنی بیا و قتل کن اس سے وہی مقصود ہے جو مطلع کے شعر سے مقصود ہے۔

نداد لعل لبش بوسۂ بصد تلبیس　　نیافت کام دل من ازو بصد الحاح

لعل لبش فاعل نداد و بوسہ مفعول و مراد تلبیس تملق مجازاً کہ از جانب طالب باشد و کام مفعول نیافت و دل فاعل او۔ مقصود دونوں جملوں سے باوجود طلب و اہتمام کے اپنی ناکامی کا بیان کرنا ہے جس کی وجہ واقع میں یہ ہوتی ہے کہ طالب کی بعض خاص خواہش اس کی مصلحت کے خلاف ہوتی ہے کما ذکر غیر مرۃ۔

صلاح و توبہ و تقوےٰ ز ما مجو زاہد　　ز رند و عاشق و مجنون کسے نہ جست صلاح

اس کا حاصل وہی ہے جو بارہا مذکور ہوا ہے کہ ہر طالب کا مذاق جدا ہوتا ہے دوسرا طریق اُس کے لیے مناسب نہیں ہوتا۔

پیالہ چیست کہ بر یاد تو کشیم قدح　　و نحن نشرب شرباً کذالک الاقداح

پیالہ جام صغیر بقرینہ مقابلہ قدح کہ پیالہ بزرگ باشد کما فی الغیاث۔ شرباً مفعول مطلق ست از نشرب و الاقداح مفعول بہ است مراد از معنی کذلک ای علی الدوام مقصود اس سے طلب ترقی ہے مراتب قرب و وصول میں اور اشارہ ہے اس کی تعلیم کی طرف کہ طالب کو ایسا ہی چاہیے اور یہ ترقی موقوف ہے استقامت علی العمل و المجاہدہ پر پس اس میں بھی فتور و خلل نہ ڈالے قال الرومی رح

اے برادر بے نہایت درگہے ست　　ہر چہ بروے میرسی بروے مایست

دعای جان تو ورد زباں حافظ باد　　مدام تا کہ بود گردش مسا و صباح

دعا بمعنی ثناء و جان بمعنی نفس و ذات۔ شاید اس میں اشارہ ہو استقامت علی العمل والمجاہدہ کی طرف جو موقوف علیہ ہے ترقی مراتب قرب و وصول کا جس کی تقریر اوپر گزر چکی۔

غزل

ببین ہلال محرم بخواہ ساغر راح	که ماہ امن و امان ست و سال صلح و صلاح
عزیز دار زمان وصال را کاندم	مقابل شب قدرست و روز استفتاح
نزاع بر سر دنیای دوں کسے نکند	بآشتی ببرای نور دیدہ گوے فلاح
دلا تو فارغی از کار خویش و می ترسم	که کس درت نکشاید چو گم کنی مفتاح
بیار بادہ که روزش بخیر خواہد بود	ہر آنکہ جام صبوحش نہد چراغ صباح

ان اشعار میں ترغیب ہے عمر کو غنیمت سمجھنے کی اور عمل میں سعی کرنے کی۔ اور ماہ محرم سے سال شروع ہوتا ہے اور نیز وہ اشہر حرم سے ہے جس میں امن و امان ہوتا ہے پس یہ کنایہ ہے اس سے کہ ابھی تمہاری عمر کی ابتدا ہے۔ بایں معنی کہ ختم نہیں ہوئی اور وقت بھی امن و امان کا ہے کہ کوئی مزاحم عمل کا نہیں جس کی ایک وجہ بھی مناسب مقدم مقطع سے پہلے شعر میں مذکور ہے کہ شاہ عادل کی حکومت کا زمانہ ہے اور زمان وصال سے مراد زمانہ امکان وصال یعنی مہلت عمل اور مقابل بمعنی مماثل۔ اور روز استفتاح کہتے ہیں پانزدہم رجب کو جس کی وجہ تسمیہ غیاث میں اس طرح لکھی ہے در رحمت و درہای بہشت دریں روز کشادہ می شود و در کعبہ نیز بجہت زائران کشادہ می شود۔ و بعضے گویند کہ زبان عیسیٰ علیہ السلام دریں روز کشادہ شد۔ میں کہتا ہوں اول وجہ غالباً بناءً علی المشہور ہے ورنہ کوئی روایت اس کے متعلق نظر سے نہیں گزری تقریر دونوں شعروں کی ظاہر ہے چونکہ اکثر حرص دنیا مانع ہو جاتی ہے سعی للآخرۃ سے اس لیے نزاع الخ میں اس کی مذمت کر دی اور مراد کسی نہ کند سے یہ ہے کہ کس کہ معتد بہ باشد نکند اور گوی مفعول ہے ببر کا گوی بردن فعل مشہور ہے۔ اور دلا الخ میں ایقاظ ہے غفلت سے۔ اور مفتاح سے مراد عمر ہے کہ مفتاح عمل ہے یعنی اگر یوں ہی ختم ہو گئی تو پھر باب سعادت مفتوح نہ ہو گا لقولہ تعالیٰ

ومن کان فی ہذہ اعمی فہو فی الآخرۃ اعمی۔ آگے بیار بادہ الخ میں عمل کے لیے اپنی مستعدی ظاہر کر رہے ہیں تاکہ دوسروں کو بھی ترغیب ہو خصوصاً اُس مستعدی کی جو علت بیان فرمائی وہ تو ترغیب عام ہی کے لیے موضوع ہے اور مصرعہ اولیٰ میں روز سے مراد روز حشر لینا بہتر ہے اور مصرعہ ثانیہ میں جام صبوح سے مراد عشق و محبت اور چراغ صباح سے مراد آفتاب اور ضمیر ش کی راجع ہر آنکہ کی طرف اور چونکہ آفتاب نکلتا ہے شب کے ختم ہونے پر اس لیے بقول بعض محشین یہ کنایہ ہے دم واپسیں سے یعنی ہر کس کہ جام صبوح بہش او چراغ صباح نہد روزش بخیر باشد مطلب یہ کہ ہر کہ اعشق و محبت دم واپسیں پیش آرد و زحشرش بخیر خواہد بود حاصل یہ ہوا کہ روز مرگ اسی حالت میں آجاوے کہ وہ مشغول بہ عمل و طاعت ہو کما قال تعالےٰ ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔ لطیفہ۔ ان اشعار کی شرح لکھنے کی تاریخ اتفاق سے ۳۰ یا ۲۹ محرم ہے علی اختلاف الحسابین کہ ان تیسوں تک کا ماہ ہلال کہلاتا ہے دالی سبع فی قول) پس بعین ہلال محرم کی شرح کا اس تاریخ میں لکھا جانا ایک اتفاق غریب ہے۔

کدام طاعت شایستہ آید از من مست　　　کہ رنگ صبح ندانم ز فالق الاصباح

اس میں تنبیہ ہے کہ عمل و سعی کر کے مغرور نہ ہو بلکہ خاتمہ سے ڈرتا رہے۔ ترجمہ یہ ہے کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ مجھ سے کوئی اطاعت شایستہ خاتمہ کے وقت صادر ہوگی یا نہ ہوگی کیونکہ صبح کا یعنی دم واپسیں کا دکھا ذکر فی شرح شعر قبلہ) رنگ ڈھنگ معلوم نہیں کہ فالق الاصباح کی جانب سے کس طرح ظاہر ہو اور مست بمعنی حیران یا تو اس ندانستن کی وجہ سے کہا یا بوجہ خائف ہونے کے کہا کما فی قولہ تعالےٰ وتری الناس سکاری الخ۔ ۵

زمان شاہ شجاع ست و دور حکمت شرع　　　براحت ای دل و جان کوش در مسا و صباح

اول کے اشعار کی تاکید ہے کہ زمانہ شاہ عادل و متشرع کا ہے کوئی کسی کو ستا نہیں سکتا۔ خوب راحت سے عمل میں سعی کرتے رہو۔ ۵

ببوی صبح چو حافظ شبے بروز آور　　　کہ بشگفد گل عیشت ز شعلۂ مصباح

شعلہ مصباح کنایہ آفتاب سے معلوم ہوتا ہے یعنی اپنی عمر کو کہ زمانہ ہجراں ہے بامید صبح

وصل کے کہ روتے واپسیں نصیب ہو گا ختم کر دو (اور رجاء وامید کے لوازم میں سے ہے عمل)
کہ ایسا کرنے سے آفتاب نکلتے ہی تمہارا گل عیش شگفتہ ہو گا یعنی کامیاب ہو گے۔

ردیف الخاء

غزل

دل من در ہوای روے فرخ — بود آشفتہ ہمچوں موئے فرخ
بجز ہندوی زلفش ہیچ کس نیست — کہ برخوردار شد از روے فرخ
سیاہ نیک بخت ست آنکہ دائم — بود ہمراز و ہمزانوے فرخ
شود چوں بید لرزاں سرو آزاد — اگر بیند قد دلجوے فرخ
بدہ ساقی شراب ارغوانی — بیاد نرگس جادوے فرخ
دوتا شد قامتم ہمچوں کمانے — زغم پیوستہ چوں ابروے فرخ
نسیم مشک تاتاری خجل کرد — شمیم موی عنبر بوے فرخ
اگر میل دل ہر کس بجائے ست — بود میل دل من سوئے فرخ
غلام خاطر آنم کہ باشد — چو حافظ چاکر ہندوے فرخ

فرخ کی نسبت محشیین وشراح نے لکھا ہے نام شخصے کہ گوشہ خاطر حافظ بظاہر متعلق باد بود پس اس صورت میں یہ بہتر ہے کہ اس غزل کو ابتدائی زمانہ یعنی قبل حصول عشق حقیقی پر محمول کیا جاوے۔ اور اگر فرخ سے مراد مطلق محبوب ہو جیسا محاورات میں لیلیٰ اور سلمیٰ اور شیریں اور عذراء سے مطلق محبوب مراد ہوتا ہے تو اس تاویل کی ضرورت نہیں۔ اور شعر ثالث میں سیاہ نیک بخت است خبر مقدم ہے اور آنکہ الخ مبتداء مؤخر ہے نہ کہ بالعکس لفساد المعنی اور مراد اس سے زلف ہے اور مطلب اس کا اور شعر ثانی کا متحد ہے۔ اور نسیم مشک تاتاری مفعول ہے خجل کرد کا اور شمیم الخ فاعل ہے اس کا۔ اور شعر متصل بالمقطع میں اشارہ ہے وحدت مطلوب یا وحدت مطلب کی طرف۔ اور مقطع میں

اشارہ اس طرف ہے کہ محبوب کے متعلقین ومنتسبین سے محبت رکھنا عین محبت محبوب ہے بؤیدہ حدیث اللہم ارزقنی حبک وحب من یحبک۔ باقی اشعار کی تقریر مطلب ظاہر ہے۔

عرض حال :- ردیف الخاء المعجمہ کے ختم تک دیوان حافظ ایک خمس وقدرے زائد ہے چونکہ زیادہ مقصود اس شرح کے شروع کرنے سے صرف یہ امر تھا کہ اس کلام کا طرز معلوم ہوجاوے تاکہ مطالعین دیوان اغلاط وزلات اعتقادیہ میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہیں اور ایک بڑی کتاب کا خمس ایک معتد بہ مقدار ہے جس کی شرح سے یہ مقصود مذکور باحسن واکمل وجوہ حاصل ہوسکتا ہے اور جس کی قوت سے بقیہ کا حل بھی ذرا تدبر سے ممکن ہے اور اسی بناء پر خود ان اجزاء موجودہ میں بھی اخیر کی غزلوں کی شرح میں کسی قدر اختصار ہوگیا ہے کیونکہ اول میں مسائل واسالیب کلام کا تفصیلی حل مابعد کے اجمالی حل کے لیے مغنی سمجھا گیا غرض اس لیے اس ردیف الخاء سے آگے لکھنے کا ارادہ نہ تھا سو جس طرح کلید مثنوی ایک دفتر کا جو کہ سدس المجموع ہے حل اور شرح ہے اسی طرح بحمد اللہ اس شرح سے بھی ایک خمس دیوان کا حل بقدر ضرورت ہوگیا جس کے مطالعہ سے انشاء اللہ تعالےٰ علاوہ مناسبت طرز دیوان کے خود مسائل کثیرہ نافعہ فن معلوم ہوجاویں گے پس اب اسی عرض حال پر شرح ہذا کو ختم کرنا ہوں مگر چونکہ اتفاق سے اس کا خاتمہ ایسی غزل پر ہوا ہے جو کہ ظاہراً ایک محبوب مجازی کے متعلق ہے اس لیے بہ نظر جلالت شان دیوان کہ سراسر حقیقت وعرفان ہے مناسب معلوم ہوا کہ ردیف الدال کے چند اشعار جو کہ عرفان سے لبریز اور محبوب حقیقی کے عشق انگیز ہیں اس مقام ختم پر درج کر دیے جاویں اور چونکہ ردیف الدال متن کے نسخہ میں اور غزل سے اور شرح بدر الشروح کے نسخہ میں اور غزل سے شروع ہے اس لیے دونوں غزلوں کے تین تین شعر اول اور آخر اور وسط کے تبرکاً نقل کر کے اس عرض حال کو ختم کرتا ہوں اور اللہ تعالےٰ سے اپنے اور منتفعین بالکتاب کے خاتمہ بالخیر کے لیے دعا کرتا ہوں۔

اشعار غزل اول ردیف الدال موافق نسخہ متن

ابر آذاری بر آمد باد نوروزی وزید — دور می میخواہم ومطرب کہ میگوید رسید

غالباً خواہد کشود از دولتم کارے کہ دوش — من ہمی کردم دعا وصبح آمین میدمید

تیرِ عاشق کش ندانم بر دلِ حافظ کہ زد ع	ایں قدر دانم کہ از شعرِ ترش خون میچکد

اشعار غزل اوّل ردیف الدال موافق نسخہ شرح

آں کہ ع خاک را بنظر کیمیا کنند	آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند
بے معرفت مباش کہ در من یزید عشق	اہل نظر معاملہ با آشنا کنند
حافظ ع مدام وصل میسر نمی شود	شاہان کم التفات بحال گدا کنند

وکان ہذا فی الیوم الرابع من شہر اللہ المحرم ۱۳۲۷ھ سنہ ھجریۃ فی بلدۃ تھانہ بھون صینت من الفتن وصلی اللہ تعالےٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین فی السر والعلن۔

ع منجملہ لطائف آنست کہ ابتدائے کلام حافظ وایں شعر متقارب المعنی ہستند پس ختم بریں نہایت لطافت دارد ۱۲ منہ۔

ع در ختم بر شعر ہذا ہم لطیفہ ایست وآں اینکہ از بعضے ثقات شنیدہ ام کہ در بدو حال حافظ تا آں گاہ کہ برشدی کامل نرسیدہ بودند بالہام آلٰہی حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ برای تربیت باطن حافظ در شیراز تشریف آوردند و حافظ را طلبیدند پس ژولیدہ حال وخستہ بال آمد نظر بر شیخ افتادن ہماں بود ایں شعر بر زبان رواں شدن ہماں حضرت شیخ توجہ خاص نمودند والقاء نسبت فرمودہ راہ خود گرفتند ازاں وقت حافظ را کمالات وحالات روز افزوں رو نمود پس ختم بریں شعر کہ ابتدای عرفان از ہمیں بود نہایت مناسبت دارد ۱۲ منہ۔

★

نفیس اکیڈمی کراچی
na
قائم شدہ ۱۹۳۹ء